خلش
رضیہ بٹ

شہر سنسان ہے صحرا کی طرح
اب وہ ہنگامہ احباب کہاں
سطح دریا تو ہے ہموار مگر
بستیاں ہو گئیں غرقاب کہاں

★

دیباچہ

ہولناک طوفان ـــــ قیامت خیز تباہی ـــــ طوفانِ نوح سے بھی بڑا المیہ ـــــ

شاید ہی کسی سال ہمیں یہ روح کو ہلا دینے والی خبر نہ سننی پڑی ہو ـــــ لاکھوں انسانوں کو نگل جانے والے طوفان قدرت کا ایک بہت بڑا عذاب ہی تو ہیں. جو بے گناہ انسانوں کو اس لئے نگل جاتے ہیں. کہ زندگی ان پر بوجھ بن چکی ہوتی ہے۔

مرنے والے کون ہوتے ہیں ـــــ اور ہر سال کیوں خاموشی سے مر جاتے ہیں۔ اس مشینی دور میں شاید ہمیں اپنے ہی ملک اور معاشرے کے اس تاریک گوشے اور اہم حصہ میں جھانکنے کا موقع نہ ملے ورنہ ہم ضرور انہیں جانتے۔

وہ لوگ جو ہر سال مر جاتے ہیں ـــــ نہ جانے پیار کی کتنی داستانیں سمندر کی تہہ میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں ـــــ

نہ جانے زندگی کے کتنے ناسور ـــــ وہ زمانے کو نہیں دکھا سکتے. ان کا دل بھی دھڑکتا ہے ـــــ اور وہ بھی پیار کرتے ہیں ـــــ مگر ان کا پیار کیسا ہوتا ہے ـــــ شاید ہم اس کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

میرا ناول ـــــ خلش اس معاشرے ـــــ اور ان ہی جزیروں میں سے ایک جزیرے کا المیہ ہے ـــــ جہاں معصوم ـــــ بے گناہ غریب اور ایسے انسان بستے ہیں. جنہیں مہذب دنیا انسان بھی نہیں مانتی۔

پٹ سن کے بدبودار ریشوں ـــــ اور چائے کے سرسبز باغات کی سرزمین

ناریل کے بلند و بالا درختوں ـــــ اور بانسوں کے سرسراتے کھیتوں میں ـــــ میں نے محبت کو کریدا ہے ـــــ مگر دیکھنا یہ ہے یہ پیار ہمارے معاشرے سے کس قدر مختلف ہے ـــــ اور وہ لوگ کس انداز سے پیار کرتے ہیں ـــــ کیونکہ پیار کرنا ـــــ اور دوسروں کو چاہنا بھی زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے۔

آخر میں اتنا عرض کروں گی کہ میرے اس ناول کا نہ تو میری ہم نام مصنفہ سے کوئی تعلق ہے. اور نہ ہی اس فلم سے جو اس نام سے فلمائی جا رہی ہے۔

ناول پڑھئے ـــــ مجھے دعوےٰ ہے کہ یہ میرا شاہکار ترین ناول ہے. اور شاید میں اس انداز کا ناول پھر نہ لکھ سکوں۔

فقط

رضیہ بٹ

دختر ایم ڈی بٹ. نور شاہ روڈ ـــــ لاہور

٣٠/٢/٧١

غربت اور امارت —

ان دونوں کا قسمت سے کوئی تعلق نہیں — اگر واقعی یہ دونوں چیزیں قسمت کی پیداوار ہوتیں — تو ہم قدرت کو بے رحم ترین چیز خیال کرتے کیونکہ انسانوں کے درمیان اونچ نیچ — اور نفرت کی دیوار کھڑی کرنے والی بہرحال یہی دو معاشرتی برائیاں ہیں —

اور بے شمار چیزوں — ذات پات - علاقائی تعصب نسل — مذہب اور رنگت کی طرح یہ دو بنیادی برائیاں بھی خود انسان کی پیدا کردہ ہیں جس نے انسانوں کو انسانوں سے اس قدر دور کر دیا ہے۔ کہ آج ہم ہر بات کی

کسوٹی ان ہی دو چیزوں کو خیال کرتے ہیں —

معاشرہ میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے انسانوں پر جو مظالم توڑے ہیں۔ ان میں سب سے اوّل یہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے دولت پر قبضہ کر لیا ہے جوں جوں معاشرہ تہذیب و تمدن سے زیادہ نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ وہ رزق کے سرچشموں پر بھی قابض ہو رہے ہیں — اور انہوں نے ان تمام لوگوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے جن کے پاس چمکتے ہوئے سکوں — کڑکڑاتے نوٹوں — اور سونے کی سلاخوں کی کمی ہے —

غریب — دولت مند کا دست نگر بن کر رہ گیا ہے — اپنی محنت کا آخری حصہ بھی فروخت کرنے کے بعد وہ اتنا پیسہ نہیں کما سکتا کہ اپنا اور اپنے گھر والوں ہی کا پیٹ بھر سکے۔

کسی مفکر نے کہا تھا —

"جب پیٹ کا ساز بجتا ہے تو بڑی درد بھری آواز نکلتی ہے —"

مگر غریب کے پیٹ کے ساز اور اس درد بھری آواز کو دولت مندوں کے کان سننے سے عاری ہیں — اور غریب کی محنت کو وہ اپنی دولت میں مزید سے مزید ترین اضافہ کے لئے ہضم کرتے وقت بھی ان کے ضمیر نے کبھی انہیں نہیں جھنجھوڑا —

مشرقی پاکستان —

وہی خطۂ ارضی تو ہے — جہاں کروڑوں انسان فقط بنگالیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر گندم اور چاول کے چند دانوں کے لئے چلاتے مر گئے — مگر

مہذب دنیا میں رہنے والوں کو اپنی بے پناہ مصروفیات اور رنگین پروگراموں سے ہی فرصت کہاں تھی کہ وہ ادھر توجہ کرتے ——— آخر معاشرے پر بوجھ بنے ہوئے ان ناکارہ انسانوں کے مرجانے سے مہذب دنیا کو کون سا نقصان پہنچ سکتا تھا۔

ان لوگوں نے قحط بنگالہ کی خبریں سنیں ——— تو انہیں اخبارات کی زینت بنایا ——— تاکہ قارئین کو خوفناک ترین خبریں پڑھنے کو ملیں ——— اور وہ اخبارات کو بور خبریں شائع کرنے کا طعنہ نہ دیں۔

ان اخبارات اور حکومتوں کے پریس فوٹوگرافر بھوک سے مرنے والوں کی تصاویر اتارنے اور فلمیں بنانے کے لئے دور دراز سے بھاگے بھاگے آئے۔ تاکہ ان ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہوئے لوگوں ——— پانی اور دودھ کے ایک قطرے کے لئے بھوک سے سوکھ کر مرنے والے معصوم بچوں ——— اور ان بے بس ماؤں کی بے بسی کی تصاویر اخبارات میں شائع کریں ——— مگر انہیں اس وقت بھی اتنی توفیق نہ ہوئی کہ وہ اپنی حکومتوں پر زور دیتے کہ وہ ایڑیاں رگڑتی انسانیت کے لیے چند فالتو روٹیاں دے دیں ——— تاکہ وہ بخیل کہلانے کے امکان سے بچ جائیں ——

مگر جب لاکھوں انسان مرگئے۔ ماؤں نے بچوں کو چھوڑ دیا۔ حاملہ عورتوں نے گلے میں پھندے ڈال کر خودکشیاں کر لیں ——— اور لوگ مٹی کھا کھا کر یا پودوں کی جڑیں کھا کھا کر اور الٹیاں کر کر کے مرگئے تو ریڈکراس اور دیگر انسان دوست تنظیمیں لپک پڑیں تاکہ ان لاشوں کو ٹھکانے لگایا جا سکے ——

کیونکہ مرنے والوں کی لاشوں سے انہیں خوف آتا تھا ——— اور ان

کی بدبو ان کے ذہنوں کو پراگندہ کئے دے رہی تھی ———

انسانیت کا درس دینے والے بڑے بڑے مصنف اس خطۂ ارض میں اس وقت بھی آئے تھے ———

تاکہ حقیقی مناظر پر مبنی دلچسپ ترین کتابیں لکھیں ——— اور انسان کی بے بسی کا مذاق اڑا کر اپنی جیبیں گرم کر سکیں۔

بڑی بڑی فلم ساز کمپنیوں نے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر دیئے ——— لوگوں کو خوراک مہیا کرنے پر نہیں فلم سازی پر ——— تاکہ مرتے ہوئے لوگوں کی منظر کشی کریں ——— اور مہذب دنیا ایڑیاں رگڑتی ہوئی انسانیت اور تڑپتے ہوئے انسانوں کو دیکھ کر اپنے لئے تفریح کا سامان مہیا کرے ——— وہاں ——— ایوننگ ان پیرس میں بسے ہوئے ملبوسات والی اداکارائیں ناک پر ریشمی رومال رکھے نفرت سے ان لوگوں کو دیکھتی رہیں کہ کتنے بدتمیز ہیں۔ یہ لوگ —— جنہیں مرنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا ———

فلموں کے ڈائریکٹر ——— دنوں اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ کب بہت سے انسان ایک ساتھ تڑپتے ملیں ——— اور وہ انہیں مرنے سے بچانے کی بجائے ان سے درخواست کریں کہ وہ چند منٹ اور ایڑیاں رگڑ کر جان دیں ——— تاکہ فلم شاندار بن سکے ———

انسانی حقوق کا رونا رونے والے ——— اخبار نویسوں نے بے شمار لاشوں کی تصاویر بنائیں ——— اوندھی سیدھی ——— برہنہ ——— اور گلی سڑی انسانی لاشیں ———

انہیں بھول کر بھی یہ خیال نہ آیا کہ آدم کی اولاد ہونے کے ناطے سے یہ
ان کے بھائیوں بہنوں، بیٹیوں اور بچوں کی لاشیں ہیں ۔۔۔ انہوں نے
ان لاشوں کی تصاویر بنا کر ان کی تشہیر تو کی ۔۔۔ مگر ان لاشوں کو دفن کرنے کا
خیال بھی ان کے ذہن میں نہ آیا ۔۔۔

کیونکہ ۔۔۔ آج کے مہذب انسان نے بھوکے، سسکتے، دم توڑتے ۔۔۔
بیمار ۔۔۔ اور مردہ انسانوں کو بھی کاروباری نقطۂ نظر سے دیکھا ۔۔۔

مگر بنگال کا قحط ۔۔۔ بنگال پر آخری آفت نہ تھی ۔۔۔ قدرت نے
انسانوں کی انسانیت کا امتحان لینے کے لئے ہمیشہ اسی خطۂ ارض کا انتخاب
کیا ہے ۔۔۔ طوفانوں کی سرزمین بنگال آج بھی سمندری طوفانوں کی
زد میں ہے ۔۔۔ اور لاکھوں انسانوں کی ہر سال قربانی مانگتا ہے۔

وہ انسان ۔۔۔ جن کا قصور یہ ہوتا ہے کہ وہ غریب ہوتے ہیں ۔۔۔
اور اپنے لئے محفوظ اور بلند و بالا ایوان تعمیر نہیں کروا سکتے ۔۔۔

وہ انسان ۔۔۔ جنہیں اس خطۂ ارض اور ان جزیروں سے ہجرت
کی اجازت اس لئے نہیں دی جا سکتی کہ اس طرح یہ خطۂ ارضی دولت مندوں
کے لئے کمائی کے امکانات نہیں رکھے گا۔

ہر سال طوفانوں کے بعد ۔۔۔ شعراء شعر لکھتے ہیں ۔۔۔ مرثیے ۔۔۔
تاکہ وہ دوسروں سے اس فن کی داد لے سکیں ۔۔۔

اخبار نویس ۔۔۔ کالم سیاہ کر دیتے ہیں ۔۔۔ تاکہ پڑھنے والوں کو خوش
کیا جا سکے ۔۔۔

حکومت ۔۔۔ امداد کا اعلان کرتی ہے ۔۔۔ تاکہ مرنے والوں کو
دفن کیا جا سکے، اور ان کی بدبو ان ایوانوں کی فضا خراب نہ کر دے ۔۔۔ جہاں
رنگ برنگے پھول انہی انسانوں کے خون کی سرخی لئے ہوتے ہیں۔

غیر ملکی ادارے ۔۔۔ جہازوں میں سامان اور اشیاء روانہ کرتے ہیں ۔۔۔
تاکہ وہ دنیا بھر کو اپنے مخیر ہونے کا ثبوت دے سکیں اور انسان دوستی کا ایک مدت
کا ڈھنڈورا پیٹتے رہیں ۔۔۔

عوام چندے جمع کرتے ہیں ۔۔۔ اور ان لوگوں کی امداد کے لئے ورائٹی
پروگرام منعقد کرتے ہیں ۔۔۔ تاکہ ان کا کچھ وقت تفریحات میں گزر جاتے ۔۔۔
اور وہ خود کو دھوکہ دے سکیں ۔۔۔

مگر وہاں کی جھونپڑیاں ۔۔۔ کبھی پکے مکانوں میں نہیں بدلتیں وہاں کے
بھوکوں کو پیٹ بھر کر پھر بھی رزق نہیں ملتا ۔۔۔

اس علاقے میں طوفانوں کی روک تھام کا کوئی بندوبست نہیں کیا جاتا۔
غیر ملکی ماہرین ۔۔۔ اس علاقے میں پکی قبریں بنانے کے منصوبے تو بنا سکتے
ہیں ۔۔۔ محفوظ پناہ گاہوں کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی ۔۔۔

اس علاقے کے لوگوں کو وہاں سے دوسرے علاقوں میں منتقل ہونے کی
پھر بھی اجازت نہیں ملتی ۔۔۔ کیونکہ یہ سرمایہ دار کے مفاد کے خلاف ہوتا
ہے ۔۔۔

اور پھر ۔۔۔

لوگ بھول جاتے ہیں کہ وہاں کوئی آفت آئی تھی ۔۔۔

غریب کیڑوں مکوڑوں کی طرح مرے تھے ـــ

وہ اگلے طوفان کا انتظار کرتے ہیں تاکہ ایک دفعہ پھر گہما گہمی لوٹ سکے۔

مگر وہاں کے بسنے والے نیم برہنہ لباس والے ـــ ننگے پاؤں والے۔ بھوکے پیٹ والے اور سوکھے جسموں والے سانولے سلونے لوگ ایک بار پھر بانس اور گھاس پھونس سے جھونپڑیوں کی تعمیر شروع کر دیتے ہیں ـــ تاکہ بعد میں آنے والے طوفانوں کو مایوس نہ لوٹنا پڑے ـــ

قطار در قطار ـــ آمنے سامنے وہ اس طرز سے جھونپڑیاں بناتے ہیں۔ کہ جب طوفان آتا ہے تو وہ ایک دوسرے کی بے بسی کا تماشہ جی بھر کر دیکھ سکتے ہیں ـــ

مگر یہ تباہی ـــ مسلسل تباہی ـــ اور خوفناک تباہی ـــ اس انسانی عزم کی نشان دہی کرتی ہے۔ جسے طوفان کبھی شکست نہیں دے سکتے اور اسی سرزمین پر ـــ

ان قطار اندر قطار جھونپڑیوں ـــ میں ایک جھونپڑی میں ساون بھی اپنی نوجوان بیوی بیلو اور بیٹے پرویز کے ساتھ رہتا تھا ـــ

یہ جزیرہ ـــ ساحل سے بارہ میل دور تھا ـــ

چھ سات میل لمبا یہ جزیرہ دوسرے جزیروں کی نسبت زیادہ بڑا تھا۔ بانس کے جنگل نما کھیتوں کے درمیان ـــ کھلی جگہ پہ دو رویہ قطاروں میں آمنے سامنے ـــ بانسوں ـــ گھاس اور مٹی سے بنائی گئی یہ مخروطی جھونپڑیاں مکینوں کی غربت کا منہ بولتا ثبوت تھیں ـــ

جزیرے پہ اس قسم کی دو بستیاں تھیں ـــ جن میں ایک ہی طرز کی کم و بیش چار سو جھونپڑیاں تھیں ـــ اور ان جھونپڑیوں میں کم و بیش دو ہزار انسان آباد تھے ـــ جو صبح سے شام تک محنت کر کے اپنے آقاؤں کی تجوریوں کے لئے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرتے تھے ـــ

ان جھونپڑیوں سے کچھ ہی دور پکے اور خوبصورت مکان تھے۔ جہاں ایک مسجد بھی تھی ـــ خانۂ خدا ـــ تاکہ خدا کو مطمئن رکھا جا سکے ـــ وہاں وہی لوگ رہتے تھے جو اس جزیرے کے مکینوں کے لئے آقا کا درجہ رکھتے تھے ـــ

ایک جاگیردار تھا ـــ

وہ اس جزیرے کے کھیتوں کا مالک تھا ـــ جہاں دھان اور پٹ سن ـــ پیدا ہوتا ـــ اور جس کی کاشت کرایا کرتا تھا ـــ

دوسرا ٹھیکیدار تھا ـــ

جزیرے کے سمندر سے نکلنے والے جھینگے مچھلیوں کو وہ چاول اور سکوں کے عوض خریدنے کا کاروبار کرتا تھا ـــ

ایک مولوی صاحب تھے ـــ

وہ پکے مکانوں میں رہنے والوں کے مذہبی فرائض کی ادائیگی کا فریضہ ادا کرتے تھے اور ان کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے ـــ ایک ڈاکٹر تھے وہ ان لوگوں کو طبی سہولتیں بہم پہنچایا کرتے تھے ـــ

وہ برطانیہ سے آئے ہوئے ضعیف العمر ڈاکٹر تھے ——— اد
وقت مغربی موسیقی سے دل بہلانا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا ———
ایک دوکاندار تھا ———
جس کی دوکان پر ہر چیز دستیاب تھی۔ جس کی پکے اور کچے
مکانوں میں رہنے والے لوگوں کو ضرورت تھی ——— وہ جدید ملبو
اور مچھلیوں سے لے کر مقامی لباسوں اور گھٹیا والوں تک کا کاروبا
کرتا تھا۔

پکے مکانوں میں ——— جھونپڑیوں سے الگ تھلگ رہنے وال
لوگوں کے پاس پٹرول سے چلنے والی لانچیں بھی تھیں ——— ج
میں بیٹھ کر وہ کبھی کبھار سمندر میں دور جایا کرتے تھے ——— م
مقامی جھونپڑیوں میں رہنے والے لوگوں کو نہ تو ان لانچوں میں بیٹھنے
اجازت تھی اور نہ وہاں جانے کی جہاں یہ پکے مکانوں والے جایا کرتے
تھے ——— البتہ ——— بڑے بوڑھے جنہوں نے جزیرے
پار ساحل کا شہر دیکھا تھا، بتایا کرتے تھے ———

شہر میں سبھی مکان پکے ہیں ——— وہاں نلوں سے خود بخود
نکلتا ہے ——— ایک بٹن دبانے سے بجلی روشن ہو جاتی ہے
مشینیں بے شمار لوگوں کو لے کر گھومتی ہیں ——— وہاں کے لوگ
وقت روٹی کھاتے ہیں ——— ان کے لباس رنگ برنگے ا
خوبصورت ہوتے ہیں ——— وہ شاندار عمارتوں میں موٹی موٹ

کتابیں پڑھتے ہیں ——— البتہ یہ بھی ——— کہ وہ ہر ایک سے
نفرت کرتے ہیں۔

• آسمان سے گزرتے ہوئے جہاز کو وہ بڑے غور سے حیرت
سے دیکھتے اور مائیں اپنے بچوں کو بتایا کرتی تھیں کہ ان لوہے کے پرندوں
کے پیٹ میں انسان بیٹھ کر اڑتے ہیں ———

ان لوگوں کے پاس پرانی اور مدتوں سے بار بار مرمت شدہ
بادبانی کشتیاں تھیں ——— جن میں بیٹھ کر وہ مچھلیاں پکڑتے اور بہت
کم داموں ٹھیکیدار کے پاس فروخت کر دیتے تھے ——— اور ٹھیکے دار پھر
دوبارہ ان مچھلیوں کو شور سے چلنے والی لانچوں میں لاد کر دور بھیج دیتا
جہاں کے لوگ موٹی موٹی کتابیں پڑھتے تھے ——— اور شاید خوب
مچھلیاں کھاتے تھے۔

جوہری ہر شام بستی کے قریب دوکانیں سجاتے اور وہ سب موتی
چند سکوں کے عوض خرید لیتے جنہیں بستی میں بسنے والے جوان بڑی محنت
سے سمندر کی تہہ میں پڑی ہوئی بے شمار سیپیوں سے تلاش کر کے لاتے
تھے ——— وہ دن بھر کشتی کے ساتھ رسہ باندھ کر سمندر میں بار بار
غوطے لگاتے اور ٹوکریوں میں بھر بھر سیپیاں نکالتے ——— اور ان
کا گوشت کاٹ کر ان میں سے موتی تلاش کر لیتے ———

اکثر سیپیاں بیکار جاتیں ——— اور جن سیپیوں سے موتی
نکل آتے ——— وہ ان کے لئے رزق کا ذریعہ تھیں ———

مرد اور عورتیں ——— سورج نکلنے کے فوراً بعد اپنی
کشتیاں لے کر سمندر میں دور دور تک نکل جاتے اور پرانی طرز کے
جالوں سے مچھلیاں پکڑ کر لاتے ———
بوڑھے مرد اور بچے ———
چائے کے باغات ——— ناریل اور پٹ سن کے کھیتوں میں
دن بھر محنت کرتے اور اس کا معاوضہ چند سکوں کی شکل میں انہیں
دے دیا جاتا ——— جنہیں وہ بستی کے دوکان دار کے سامنے لاکر
ڈال دیتے اور کھانے پینے کی اشیاء لے جاتے ——— ان کے
نزدیک دوکاندار خدا کے بعد ان کا اَن داتا تھا ———
اور یہی اس بستی کے شب و روز تھے ——— زندگی کا ایک
ہی نظام ——— ایک ہی طرز کی زندگی ———
محنت ——— اَن تھک محنت ——— اور پھر کوئی تفریح
نہیں ——— مگر ان انسانوں کے دلوں میں بھی امنگیں تھیں ———
ان کے دل بھی دھڑکتے تھے ——— وہ بھی ایک دوسرے سے پیار
کرتے تھے ——— وہ ہر چند غریب تھے۔ مگر آپس میں ایک دوسرے
سے وہ بھی دکھ درد بانٹتے تھے ——— غریبوں میں قدرت نے زیادہ
انسانیت دی ہے ——— وہ لوگ اپنے ساتھ دوسروں کے
مسائل کا خیال رکھتے تھے ——— جب کسی گھر کا فرد بیمار یا بیکار ہوتا
تو وہ لوگ اپنی خوراک اور ضرورت کی اشیاء میں سے تھوڑا تھوڑا

حصہ اسے بھی دیتے تھے تاکہ وہ بھی اس زندگی کو قائم رکھ سکے جو قدرت
نے اس کی مرضی کے بغیر اس پر مسلط کر رکھی ہے ———
وہ بھی سوچتے تھے ——— غریب تو سپنے دیکھنے کو پیدا ہوا ہے
——— مگر اسے ان سپنوں کی کبھی تعبیر نہیں ملتی ——— اور سپنوں
کی دنیا سے جب بھی وہ حقیقی دنیا میں واپس آتا ہے تو یہی سپنے اس کی
مجبوریوں کو دوچند کر دیتے ہیں۔ ———
ساون ———
اسی بستی کا ایک جوان مرد تھا ——— وہ دوسروں کے کام آنے
اور دوسروں کی خبر گیری کرنے میں باقی سبھی بستی والوں سے سبقت لے
جاتا تھا ——— اسے اپنی بیوی بیلو ——— اور بیٹے پرویز سے والہانہ
پیار تھا ———
ہر صبح ——— وہ اپنی بیوی کے ساتھ سمندر پر جاتا ———
جہاں وہ اپنے ایک سال کے بچے کو کشتی میں ڈال دیتے ——— اور
ساون کبھی مچھلیاں پکڑتا اور کبھی کبھی جب موتیوں کا موسم ہوتا۔ وہ
سمندر کی تہہ سے موتی نکالتا تھا ———
ساحل سے دور رہنے والے ریشمی اور خوبصورت لباسوں والے
والے چاق و چوبند مرد اور عورتیں ——— جو انہیں نفرت سے دیکھا
کرتے تھے۔ کبھی کبھار جزیرے پر آیا کرتے تھے ——— ساون ان
لوگوں کو اپنی کشتی میں بٹھا کر سیر کرواتا۔ اور وہ ساون کو کچھ پیسے دے

دیتے تھے ——

جب بھی انہیں ان لوگوں کو سیر کروانے کا موقع ملتا۔ اسے کچھ زیادہ پیسے مل جاتے —— اور وہ اس دن بہت خوش ہوتا —— اور دوسروں کو ادھار بھی دے دیا کرتا تھا ——

بستی کے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی وقت کا غلام تھا —— اس نے بھی کبھی شہر نہ دیکھا تھا —— البتہ اس کا باپ اسے شہر کے بارے میں بہت سی باتیں بتایا کرتا تھا —— جسے وہ اپنے دوسروں کو بتاتا تھا۔ اس کے گھر کے بالکل سامنے اس کی بہن شیریں اور اس کا خاوند عالم رہتے تھے۔ —— وہ کھیتوں میں کام کرتے تھے —— اور ان کے ساتھ والی جھونپڑی وہ تھی جہاں اس کا باپ رہا کرتا تھا —— انوار بھی ساون کی طرح سمندر سے مچھلیاں پکڑتا تھا —— مگر اس کے پاس اپنی کشتی نہیں تھی —— وہ ٹھیکیدار سے کشتی ادھار لے کر مچھلیاں پکڑتا تھا اور اس کے عوض اسے اکثر دوسروں سے کم پیسے ملتے تھے۔ جن سے وہ بڑی مشکل سے اپنا پیٹ بھر سکتا تھا ——

انوار کی منگنی دوسری جھونپڑیوں کی قطار میں رہنے والی ایک لڑکی سونیا سے ہو چکی تھی —— مگر بستی کے پرانے رواج کے مطابق تب تک اس کی شادی نہ ہو سکتی تھی۔ جب تک وہ اپنی کشتی نہ بنا لے —— اور ان تھک محنت کے بعد بھی اس کے پاس کبھی

اتنے پیسے جمع نہ ہو سکے تھے کہ وہ کشتی بنا سکے —— جس کی وجہ سے اس کی شادی رکی ہوئی تھی —— ہر بار وہ اپنے ہونے والے سسر سے وعدہ کرتا کہ اس موسم میں وہ ضرور محنت کرے گا اور اپنی کشتی بنائے گا —— مگر کرائے کی کشتی کی وجہ سے وہ بہت کم کما سکتا —— اس کی محنت کا زیادہ حصہ ٹھیکے دار ہضم کر جاتا اور جب وہ اس زیادتی کے خلاف ٹھیکے دار سے احتجاج کرتا۔ ٹھیکے دار اسے آئندہ کبھی کشتی کرائے پر نہ دینے کی دھمکی دیتا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ بالکل بے آسرا ہو جائے گا —— اور اس کا رزق بھی بند ہو جائے گا۔

وہ کھیتوں میں کام کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ کیونکہ وہاں کام کرنے کی آزادی نہ تھی —— جاگیردار کے کوڑوں والے ملازم ذرا سی غفلت پر دوسروں کو پیٹ دیتے تھے —— مگر وہ تمام لوگ جن کے پاس اپنی کشتیاں نہیں تھیں —— یا کسی وجہ سے جن کی کشتیاں طوفانوں کی نذر ہو گئی تھیں، کھیتوں ہی میں کام کرنے پر مجبور تھے۔

ساون نے بھائی سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اس موسم میں وہ اس کی ضرور امداد کرے گا —— اور کشتی بنانے میں اس کا ساتھ دے گا۔ تاکہ وہ اپنا گھر آباد کر سکے ——

مگر اس موسم میں اب تک وہاں نہ تو کوئی سیر کرنے والے آئے ہیں۔ جن سے وہ کچھ روپیہ کما سکتا —— اور نہ ہی زیادہ موتی سمندر سے نکل رہے تھے ——

بستی میں رہنے والے ـــ باہر کی دنیا سے بے خبر تھے ـــ وہ نہ کتابیں پڑھ سکتے تھے اور نہ اخبار ـــ اور نہ ہی ان کے بچوں کو مسجد کے مولانا صاحب تعلیم دیتے تھے ـــ

عبادت کے لئے ان لوگوں نے بستی ہی میں گھاس پھونس کی مسجد بنا رکھی تھی ـــ وہ وہیں نماز وغیرہ ادا کرتے ـــ البتہ جمعہ کے روز وہ پکی مسجد میں ضرور جاتے تھے ـــ جہاں مولانا صاحب وہ باتیں انہیں بتایا کرتے جو موٹی موٹی کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں ـــ

کتابوں میں لکھی ہوئی باتیں انہیں خوفزدہ کر دیتیں۔ مولانا ہمیشہ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈراتے اور اس عذاب کو کم کرنے کے لئے مسجد کو کچھ نہ کچھ دیتے رہنے کا مشورہ دیتے ـــ وہ غریب لوگ مسجد کی کیا خدمت کر سکتے تھے ـــ مگر دردناک عذاب سے بچنے کے لئے وہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھی جمعہ کو کچھ نہ کچھ مسجد کے لئے ضرور دیتے تھے ـــ کیونکہ کتابوں میں یہی کچھ لکھا ہوا تھا ـــ

مولوی صاحب کے بغیر ان کے ہاں نکاح بھی نہ ہو سکتے تھے اس موقع پر بھی مولوی صاحب کو کچھ نہ کچھ بلکہ اپنی بساط سے زیادہ انہیں دینا پڑتا ـــ کشتی خریدنے یا بنانے کے بعد سب سے پہلا خرچ مولوی صاحب کا تھا۔ مگر دنیا اور آخرت کے زیادہ تر کاموں میں مولوی صاحب چھائے تھے ـــ انہیں جزیرے کے حالات کے مطابق وعظ دینا پڑتی تھی ـــ اور انہیں ایسی مافوق الفطرت باتیں بتایا

کرتے تھے۔ جو کتابوں میں بھی درج نہیں کی گئیں۔ مگر بہرحال جزیرے والوں کو ان پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب کی باتوں کو نہ ماننا بھی کفر کی حد میں کر جو جانا تھا

یہی شب و روز تھے ان کے ـــ اور یہی زندگی تھی وہاں کی ـــ

معصوم ـــ سادہ ـــ بے بسی کے کفن میں لپٹی ـــ دوسروں کے رحم و کرم کی چکی میں پستی ہوئی ـــ اور ناکردہ گناہوں کی سزا دیتی ہوئی زندگی ـــ انہیں بہرحال بسر کرنا پڑتی تھی ـــ کیونکہ انسان بہرحال میں زندہ رہنے پر مجبور ہے ـــ اپنے لئے نہ سہی، دوسروں کے لئے ہی۔

مگر بارہا اس ماحول سے بغاوت بھی ہوتی رہی تھی ـــ

بہت سے دل جلوں نے جنہوں نے حالات کو دونوں ڈھنگ سے سوچا تھا اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ الہامی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ بغاوت اور سرکشی کی تھی ـــ انہوں نے کبھی چوریاں تو نہ کی تھیں ـــ مگر اس جزیرے سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے ـــ مگر بھاگنے والے پھر کبھی اس جزیرے پر واپس نہ آتے ـــ کیونکہ باہر کی دنیا میں جا کر وہ اپنے جزیرے کا نام کسی کو بھی نہ بتا سکے۔ کیونکہ وہ خود نام نہ جانتے تھے ـــ اور یہی چیز ان کے لئے زہرِ قاتل تھی ـــ

مگر اب کچھ عرصے سے نہ جانے کیسے وہ اپنے جزیرے کے نام
سے واقف ہوگئے تھے ۔۔۔ نام وبا کی صورت پھیلا ۔۔۔ کانوں
کانوں میں ایک دوسرے کو یوں بتایا گیا۔ جیسے یہ بھی کوئی جرم سرزد
کیا جا رہا ہو ۔۔

یوں کیوں کس طرح ہوا ۔۔

ایک مقامی جو ایک لانچ میں ملازم تھا۔ اور مالکان کا با اعتماد
تھا ۔۔۔ بھاگ گیا ۔۔۔

مدت کے بعد وہ دوبارہ مالکان کو نظر آ گیا ۔۔۔ اور وہ اسے
لے کر جزیرے پر آ گئے ۔

یوں جیسے وہ اس سے باز پرس بھی نہ کر سکے ۔۔۔ صرف
ایک رات وہ مقامی لوگوں کے درمیان رہا ۔۔۔ اس نے لوگوں
کو شہر کی بہت سی باتیں بتائیں ۔

وہاں کی اونچی اونچی عمارتوں کے بارے میں ۔۔۔ سرسبز پارکوں
۔۔۔ تیز رفتار کاروں ۔۔۔ اونچے ہوٹلوں ۔۔۔
فیشن ایبل لڑکیوں ۔۔۔ خوبصورت کپڑوں ۔۔۔ بے فکرے
نوجوانوں ۔۔۔ سینماؤں ۔۔۔ بسوں ۔۔۔ ریلوں ۔۔۔ اور سب کچھ
کے بارے میں بتایا ۔۔۔ لوگ اسے یوں گھورتے رہے۔ جیسے وہ
پاگل ہو گیا ہو ۔۔۔ اس دنیا میں ایسا ممکن نہ ہو۔ یہ سب کچھ تو
مولوی صاحب نے جنت کی نشانیاں بتائی تھیں ۔۔۔

مگر وہ سنجیدگی سے قسمیں کھاتا رہا ۔۔۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ جس جزیرے میں بستے ہیں۔ اس کا
کیا نام ہے ۔۔۔ اور یوں اس طرح لوگ مدتوں بعد اپنے جزیرے کے
نام سے واقف ہوئے ۔ مگر ایسی باتیں ان لوگوں میں بے اطمینانی
پیدا کر سکتی تھیں ۔۔۔

ٹھیکے دار کے علاوہ شہر دیکھ کر اس سے کم سے کم ایجنٹ سے کم
کام کرنا بند کر سکتے تھے ۔۔۔

جوہری موتی حاصل نہ کر سکتے تھے کیونکہ شہر میں بقول اس شخص
کے موتی زیادہ داموں بکتے تھے ۔

ڈاکٹر کو انسانی ہمدردی کا درس دیا جا سکتا تھا۔

دکاندار کے چوگنے نرخوں کا پول کھل سکتا تھا ۔۔۔ اور مذہبی
پیشوا مولوی صاحب کے ڈھونگ کا پول کھل سکتا تھا ۔

جزیرے کے یہ عیار لوگ چونک اٹھے ۔۔۔ کانوں کانوں میں
جزیرے میں باتیں کی گئیں ۔۔۔ اور پھر اسی رات ۔۔۔
نہ جانے کیا کچھ ہو گیا ۔

صبح جب بستی والے بیدار ہوئے تو کوئی بھی اپنے کام پر نہ گیا
۔۔۔ اس کی وجہ فقط اس شخص کی ہلاکت تھی ۔۔۔ جس نے یہ
سب باتیں بتائی تھیں ۔ رات کے پچھلے پہر ہی ڈاکٹر اس کی جھونپڑی
میں آیا تھا ۔۔۔ اور اس نے اس باغی کے لواحقین کو مشورہ دیا تھا

کہ وہ پاگل ہے اور اس کی زندگی خطرے میں ہے —— ممکن ہے اس کی بیماری سے دوسرے بھی متاثر ہوں۔ اس لئے وہ اس کا علاج کرنا اپنا فرض خیال کرتا ہے۔

ہر چند اس شخص نے احتجاج کیا —— مگر ڈاکٹر علاج کرنے پر بضد تھا —— اور وہ اس کی سبھی باتوں کو نظر انداز کر کے ٹیکہ بنا رہا تھا —— پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

" اندر سے کپڑا اٹھاؤ۔ میں تمہیں صحت کا ٹیکہ لگاؤں گا۔"

اس نے انکار کرنا چاہا! مگر مجبور تھا ڈاکٹر کے مضبوط بازوؤں کے چنگل میں جکڑا گیا —— اور پھر اسے ٹیکہ لگا دیا گیا ——

بے شک وہ مردہ تھا ——

سبھی جزیرے والے افسردہ تھے ——

انور نے ساون سے کہا ——

" یقیناً وہ درست کہتا تھا —— اور ڈاکٹر نے اسے مار دیا ہے ——"

وہ کچھ سوچتا رہا —— اور پھر بولا ——

" میں شہر جاؤں گا ہر حالت میں تاکہ میں اپنے ساتھیوں کی قسمت بدلنے کی کوئی تدبیر کروں ——"

" تم شہر نہیں جاؤ گے —— شہر سے آنے والے ایک شخص کا حشر تم نے دیکھ لیا —— اب تم خود کو موت کے منہ میں نہیں

ڈالو گے ——

ساون نے خوف زدہ آواز میں جواب دیا ——

مگر وہ فیصلہ کر چکا تھا —— خاموشی سے انور اٹھا اور چلا گیا —— اور ساون سوچ رہا تھا ——

" ہمیں شہر دیکھنا ہی ہوگا —— ہم ان لوگوں کے غلام تو نہیں ہیں ——

تیسرے روز جمعہ تھا ——

اور اس وعظ میں مولوی صاحب نے قناعت اور صبر و تحمل کے بارے میں پر اثر وعظ کیا —— انہوں نے جزیرے والوں کو یقین دلا دیا کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے —— ڈاکٹر کسی کو زندگی دے سکتا ہے اور نہ موت —— یہ تو اتفاق تھا کہ وہ پاگل انسان اپنی موت آپ مر گیا —— انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اس نے جو کچھ بتایا تھا وہ سب بکواس تھا —— اور اس کی ذہنی انتشار تھی ——

بھلا مولوی صاحب کی باتوں سے کون روگردانی کر سکتا تھا۔

انور اس رات سو نہ سکا
کسی نہ کسی صورت وہ جزیرے سے نکل جانا چاہتا تھا۔
وہاں جہاں اس کی خوش بختی اس کا انتظار کر رہی تھی —— جہاں
زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود تھی —— اور جہاں
پہ انسانی قدریں کم تھی ——
مگر وہ اس قید خانے سے کیسے نکل جائے —— یہ ایک سوال
تھا جو اسے پریشان کئے دے رہا تھا —— وہ ذہین نوجوان تھا
ہر چند اس نے کتابوں کے علم کو نہ پایا تھا —— لیکن پھر بھی اسے

علم تھا کہ ڈاکٹر کا خود بخود بولنے والا ڈبہ جو اسے دنیا بھر کی خبریں
سنایا کرتا تھا کہ کیا کہتا تھا —— مگر وہ محسوس کر رہا تھا کہ مرنے
والے نے جو بات کہی تھی وہ درست تھی —— یہاں سے کچھ دور کا
پر ایک اور سرزمین ہے۔ اس ملک کا حصہ —— اور وہاں وہ
جدوجہد کر کے کشتی حاصل کر سکتا تھا —— سونیا کے لیے ——
کشتی کا ہونا ضروری تھا —— اور سونیا کے بغیر اس کی زندگی بے کیف
سی تھی ——
مگر وہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی بھی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔
—— ذہن میں ہتھوڑے چل رہے تھے —— اور وہ شدید کشمکش و
پیچ میں تھا ——
اور پھر ——
صبح جب وہ بیدار ہوا تو وہ خود کو ابھی ابھی سا محسوس کر رہا
تھا —— اس نے اس روز کام پر جانا بھی مناسب خیال نہ کیا ——
وہ ہر شے کو غور سے دیکھتا رہا —— ہر شخص سے ملتا رہا ——
اور جب کھیتوں میں وہ دوسروں کو کام کرتے دیکھتا رہا۔ تو اچانک
سونیا قریب آئی اور اس نے پوچھا ——
"آج تم کام پر نہیں آئے انور —— کیا صحت ٹھیک ہے"
"ہاں سونیا —— میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔ اور تمہاری تلاش
میں یہاں چلا آیا —— تم ذرا پہاڑی تک آؤ —— وہاں میں تم

سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" حیرانی سے وہ اسے دیکھتی رہی۔
وہ اسے بجھا بجھا سا دکھائی دیا ——— پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"تم چلو میں آتی ہوں ———"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا پہاڑی کی دوسری طرف چلا گیا جہاں جنگلی پھلوں اور جھاڑیوں کا سایہ تھا ——— وہ انتظار کرتا رہا ——— اور جنگلی بیلوں کو توڑ توڑ کر کھاتا رہا ——— اچانک مترنم آواز گونجی۔

"میں تمہیں اُدھر تلاش کرتی رہی اور تم اِدھر ہو ———"

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا ——— سونیا ———" وہ سنجیدگی سے بولا۔

اور پھر اس نے سونیا کو ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا ——— سونیا بیٹھ گئی ... ——— اور دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو گھورتے رہے ———

ایک پھر نما پھل انور نے سونیا کے منہ میں ڈالا اور مسکرا دیا ——
خوشی اور حیرانی کے ملے جلے جذبات سے وہ پھل چباتی رہی ——
——— اور پھر بولی ——

"میں ... ابھی کام پر جاؤں گی ——— ورنہ ٹھیکیدار مزدوری نہ دے گا۔ تم بتاؤ تم نے مجھے کیوں بلایا تھا ——"

"ایک بہت اہم بات تھی سونیا ——"

"آخر کیا بات ہے کچھ بولو ———؟"

ایک دم اسے ایک خیال سوجھ گیا ——

ہر شام کو بڑے بڑے انجنوں والی کشتیوں پر ٹھیکیدار وہاں سے مچھلی شہر لے جایا کرتا تھا ——— اور انور ان کشتیوں میں مال لادنے کے فرائض بھی کبھی کبھار انجام دے لیتا تھا ——— اور ٹھیکیدار اس کی پھرتی سے خوش تھا ——— جب بھی انور مال بھرنے وہاں جاتا تو وہ اسے خوش آمدید کہتا تھا ——— اور واپسی پر چمکتی ہوئی اٹھنی اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا تھا ——— اس کی خدمت کا معاوضہ جو ٹھیکیدار کے خیال میں بہت زیادہ تھا ——— اٹھنی دیتے ہوئے وہ خود کو فیاض تصور کرتا تھا ——— اور یوں پیسے دیتا تھا۔ جیسے خیرات بانٹ رہا ہو۔ ٹھیکیدار اسے جتلاتا رہتا تھا۔ کہ وہ اسے زیادہ پیسے دیتا ہے۔ انور نے ایک فیصلہ کر لیا۔

"کیوں نہ میں مچھلیوں کے ان بڑے بڑے تھیلوں کے پیچھے چھپ جاؤں ——— اور جب شہر آ جائے تو اتر جاؤں ——"

نہ جانے شہر کتنی دور تھا ——— نہ جانے کتنے دن لگتے اور نہ جانے وہ پہنچ بھی پاتا یا نہ ——

مگر اس نے بہرحال یہ فیصلہ کر لیا تھا ——— اور اسے عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ وہ خوش تھا ——— اور اسی شام اس نے جزیرے سے فرار کا فیصلہ کر لیا۔

اپنے جزیرے سے نجات اور سونیا کے مستقبل کے لئے۔

حیرانی سے وہ بولی

"سونیا ——

اس نے سرد سانس لی اور ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا۔

ہم لوگ ایک تہہ خانے میں بند رہتے ہیں۔ —— جہاں سے ہمیں باہر نکلنے نہیں دیا جاتا۔ وہ شخص جسے مار دیا گیا سچ کہتا تھا —— یہاں سے کچھ دور ایک بستی ہے —— وہاں انصاف ہوتا ہے —— اور محنت کا کم از کم زیادہ معاوضہ تو دیا جاتا ہے۔ وہاں ایک شخص محنت کر کے کئی لوگوں کا پیٹ بھر سکتا ہے —— مگر یہاں ایسا نہیں، ہمیں یہاں لوٹا جا رہا ہے —— کتابوں میں لکھی جھوٹی باتیں سنا کر ہمیں دبایا جاتا ہے —— کتابوں میں ایسی باتیں تو نہیں ہو سکتیں۔ —— ہم سراسر ہمارے خلاف اور ان لوگوں کے حق میں ہوں —— مگر پھر بھی ہم احتجاج نہیں کر سکتے۔ کیونکہ احتجاج ہمیں سمندر کی تہہ میں لے جائے گا یا قبر کی گود میں ——

سونیا —— میں تم سے شادی نہیں کر سکتا —— اس لئے کہ میرے پاس کشتی نہیں ہے۔ اور نہ میں یہاں کشتی حاصل کر سکتا ہوں۔ ان تھک محنت میں اتنے پیسے جمع ہونے نہیں دیتی کہ کشتی بنوا سکوں۔

اور اس کا نتیجہ جانتی ہو کیا ہو گا —— ؟

انکار میں سونیا نے گردن ہلائی۔ وہ بولا۔

"تم کسی کشتی والے کی ہو جاؤ گی —— اور ہمارا پیار اپنی موت آپ

مر جائے گا۔ میں تمہیں اگر حاصل نہ کر سکا تو خودکشی کر لوں گا سونیا —— میں سمندر میں کود جاؤں گا ——"

وہ خوف زدہ ہو گئی اور رونے لگی —— غور سے اس نے اسے دیکھتا رہا۔ جیسے وہ اسے رونے دینا چاہتا ہو۔ —— پھر وہ بولا۔

"میں نے ایک صورت نکالی ہے ——"

"وہ کیا —— ؟" وہ آگے کو جھک آئی۔

"میں شہر جاؤں گا ——"

"تم —— تم شہر جاؤ گے ——" وہ ہکلانے لگی جیسے اور کوئی سنگین جرم کر رہا ہو ——

"ہاں سونیا —— اپنے لئے تمہارے لئے —— قبیلے والوں کے لئے۔ اور ایک کشتی کے حصول کی خاطر —— وہاں میں محنت کروں گا —— اور کشتی لے کر یہاں آؤں گا —— میں وہاں سے انجن والی کشتی لاؤں گا —— پھر ہم شادی کریں گے۔ اور خوش و خرم زندگی بسر کریں گے۔ میں اپنی کشتی میں گاؤں والوں کو شہر لے جاؤں گا —— میں ان جزیرے کے مالکان کی سازش ناکام بنا دوں گا۔ میں ان سے اپنے ساتھیوں کو بچاؤں گا ——"

وہ حیرانی سے اسے دیکھتی رہی —— اور پھر بولی۔

"مگر تم جاؤ گے کیسے —— ؟"

"وہ میں نے انتظام کر لیا ہے —— تم خدا سے دعا کرنا وہ مجھے

کامیاب کرے —

سونیا میں تمہارے لیے بہت سی دولت — زیور — اچھا اچھا لباس — اور بے شمار چیزیں لاؤں گا — بولتا جادو ڈبہ بھی جس سے خود بخود موسیقی نکل آتی ہے — — تم نے شہر سے آنے والوں کے پاس وہ سب کچھ دیکھا ہے نا وہ میں بھی لاؤں گا —"

وہ یوں حیرانی سے اسے دیکھتی رہی اور سنتی رہی جیسے یہ ممکن نہ ہو۔ انور نے اس بات کو محسوس کر لیا اور بولا۔

"تم فکر نہ کرو سونیا۔ یہ سب ضرور ہوگا — ضرور — مگر تم ابھی خاموش رہنا۔ کسی کو پتہ نہ چلے کہ میں شہر جا رہا ہوں — ورنہ بات بگڑ جائے گی۔"

"تم مجھے بہت یاد آؤ گے —"

وہ افسردگی سے بولی —

"میں تمہیں ایک نشانی دیتا ہوں —" انور نے کہا —

"یہ نشانی دیکھ کر تمہیں میری یاد کم آیا کرے گی —"

اس نے اپنی گردن سے چاندی کا تعویذ اتارا اور سونیا کو دے دیا اور بولا —

"اسے سنبھال کر رکھنا یہ میرے باپ کی نشانی ہے — اور میرا انتظار کرنا سونیا۔ میں ضرور واپس آؤں گا — تمہیں اپنانے کے لیے —"

اتنے میں ایک ٹھیکیدار کا مقامی ایجنٹ ادھر آگیا — وہ دونوں کو بیکار بیٹھے دیکھ کر بولا۔

"تم یہاں بیکار کیوں بیٹھے ہو — اٹھو — اور کام پر جاؤ۔"

اس نے چھانٹا انور کو مار دیا —

غصے سے انور کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ اس نے غصے سے بھری آواز میں کہا —

"میں آج کام سے چھٹی پر ہوں —"

"اور تم —" وہ سونیا سے مخاطب ہوا —

اور بغیر جواب دیئے وہ کھیتوں کی جانب بھاگ گئی —

وہ سوچتا رہا کہ یہ ناانصافی کیسے دور ہو گی — مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا — پھر اچانک اسے ایک خیال آیا —

وہ ساحل کی جانب چل دیا — — — جہاں لے سے رات کو مال بھرا جانا تھا۔ وہ کشتی میں چھپنے کی جگہ تلاش کر رہا تھا —

اچانک ٹھیکیدار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا — اور بولا

"تم یہاں ہو انور —؟"

وہ چونک کر مڑا اور بولا۔

"میں آج چھٹی پر ہوں۔ رات سر میں درد تھا — صبح سو کر دیر سے اٹھا — سوچ رہا تھا، آج بھرائی کا کام کر دوں —"

"ہاں ہاں — شام کو آجانا —"

مچھیرے والے نے اس کی پیش کش قبول کر لی —

انور واپس جھونپڑی کی جانب چلا گیا — اس نے کشتی میں چھپنے کی جگہ تلاش کر لی تھی —

اور اب وہ کسی قدر پرسکون تھا —

بپھرا ہوا سمندر جاگ اٹھا۔ اٹھا ہوا ساحل کی جانب امنڈ پڑتا اور پھر ساحل سے سر پٹک کر لوٹ جاتا تھا — بڑا شور تھا اس کی ہواؤں کا — مگر اس شور اور ان لہروں سے جزیرے والے مانوس تھے —

صبح ہی انور بیدار ہوا۔ اور سونیا کی جھونپڑی میں جا پہنچا۔ سونیا اس کے انتظار میں تھی۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ انور اسی رات جانے والا ہے۔ رات اس نے ایک — خواب دیکھا تھا —

جیسے کوئی انور کو اس سے جدا کرنے والا ہو۔ یوں بھی ان چند دنوں

مہذب دنیا سے دور رہنے والے لوگ توہمات کے زیادہ قائل ہوتے ہیں۔ جب انور اس سے ملا تو وہ بہت اداس تھی۔ آہستہ سے اس نے سونیا سے کہا۔

"سونیا کیا تم مجھے ساحل تک چھوڑنے نہ جاؤ گی —"

اداسی سے وہ اٹھی اور اس کے ساتھ چل دی۔ وہ تو خود ہی اس سے چند باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے انور کو راستے میں کہا۔

"تم مت جاؤ انور — میرا دل خوف زدہ ہے —"

"مگر کیوں —؟"

حیرانی سے اس نے پوچھا

"میں تو تمہیں کل اس کی وجہ بتا چکا ہوں میرا شہر جانا ضروری ہے سونیا۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے — اور پھر جب میں شہر سے واپس آؤں گا تو تم دلہن بنو گی۔ میری اپنی دلہن —"

"مگر شاید میں تمہاری دلہن نہ بن سکوں —"

سونیا نے افسردگی سے اور مدھم آواز میں جواب دیا۔

"مگر کیوں — آخر بات کیا ہے —؟"

وہ یوں چونک کر پوچھنے لگا جیسے اس کے پاؤں تلے بچھو آگیا ہو۔

"انور —"

وہ مردہ آواز میں بولی۔

"رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ تم سمندر میں مچھلیاں پکڑ

رہے ہو اچانک تمہاری کشتی الٹ گئی — میں بھی تمہارے ساتھ تھی — تم نے سمندر میں ہاتھ پاؤں مارے مگر ایک بہت بڑی مچھلی تمہیں کھا گئی۔ میرا سانس گھٹنے لگا۔ اچانک میں جاگ گئی تو دیکھا بہت سے مینڈک ٹرا رہے تھے۔ جیسے وہ رو رہے ہوں — انور — تم تو جانتے ہو خواب کے بعد مینڈکوں کی آواز سنائی دے تو اسے منحوس خیال کیا جاتا ہے — میں کہتی ہوں رک جاؤ — ورنہ ہمیں سمندر نگل جائے گا۔ اور ہمارے ارمان اس ظالم سمندر کے سینے میں دفن ہو جائیں گے —"

"بھولی ہو کر رہتی ہے سونیا —"

سونیا کی اس خواب سے وہ بھی افسردہ ہو گیا اور بولا۔

"سمندر ظالم نہیں یہ تو باپ ہے۔ اسی سے تو ہماری زندگی منسلک ہے۔ سونیا۔ فکر نہ کرو میں ضرور آؤں گا ضرور —"

انہیں مزید باتیں کرنے کی فرصت نہ ملی — کیونکہ ساحل آگیا تھا۔ اور ٹھیکیدار ان کا انتظار کر رہا تھا — انور کے ساتھ سونیا کو دیکھ وہ چلایا —

"عورتوں سے میں مچھلیاں پکڑنے کا کام نہیں لیا کرتا۔ تم اس سے واقف ہو — تم جاؤ لڑکی — تمہیں یہاں مزدوری نہیں ملے گی —"

"یہ تو کھیتوں ہی پہ کام کرے گی سرکار —"

انور نے تعجب سے جواب دیا —
"بس میرے ساتھ یونہی چلی آئی ہے"
اس نے اپنے ہونٹوں سے دانت نکال کر شرمندگی مٹائی اور ترنم بھرے
لہجے میں بولا۔
"تو آؤ — مچھلیاں بھرو — ابھی اور لوگ بھی آتے ہیں"
چند ہی نوجوان مچھلیاں بھرنے کے لئے آئے تھے — اور وہ
بھی کام پر جٹ گئے۔ ٹھیکیدار پہلے تو کام کی نگرانی کرتا رہا پھر اس
نے بانس سے بنائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھرا اور پینے لگا —
وہ آنکھیں بند کئے نہ جانے کس تصور میں بیٹھا فضا میں دھوئیں کے مرغولے
بناتا رہا —
اور ایک بار انور نے اسے دیکھا۔ اس کی پرسکون اور بے فکر زندگی
پر اسے غصہ آیا — کیونکہ اس کے خیال میں وہ ان کی محنت کا بدلہ
خود ہضم کر رہا تھا —
دوسرے نوجوانوں نے اس جانب توجہ بھی نہ دی — غربت
نے انہیں بے حس اور لاچار بنا دیا تھا — پیدائشی طور پر اسی
ماحول میں آنکھ کھولنے کے باعث وہ بہت کم اس مسئلے پر سوچتے
تھے —
اور پھر مال بھرا گیا —
مال بھرا جانے سے پہلے ہی انور اپنے لئے جگہ کا تعین کر چکا

تھا — جب لانچ میں پہنچنے سے پہلے اس نے جزیرے پر
آخری نگاہ ڈالی تو دور بانس کے جھنڈ کے پیچھے اسے سونیا دکھائی
دے گئی۔ وہ کام پر نہ گئی تھی۔ بلکہ وہیں کھڑی اب تک انور کو دیکھ
رہی تھی — وہ اداس تھی — انور نے اس کی آنکھوں میں آنسو محسوس
کئے — مگر سونیا سے ملنے یا کسی اشارے کی بھی فرصت نہ تھی —
وہ مچھلی کے بڑے بڑے بدبودار ٹوکروں کے نیچے چھپ گیا —
جب مال بھرا جانے کے بعد تمام آدمی جو مچھلیاں لانچ میں بھرتے
رہے تھے۔ معاوضہ لینے کے لئے ٹھیکیدار کے پاس آئے۔ تو اس
نے انور کو نہ پاکر پوچھا۔
"انور کہاں ہے — بابا اس نے کل بطور خاص مجھ سے کہا تھا
کہ میں اس کو کام دوں۔ کیونکہ اس کے پاس کشتی نہیں اور وہ بھوکوں
مر رہا ہے —"
سبھی نے لاعلمی کا اظہار کیا —
ایک دم سے وہ بڑے نفرت انگیز لہجے میں بولا۔
"سمجھا — وہ اس چھوکری سے ملنے چلا گیا ہوگا — سوچا ہوگا
مزدوری بعد میں لے لوں گا — مگر میں بھی اب اسے ایک پیسہ
نہ دوں گا — پیٹ میں روٹی نہیں ہوتی اور چلے ہیں عشق
کرنے ہوں —"
اس نے زمین پر نفرت سے تھوک دیا —

مگر وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ انور کو مزدوری کی ضرورت
بھی نہیں ہے ۔۔۔

انور سب باتیں سن رہا تھا ۔۔۔ اور سانس روکے لانچ میں
موجود تھا ۔۔۔ ٹھیکے دار نے سبھی کو ایک ایک روپیہ مزدوری
دی اور چلتا گیا ۔۔۔ بارہ گھنٹے کی محنت کا صلہ صرف ایک
روپیہ بھی ان کے نزدیک زیادہ تھا ۔۔۔ اور یہ کام زیادہ پیسے
دینے والے کاموں میں سے ایک تھا ۔۔۔ ورنہ وہاں روپے کا
تصور بھی نہ ہوتا تھا ۔۔۔ بس مال کے بدلے مال ۔۔۔ کا اصول
چلتا تھا ۔۔۔

پھر انور کو ٹھیکے دار کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی ۔۔۔ وہ
اپنے آدمیوں سے کہہ رہا تھا ۔۔۔

"جلدی سے چل پڑو تاکہ صبح منڈی میں مال پہنچایا جا سکے۔"

چار آدمی لانچ میں سوار ہوئے تھے ۔۔۔ ان میں سے ایک
موٹا سا آدمی اس ٹوکرے پہ بیٹھ گیا جس کے نیچے انور تھا ۔۔۔
اس شخص کا وزن دوسروں سے زیادہ تھا ۔۔۔ گرمی ۔۔۔ گھٹن ۔۔۔
ٹوکرے کا وزن اور اس پہ اس شخص کا وزن اتنا تکلیف دہ تھا کہ
وہ سوچ رہا تھا جیسے وہ مر جائے گا ۔۔۔ مگر نہ جانے کیا ہوا کہ وہ
جلد ہی اٹھ گیا ۔۔۔ انور تو نیچے سے ہل بھی نہ سکتا تھا ۔۔۔ وہ
سب لانچ کے اگلے حصے میں چلے گئے۔ انور نے منہ باہر نکال لیا

گھپ اندھیرے میں اسے دیکھا نہ جا سکتا تھا ۔۔۔ لانچ کی مشعل
صرف سمندر میں روشن تھی ۔۔۔

تمام رات لانچ چلتی رہی اور صبح ہونے سے کچھ ہی پہلے وہ شہر
جا پہنچی۔ شہر کی روشنیاں اسے دور ہی سے دکھائی دے رہی تھیں
۔۔۔ زندگی میں پہلی بار اس نے جلتے بجھتے والے بورڈ دیکھے
اسے کیا معلوم نیون سائن کیا بلا ہوتی ہے ۔۔۔ اور ارد گرد کی بلند
بالا عمارتوں کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا ۔۔۔

کچھ دیر وہ بیٹھا رہا ۔۔۔ لانچ میں موجود سارے آدمی ایک
ایک کر کے ایک عمارت میں داخل ہو گئے ۔۔۔ غالباً وہ ہوٹل تھا
لمبے سفر کے بعد وہ چائے پینے گئے تھے ۔۔۔

انور کے لئے یہ موقع غنیمت تھا ۔۔۔ وہ چپکے سے ٹوکرے کو
پرے کر کے نکلا اور بھاگتا چلا گیا ۔۔۔ اسے خود کا ہوش نہ تھا کہ پکڑے
جانا یا دیکھ لئے جانا خطرے سے خالی نہ تھا ۔۔۔

چلتے چلتے وہ ایک پارک میں پہنچا۔ سلیقے سے بنایا گیا پارک۔
اس میں خوبصورت پھول دار پودے ۔۔۔ شاندار کلب کی عمارت
اور سرسبز سلیقے سے اگائے گئے درخت دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔
مگر اسے سخت نیند آ رہی تھی ۔۔۔ اس کا دل چاہا کہ وہ گھاس
پر لیٹ جائے ۔۔۔ مگر اسے معلوم نہ تھا کہ یہ جگہ کیسی ہے اور کیسی
ہے اور کس کی ملکیت ہے ۔۔۔

مگر کچھ دوسرے لوگوں کو وہاں بیٹھے پا کر وہ بھی بیٹھ گیا —
بہت دیر وہ جاگتا رہا —

دن چڑھ چکا تھا۔ لوگ سیر کو آرہے تھے۔ سرخ و سفید عورتیں
تندرست و توانا مسکراتے ہوئے مرد خوبصورت بچے — اور
زرق برق ملبوسات کو دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گیا —

مولوی صاحب کی بتائی ہوئی جنت بھی اس جگہ سے زیادہ
خوبصورت نہ ہو سکتی تھی — مگر اس نوجوان کو ابھی علم ہی کیا تھا
کہ شہری زندگی میں ہر قدم پر ایک نئی جنت آباد ملتی ہے —
بہت جلد وہ سو گیا —

رات کو ساون انور کے گھر گیا۔ تو وہ وہاں موجود نہ تھا —
جب سے ساون کو معلوم ہوا تھا کہ انور جزیرے سے بھاگ
کر شہر جانے کی فکر میں ہے۔ وہ فکر مند سا رہتا تھا — کیونکہ
اس کے نزدیک شہر جانا خطرے سے خالی نہ تھا — اور انور
کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتا تھا —

اس نے ادھر ادھر انور کو تلاش کیا — مگر اسے انور نہ ملا
— بھاگا ہوا وہ اپنی بہن شہوں کے ہاں گیا — عالم اور شیریں
وہاں موجود تھے۔ مگر انہوں نے بھی انور کے بارے میں لاعلمی ظاہر

لی ——— شیریں نے کہا —

"انور بچہ تو نہیں جو گم ہو جائے گا ——— یہیں کہیں ہوگا ——"

"گھر میں ہر جگہ تلاش کر چکا ہوں کہیں نہیں ہے ———"

فکر مندی سے ساون بولا —

"آجائے گا —— فکر نہ کرو ——"

عالم نے اسے حوصلہ دیا —

"عالم بھائی ——"

بڑے زوردار لہجے میں ساون نے کہا ———

"وہ تو شہر جانا چاہتا تھا ——— میں سوچتا ہوں وہ شہر نہ بھاگ گیا ہو ——— اگر ایسا ہوا تو وہ مصیبت میں پھنس جائے گا ——"

"مگر وہ شہر کیسے جا سکتا ہے ——— آج تک کوئی بھی تو شہر نہیں جا سکا یہ بہت مشکل کام ہے ساون ——"

عالم نے فیصلہ دے دیا —

"شہر جانا اس کی ترکیب سے اتنا مشکل نہ تھا — اور یہ بھی درست نہیں کہ آج تک یہاں سے کوئی شہر نہیں جا سکا — ہاں یہ ضرور ہے کہ جو بھی شہر گیا وہ پھر واپس نہ آیا اور نہ اس کے بارے میں کبھی کوئی خبر ملی ——"

ساون نے بتایا —

سب سوچتے رہے ——— پھر شیریں نے کہا —

"شاید وہ سونیا کے ہاں گیا ہو ———"

"ہاں شاید ——"

امید کی کرن سے ساون کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی

"چلو دیکھتے ہیں ——"

شیریں بھی اٹھی ——— اور عالم بھی ساتھ گیا —

دونوں سونیا کے ہاں گئے ——— سونیا اداس اداس سی چارپائی پر بیٹھی تھی —— اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا ——— اور رو رو کر اس کی آنکھیں سوجھ گئی تھیں —

انور اور شیریں کو پا کر وہ اور اداس ہو گئی ——— اور شیریں سے لپٹ کر رو پڑی —

"کیا بات ہے ———؟"

سوال شیریں نے سونیا کی ماں سے کیا تھا —

"نہ جانے کیا ہے ——— بڑی دیر سے رو رہی ہے ——— پوچھتی ہوں تو بتاتی نہیں ہے ——— بس تو تھک گئی —— کچھ کھایا بھی نہیں اس نے ——"

سونیا کی ماں نے جواب دیا ———

مگر ساون کو اس رونے دھونے سے بھی دلچسپی نہ تھی اور اس بات پر فکر تھی کہ سونیا بھوکی تھی ——— اس نے پوچھا —

"انور کو تم لوگوں نے دیکھا —"

"نہیں تو ـــ"

سونیا کی ماں نے جواب دیا ـــ

"اور تم نے سونیا ـــ"

شیریں نے اس سے سوال کیا تھا ـــ

وہ چپ رہی ـــ چپ معنی خیز تھی ـــ ساون قریب آگیا اور بولا ـــ

"انور کہاں ہے ـــ؟"

وہ اب بھی چپ رہی ـــ

اس کا مطلب تھا کہ وہ جانتی تھی کہ انور کہاں ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ ڈر رہی تھی ـــ

سبھی اس کے گرد جمع ہو گئے ـــ سختی سے ساون نے پھر کہا ـــ

"سونیا ہم بہت پریشان ہیں۔ بتاؤ انور کہاں ہے؟"

"وہ شہر چلا گیا ـــ"

مری ہوئی آواز میں وہ بولی ـــ

"شہر ـــ"

سبھی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ اور ادھر ادھر یوں دیکھا۔ جیسے کوئی سن لے گا تو مصیبت آجائے گی ـــ ساون نے کہا

"کیسے گیا وہ شہر ـــ؟"

اس نے ساری بات بتا دی ـــ ساون نے کہا

"تم نے ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا ـــ؟"

"انور نے منع کر دیا تھا ـــ اور میں نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اس کے جانے سے پہلے میں کسی کو نہ بتاؤں گی ـــ"

"اوہ ـــ"

وہ ہاتھ ملنے لگا۔ شیریں نے کہا۔

"اب کیا ہوگا ـــ؟"

"جو خدا کو منظور ہوگا ـــ"

وہ بے حد دکھی آواز میں بولا۔

انور نے اچھا نہیں کیا ـــ مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے ہم سب پر کوئی آفت آنے والی ہے۔

"خدا تعالیٰ رحم کرے گا ـــ"

سونیا کی ماں نے جواب دیا ـــ مگر ساون سونیا سے مخاطب تھا ـــ

"سونیا ابھی تم یہ بات کسی کو بتاؤ گی نہیں ـــ ورنہ مصیبت آجائے گی ـــ تم زبان بند رکھو گی ـــ"

"بہتر ـــ"

وہ بولی ـــ وہ خود بے حد خوف زدہ اور اداس تھی ـــ

۵۲

جب وہ سونیا کے گھر سے نکلے تو بے حد اداس اداس سے تھے ——— انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے انور ان سے بچھڑا نہ ہو — مر گیا ہو ——

دن ڈھل گیا ——

اور ابھی تک انور کو نہ تو ٹھیکے دار نے دیکھا تھا اور نہ ہی وہ اپنی مزدوری لینے آیا تھا ——— ٹھیکے دار پریشان ہو گیا اور چھٹا ہوا شخص تاڑ گیا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے ——— اور جب اس نے سونیا کو بھی نہ پایا ——— اور ساون کو اداس دیکھا تو اس نے سوچا ضرور کوئی ایسی بات ہے جو چھپائی جا رہی ہے —— اس نے ایک نوجوان سے پوچھا —

" تم نے انور کو دیکھا —؟"

"وہ رات سے دکھائی نہیں دیا ـــــ"

نوجوان نے جواب دیا ـــــ

ایک دوسرا نوجوان آگے بڑھا اس نے کہا ـــــ

"وہ شہر چلا گیا ہے ـــــ"

"شہر ـــــ"

چونک کر ٹھیکے دار نے کہا ـــــ

"وہ کیسے چلا گیا ـــــ تمہیں کس نے بتایا ـــــ؟"

"میں نے ابھی ابھی سرگوشیاں سنی ہیں ـــــ"

وہ بولا ـــــ

"وہ کب شہر گیا اور کیسے ـــــ؟"

ٹھیکے دار نے بہت سے سوال کر ڈالے ـــــ

"وہ رات اسی لانچ میں گیا ہے جس میں وہ مچھلیاں بھر رہا ہے ـــــ وہ مچھلیوں کے ٹوکروں کے درمیان چھپ گیا اور پھر وہ شہر چلا گیا ـــــ"

"تم سب کیسے جانتے ہو ـــــ؟"

وہ مشکوک انداز میں بولا ـــــ

"بستی والے باتیں کر رہے تھے ـــــ میں نے بھی جو سنا بتایا"

زور سے اس نے زمین پر مکا مارا اور بولا ـ

"اسے واپس آنا پڑے گا ـــــ زندہ یا پھر مردہ ـــــ"

نوجوان خوفزدہ تھے ـــــ وہ کچھ بھی نہ بولے ـــــ خالی خالی نظروں سے وہ ادھر اُدھر دیکھتے رہے ـــــ ٹھیکیدار یوں گھبرا گھبرایا سا تھا ـ جیسے انور نہ ہاں سے بھاگا نہ ہو پرتی کر کے گیا ہو ـ وہ سخت غصے میں تھا ـــــ اُسنے غصہ نوجوانوں پر اتارا ـــــ وہ چلایا ـــــ

"تم کھڑے کیا کر رہے ہو ـــــ جاؤ اپنا کام کرو ـ"

ہم کر وہ چلے گئے ـــــ اور ٹھیکے دار سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے وہ بہت الجھن میں تھا ـــــ وہ تیزی سے اٹھا اور اپنی بستی کی جانب چل پڑا ـ یوں جیسے اس نے کوئی آخری فیصلہ کر لیا ہو ـ

وہ سعید سا مولوی کے ہاں پہنچا ـــــ اس نے کہا

"مولوی صاحب ـــــ انور شہر بھاگ گیا ہے ـــــ"

"کیسے ـــــ؟"

مولوی نے یوں چونک کر پوچھا جیسے انور کے بھاگ جانے سے اسے شدید نقصان ہوا ہو یا ہو سکتا ہو ـــــ

"وہ لانچ میں بیٹھ کر رات فرار ہو گیا ہے ـــــ"

ٹھیکے دار افسردگی اور غصے کے ملے جلے اظہار سے بولا ـــــ

"تمہیں جاگیردار کو اطلاع دینی ہو گی ـــــ"

مولوی نے مشورہ دیا ـــــ

اور پھر چند ہی منٹوں میں۔ جاگیردار۔ ٹھیکیدار۔ ڈاکٹر۔ چوہدری
اور دو دکان دار، جزیرے کی مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے —
خانۂ خدا میں بیٹھ کر وہ لوگ سازش کر رہے تھے — انہوں
نے اس سنگین مسئلے کے حل کے لئے آپس میں صلاح مشورے کئے
وہ سب بہت پریشان تھے۔ جیسے وہ کوئی سنگین جرم کر رہے
ہوں۔ اور اندر شہر میں ان کے جرم کی تشہیر کرے گا اور پولیس
لا کر انہیں گرفتار کروا دے گا — ڈاکٹر نے اس کا ذمہ دار ٹھیکیدار
کو ٹھہرا دیا — اسے بلند آواز سے کہا —
"جزیرے کے قانون کی خلاف ورزی ہو گئی ہے۔ اور اس
کے ذمے دار تم ہو —
اگر تم آنے جانے والوں پر کڑی نظر رکھو تو ایسا سنگین حادثہ
ہو۔ اب خود ہی بتاؤ اگر ایک ایک کر کے سبھی لوگ بھاگنا شروع
ہو گئے۔ تو کیا ہو گا۔ صرف اسی قدر کہ یہ تمام لوگ شہر بھاگ جائیں
گے۔ اور یہ جزیرہ ویران ہو کر رہ جائے گا —"
"ایسا نہیں ہو گا —"
ٹھیکے دار غصے میں چلایا —
"میں اسے شہر میں تلاش کروں گا — اور سروا دوں گا۔ میں اسے
واپس نہیں آنے دوں گا۔ ورنہ وہ شہر کے حالات سے جزیرے
والوں کو آگاہ کرے گا۔ انہیں شہر لے جانے کی سازش کرے گا"

"ہو سکتا ہے — ہو سکتا ہے —
چوہدری نے اپنی شاطرانہ آنکھیں گھمائیں —
"ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شہر سے کسی کی امداد حاصل کر کے یہاں
کا دانا بن جائے اور امداد کی لالچ دے کر آن پہنچے —"
"؟؟؟؟؟ —"
دکان دار کا لہجہ جان دار اور عیارانہ تھا — وہ بولا۔
"دنیا ابھی اتنی خدا ترس نہیں ہوئی کہ وہ ایک دیوانے کے کہنے پر ہم
سے لڑ لیں — ہم ظالم نہیں ہیں — ہم تو یہاں خدمت کر رہے
ہیں۔ اگر ہم ان لوگوں کو جزیرے تک محدود نہ رکھیں تو بہت سا کام
رک جائے —"
"ٹھیک —"
ڈاکٹر نے خود کو تسلی دی۔
"مگر اب کیا کرنا ہو گا — آئندہ کے لئے غور کرو —"
"ہمیں دوسرے مقامی لوگوں سے باز پرس کرنا ہو گی —"
"وہ کیوں —؟"
جاگیردار نے کہا۔
"تاکہ وہ خوف زدہ ہو جائیں — اور یہاں سے بھاگنے کا تصور
بھی نہ کر سکیں۔
ورنہ وہ بھی شہر جانے کے خواب دیکھنے لگیں گے۔"

"ہاں ایسا کرنا ہی ہوگا ۔"

جوہری نے جواب دیا ۔

"تو چلو ــــ ہم ابھی ان لوگوں سے باز پرس کرتے ہیں۔ اور انہیں سبق دیتے ہیں ہم ان کا جینا دو بھر کر دیں گے ــــ اور وہ لوگ فرار کا تصور بھی نہ کر سکیں گے۔

یہ لوگ خود ہمیں ایسا کرنے پہ اکساتے ہیں ــــ"

بے رحم مولوی نے مشورہ دیا ۔

"مگر ٹھہرو ۔"

ڈاکٹر بولا ۔

"کیا بات ہے ــــ؟"

سبھی اس کی جانب متوجہ ہوئے

"تم اسے قتل کرنے کے بارے میں کہہ رہے تھے ــ"

بے رحمی سے ڈاکٹر نے ٹھیکیدار سے پوچھا ۔

"ہاں ہاں ــــ مجھے یاد ہے ۔"

ٹھیکیدار نے کہا ۔

"تو آپ لوگ جائیں ــــ میری طبیعت درست نہیں ہے۔"

اس نے اپنا پیچھا چھڑایا ۔

وہ ہمیشہ جھگڑے سے ڈرتا تھا ۔

"بزدل ۔"

جوہری نے زیرِ لب کہا ۔

اور پھر وہ سبھی مقامی لوگوں کی آبادی کی جانب چل پڑے ۔

جونہی وہ بستی میں داخل ہوئے ایک خوف سا چاروں جانب
پھیل گیا —
عورتیں — دروازوں میں آ گئیں —
مرد سہم کر رہ گئے —
اور بچے یوں ان کے ارد گرد اور پیچھے چلنے لگے جیسے ابھی ابھی
بستی میں کوئی دلچسپ کھیل کھیلا جائے گا —
چلتے چلتے وہ جبھی ساون کے گھر کے سامنے پہنچے — اور پھر
رک کر انہوں نے ساون کی بیوی کو گھور کر دیکھا۔ جاگیردار نے کہا

"ساون کہاں ہے —؟"
"وہ پانی پینے گیا ہے —"
وہ خوفزدہ آواز میں بولی —
وہ ابھی کچھ اور کہنے بھی نہ پائے تھے کہ ساون آ گیا۔ بستی میں
داخل ہوتے ہی اسے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ اصل حالات کیا ہیں —
اس نے اطمینان سے پانی کا گھڑا۔ برتن اس کی مخصوص جگہ پر رکھا اور
ڈرتا ڈرتا ان کے قریب آیا — اور ادب سے بولا
"کیا بات ہے جناب —؟"
"انور کہاں ہے —؟"
ٹھیکیدار نے پوچھا۔ لہجے میں رعب اور غصہ تھا —
"مجھے علم نہیں —"
اطمینان سے اور دلی آواز میں ساون نے یوں بتایا جیسے اسے
سب علم ہو اور وہ جھوٹ بول رہا ہو —
"تمہیں سب علم ہے —
جلدی بتا دو —
بتا دو ورنہ تمہیں اس کی سزا دی جائے گی —"
"مجھے سزا کیوں ملے گی —؟"
ساون نے بھی تلخی سے کہا — اور بیوی بچے کو گود میں لے کر
یوں اٹھا جیسے وہ لوگ اس سے اس کا بچہ بھی چھین لیں گے —

گھور کر مولوی نے اسے دیکھا۔ اور بولا۔

"تمہیں اس لیے سزا ملے گی — کہ تم نے جھوٹ بولا ہے —
اور اسلام میں جھوٹ بولنا گناہ بھی ہے اور جرم بھی ہے"

وہ خوف سے کانپ اٹھا — گناہ کے خیال نے اسے
مزید خوفزدہ کر دیا تھا آہستہ سے اس نے کہا —

"وہ شہر بھاگ گیا ہے —"

"ایسی بات تم نے پہلے ہمیں کیوں نہ بتائی —"
جاگیردار نے کہا —

"مجھے خود پہلے علم نہ تھا —"
ساون نے بتایا —

"اب تم کو یہ سب کیسے معلوم ہوا —؟"
وہ یوں ساون پر جرح کر رہا تھا جیسے وہ وکیل استغاثہ ہو۔

"صبح مجھے سونیا نے بتایا ہے —"
ساون نے سچ کہہ دیا —

"اوہ تو سونیا اس بات سے واقف تھی —"
مولوی نے مکارانہ انداز میں کہا —

سونیا بھی قریب ہی کھڑی تھی اور بستی کے دوسرے لوگ بھی
وہ سب خوفزدہ تھے —
جوہری نے سونیا سے سوال کر دیا —

"تم اس بات سے واقف تھیں —"

"ہاں —"
سونیا نے بڑے حزم سے جواب دیا —

"تو تم نے ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہ دی —"
وہ بولا —

"اس لیے کہ یہ اہم بات نہ تھی —"
سونیا نے جواب دیا — غصے سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا —

"یہ بے حد اہم بات ہے — تم جانتی ہو جزیرے سے باہر
جانا جرم ہے"
ٹھیکیدار بولا

"اگر یہ جرم ہے تو تم کیوں جزیرے سے باہر جاتے ہو — کیا تمہارے
لیے یہ جرم نہیں ہے۔ انور چلا گیا تو اس کی خوشی —"
سونیا نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا —

"یہ لڑکی باغیوں کی سی باتیں کرتی ہے —"
لاجواب ہو کر جوہری بولا —

"اسے لے جاؤ — اور درخت سے باندھ کر اس کی پٹائی کر دو"

اپنے بھائی کی منگیتر کی توہین ساون برداشت نہ کر سکا — وہ چلایا۔

"یہ سچ کہتی ہے — تم ہمارے آقا نہیں ہو — ہم محنت کرتے ہیں
اور روٹی کھاتے ہیں — اس کی باتوں کا جواب دو —"

"اوہ یہ بات ہے ——"
ٹھیکے دار جارحانہ انداز میں آگے بڑھا اور اس نے سونیا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کرسٹی کا چہرہ اٹھا کر ساون نے بلند کیا اور غصے سے چلایا۔

"اس کا ہاتھ چھوڑ دو —— ورنہ ہم سب بستی والے تمہیں بستی سے باہر بھی نہ جانے دیں گے —— تم مکار لوگ ہو اور —— اللہ ——"
وہ غصے سے نیم پاگل ہو گیا، اور اس کے منہ سے جھاگ بہنے لگے ——

انہوں نے پلٹ کر بستی والوں کی طرف دیکھا۔ سبھی کے چہرے پر غصہ تھا —— بیچ کی مسکراہٹ بجھ گئے تھے ——

بغاوت کا یہ پہلا شعلہ تھا جو جزیرے پہ نمودار ہوا۔

مسکرا کر مولوی نے کہا۔

"اسلام میں غصہ حرام ہے —— اور یہ بھی تو دیکھو کہ دوسرے کی لڑکی میں غیر قانونی طریقے سے سفر کرنا اور اس کا معاوضہ نہ دینا بھی جرم ہے —— اسلام نے ان دونوں باتوں کی ممانعت کی ہے ——"

سونیا اب ساون کے پیچھے کھڑی یوں غصے سے ہانپ رہی تھی۔ جیسے وہ دور سے بھاگ کر آئی ہو ——

ٹھیکے دار نے سبھی کو اشارہ کیا اور وہ بستی سے باہر نکل گئے

—— ان کا غصہ دو چند ہو گیا تھا —— مسجد میں پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"ساون اور اس کا بھائی دونوں باغی ہیں —— ان کا علاج کرنا ہی ہوگا ——"

"مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اگر ان لوگوں نے ہمیں آ لیا۔"

دوکان دار نے کہا ——

"بندوقیں اسی لیے بنائی گئی ہیں کہ سرکش جانوروں کا جلدی خاتمہ کر دیں۔"

جاگیردار نے بے رحمی سے کہا ——

"نہیں —— اس طرح کام نہیں چلے گا۔"

مولوی نے جواب دیا ——

"بھوک سرکش جانوروں کو سدھانے کا بہترین حل ہے —— میں مشورہ دوں گا کہ نہ تو ان لوگوں کو کام کاج دیا جائے اور نہ انہیں کھیتوں میں آنے دیا جائے —— اور دوکان سے انہیں سودا بھی نہ دیا جائے ——"

"یوں کام نہ چلے گا ——"

جاگیردار نے کہا ——

"اس طرح جزیرے کی آبادی ختم کرنے سے ہمیں کچھ حاصل نہ ہوگا —— ہمیں ساون اور اس کے رشتے داروں کا حقہ پانی بند

کرنا ہو گا ــــ"

مولوی نے مشورہ دیا ــــ

چنانچہ مسجد ہی میں جہاں عبادت کے علاوہ کوئی سازش کرنا گناہ
ہے، ان لوگوں نے بے گناہ سادھن۔ اس کے ہندوئی بہن اور مونیا
کے علاوہ اس کے گھر والوں کا بھی ناطقہ بند کر دیا ــــ

وہ مطمئن ہو کر چلے گئے ــــ جاتے جاتے جاگیردار نے کہا۔
"دو چار دن میں ہی ان لوگوں کی طبیعت درست ہو جائے گی۔"

اور دوسری طرف ــــ

سادھن بستی والوں سے کہہ رہا تھا ــ

"ہم محنت کرتے ہیں ــــ اور روٹی کھاتے ہیں ـ ان لوگوں
نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے اور یہ مولوی ــ
یہ بڑی بڑی مذہبی کتابیں پڑھتا ہے اور ہمیں ایسی باتیں بتاتا
ہے جو کتابوں میں نہیں ہو سکتیں ــــ مذہبی کتابیں ہم کو ظلم اور
زیادتی کا سبق نہیں دے سکتیں ــ
مولوی ضرور جھوٹ بولتا ہے ــــ"

وہ غصے سے کھول رہا تھا ــــ پھر اس نے اپنے بچے کے
سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں اپنے بچے کو پڑھاؤں گا موٹی موٹی کتابیں ــــ اور
پھر یہ ہمیں سچ سچ بتایا کرے گا۔ کہ ان میں کیا لکھا ہوا ہے ــ"

سادھن نے مولوی صاحب کی بے ادبی کی تھی ــــ لوگ خوفزدہ
ہو کر ادھر ادھر پھیل گئے ــــ ایک عورت نے دوسری سے کہا
"سادھن کا [illegible] باتیں کر رہا ہے ــــ خدا اس پر
رحم کرے ــ"

سیدھے سادے ــ کم علم لوگ ــ بھلا شاطرانہ چالوں سے
کہاں واقف تھے ــ؟

پارک میں ایک بنچ پر لیٹ کر اونگھ گیا —
وہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا — اور بہت بے آرام تھا —
اس کی طبیعت درست نہ تھی — اور یوں بھی وہ بھوکا تھا۔
نہ جانے وہ کب تک سوتا رہا — اور پھر جب وہ اٹھا
سورج ڈوبنے والا تھا — بھوک سے اس کا برا حال تھا — اس
نے ادھر ادھر دیکھا، رنگ برنگے لباسوں والے اور خوبصورت
شکلوں والے صاف ستھرے لوگ ادھر ادھر گھوم رہے تھے —
اسے یوں لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو —

ہر چیز سلیقے کی تھی —
وہاں چشمہ بھی تھا — اور نہریں بھی —
فوارے بھی تھے — اور پھول اور پھل دار پودے بھی —
خوبصورت عورتیں بھی تھیں — اور ان کے ساتھ سمارٹ
اور خوبصورت سفید دھلے کپڑوں والے مرد بھی۔
پیارے پیارے بچے بھی تھے — اور صحت مند نوجوان
بھی —
چمکتی کاریں — خوبصورت بسیں — اور دیگر ایسی چیزیں
جو اس نے اس سے پہلے نہ تو کبھی دیکھی تھیں۔ اور نہ اس کا تصور
کیا تھا —
اس کے لئے سب کچھ نیا تھا — اور اس کے تصور سے بھی
زیادہ خوبصورت — اس نے تو کبھی خواب میں بھی ایسی چیزوں
کا نقشہ نہ دیکھا تھا — وہ دیکھتا رہا — دلچسپ اور حیران
حیران نظروں سے —
پھر ایک دم سے اسے ایک عجیب خیال آیا —
مولوی صاحب نے اپنی وعظ میں جنت کا جو نقشہ کھینچا تھا
جگہ اس سے ملتی جلتی تھی — "یہ جنت ہے تو کیا میں مر چکا ہوں"
اس نے اپنے بازو پہ چٹکی لی —
درد کا احساس تو ہوا تھا —

بھوک کے احساس کو وہ بھول گیا — اور حیرانی سے ان
چیزوں کو دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن کسی اور ہی دنیا میں تھا۔
کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہ ہوا تھا —
اس نے بہت سے لوگوں کے پاس بولتے ہوئے وہ ڈبے بھی
دیکھے۔ جن میں سے خود بخود آوازیں نکل رہی تھیں —
اور پھر اس نے دور سے روشنیاں دیکھیں — تیز۔ رنگدار۔
جلتی بجھتی روشنیاں —
وہ انہیں قریب سے دیکھنا چاہتا تھا — وہ سب چیزوں میں
کھو کر رہ گیا — روشنیوں کو قریب سے دیکھنے کے شوق میں وہ
اٹھا اور اس جانب چل دیا۔ جدھر روشنیاں تھیں۔
چلتے چلتے وہ بڑی سڑک پر آیا۔
تارکول کی مضبوط سڑکیں — بلند و بالا روشن عمارتیں —
ان پر دوڑتیں ہوئی رنگین چمک دار اور تیز رفتار کاریں —
ہنستے مسکراتے لوگ۔ سرسراتے ملبوسات۔ خوشبودار ماحول۔ سجی
سجائی دوکانیں — ہوٹل اور ان میں بیٹھے ہوئے خوش گپیاں کرنے
والے مرد اور عورتیں —
ان سب چیزوں نے اسے مبہوت کر دیا —
یہاں — وہاں — اس سے آگے — اس سے بھی آگے۔
— خواہش ختم نہ ہو رہی تھی — اس نے زندگی میں پہلی بار
یہ رنگین ماحول دیکھا تھا — وہ آگے بڑھتا رہا — دیکھتا رہا۔
اور مبہوت سا ہو کر ادھر ادھر چلتا رہا — اسے شہری آداب کا
علم بھی نہ تھا — اسے معلوم نہ تھا کہ شہروں میں ٹریفک کنٹرول
کرنے کے لئے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ جنہیں توڑنے کا مطلب جان
کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہوتا ہے۔
ایک بے خودی سی تھی جو اس پر چھائی ہوئی تھی — بھوک کا
احساس ختم ہو چکا تھا —
اچانک چرچراہٹ کی آواز سنائی دی — پیچھے آنے والی کار
چلانے والے نصیر سیٹھ نے ہرچند کار کی بریکیں لگانی چاہی تھیں مگر
وہ کامیاب نہ ہو سکے — اور وہ کار کے نیچے آگیا —
اچانک وہ منہ کے بل گرا — اس کا دماغی توازن ساتھ
چھوڑ گیا۔ خون سر اور جسم کے دیگر حصوں سے بہہ نکلا اور منٹوں
میں وہ بے ہوش تھا —
ایک چیخ کی آواز کار کی پچھلی سیٹ سے ابھری تھی —
یہ سیٹھ نصیر کی بیٹی ریحانہ کی چیخ تھی — جس نے ایک انسانی
جان کے ضیاع پر چیخ ماری تھی — وہ خوف زدہ ہو گئی —
گھبراہٹ کے عالم میں سیٹھ صاحب کار سے نکلے اور انہوں
نے نوجوان کو دیکھا خون میں لت پت۔ یہ دیہاتی نوجوان سڑک
پر چت پڑا تھا۔ — بہت سے لوگ اردگرد سے جمع ہو گئے

اور کچھ لوگوں نے تو سیٹھ صاحب کو لعنت ملامت شروع کر دی تھی —— اچانک ڈیوٹی کانسٹیبل قریب آیا —— اس نے کہا

"میں خود حادثے کا عینی شاہد ہوں - میں دیکھ رہا تھا کہ یہ نوجوان سڑک کے بیچوں بیچ چلتا ہوا آ رہا تھا —— یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے اس نے خودکشی کی کوشش کی ہو"

لوگ پرے ہٹ گئے —

ڈیوٹی کانسٹیبل نے کہا -

"اب یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ اسے ہسپتال پہنچائیں"

ہاں ہاں کیوں نہیں ——

سیٹھ صاحب نے جواب دیا ——

اور پھر انہوں نے نوجوان کو کار کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور ہسپتال لے چلے ——

ڈیوٹی کانسٹیبل اس کے ہمراہ تھا ——

اور سیٹھ صاحب کی نوجوان لڑکی ریحانہ اس بے ہوش نوجوان کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی - صحت مند - خوبصورت، بھولا بھالا —— اور سادہ سا یہ نوجوان اسے بڑا اچھا لگا -

یوں جیسے وہ ایک پاکیزہ اور کم قیمت پھول ہو —— جو ہر چند کم قیمت ہوتا ہے - مگر اس کی قدر و قیمت پھر بھی

قدر شناس کے نزدیک زیادہ ہوتی ہے ——

لاشعوری طور پر اس نے کہا -

"کاش یہ نوجوان بچ جائے"——

وہ دن یوں ہی گزر گیا ——

کوئی بھی کام پر نہ گیا —— جزیرے میں صرف ایک فرد کے چلے جانے سے سبھی اداس اداس تھے — صادق نے اپنی بیوی سے کہا —

"یقیناً لوگ انور کو تلاش کریں گے اور شاید اسے ہلاک کر دیں"

"پھر کیا ہوگا ——؟"

وہ خوفزدہ آواز میں بولی —

"میں اپنے بھائی کو بچاؤں گا —— میں اس کی مدد کروں گا

میں اسے یوں مرنے نہ دوں گا —

یہ میرا فرض ہے ——"

صادق نے عزم سے جواب دیا —

"تم —— کیا کرو گے ——؟"

وہ مزید پریشان ہو گئی ——

یوں جیسے اس کا شوہر کسی خطرناک مہم پر جانے کے لئے کہہ رہا ہو —

"میں بھی شہر جاؤں گا ——"

اس نے آہستہ سے کہا —

بیوی نے یوں ادھر ادھر دیکھا جیسے اگر کسی نے سن لیا تو مصیبت آجائے گی — اس کا رنگ زرد پڑ گیا —— اور اس نے آہستہ سے کہا

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا ——"

"ہاں —— میں درست ہوں —— اور میں ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں کہ میں شہر جاؤں گا — اور انور کو بچاؤں گا۔ اسے میری مدد کی ضرورت ہوگی۔ میرے علاوہ اور کون اس کے کام آ سکے گا ——"

وہ بولا —

"صادق ——"

وہ بڑے رقت آمیز انداز میں بولی —

"ایسی باتیں نہ کرو —— تمہاری زندگی میرے اور [illegible] کے لئے

بچی ہے ------ ہم تو مر جائیں گے - ہم تمہارے بعد کیا کریں گے
--- خدا انہیں کی مدد کو آئی کرے گا --- ہم یہاں اس کے لئے دعا
کریں گے -"

"صرف دعا سے کام نہ چلے گا ---"

اس کے چہرے پر سختی تھی --- اور وہ بڑے متفکرانہ انداز میں کہہ
رہا تھا -

"میں محسوس کرتا ہوں کہ خدا بھی ہماری دعائیں نہیں سنتا ---
وہ بھی بہت سنگدل ہے --- وہ بھی ان پیسے والوں کی دعائیں سنتا ہے"

بیوی نے کانوں کو دونوں ہاتھوں سے چھوا اور پھر آسمان کی طرف
یوں دیکھا جیسے خدا ابھی آسمان سے خود اتر کر ساون کو گریبان سے پکڑ لے گا
--- وہ بے حد خوفزدہ آواز میں گڑگڑا کر بولی ---

"خدا کے لئے ایسی کافروں والی باتیں نہ کہو - خدا کے لئے
--- ورنہ خدا ہم سے ناراض ہو جائے گا --- تمہیں کیا ہو گیا ہے
--- تم شہر نہیں جاؤ گے ------ یہ میں کہتی ہوں --- میں تمہاری
بیوی --- اور اگر تم نے ایسا کیا تو میں پروینہ کو ساتھ لے کر سمندر
میں ڈوب جاؤں گی --- تمہارے بعد ہم بھی زندہ رہنا نہیں چاہتے"

اس نے بیوی کی طرف دیکھا --- اور اس کے آنسوؤں کی وجہ
سے ساون کا دل نرم ہو گیا - اس نے دونوں بازو اس کی کمر کے گرد
ڈال کر اسے سینے سے لگا لیا --- اور بچی اس سے لے کر اسے چومنے

لگا --- شدت جذبات سے وہ پہلے تو کچھ نہ بولا - پھر جب وہ بولا
تو اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا - اس نے کہا -

"تم بھی میرے ساتھ جاؤ گی ---"

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے ---؟"

بیوی نے یوں پوچھا جیسے وہ بھی خاوند کا مرنے تک ساتھ دینے کا
فیصلہ کر چکی ہو -

"ہاں ---"

ساون نے مختصر جواب دیا -

"تو پھر وعدہ کرو کہ تم اکیلے شہر نہ جاؤ گے ---"

وہ بولی ---

"وعدہ ---"

اس نے بیوی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اقرار کیا ---

اچانک وہ بولی ---

"مگر ہم شہر جائیں گے کیسے ---؟"

"اپنی کشتی میں ---!"

ساون نے جواب دیا ---

حیرانی سے اس نے یوں کہا جیسے ساون نے مذاق کیا ہو -

"ہاں ہاں --- ہم کشتی میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ لیں گے
--- اور پھر کشتی کو قدرت پر شہر کی سمت ڈال دیں گے -"

ساون نے بتایا۔

"وہ کچھ سوچتی رہی —— اچانک ساون نے کہا

"کیا سوچنے لگیں —— ؟"

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ کچھ ہونے والا ہے —— کوئی اتفاقی
بات —— کوئی خوفناک —— حادثہ —— جیسے ہم سب رات کے
کنارے کھڑے ہیں ——"

وہ خوفزدہ آواز میں بولی —— اور اس نے بچے کو سینے سے
چمٹا لیا ——

"تم ایسا کیوں محسوس کر رہی ہو ——"

ساون نے اسے گویا تسلی دی ——

"یہ میں بھی نہیں جانتی —— میری ماں کہا کرتی تھی۔ جس گھر میں دو
چھپکلیاں لڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ وہ گھر تباہ ہو جاتا ہے —— وہاں
موت ناچ رہی ہوتی ہے —— جانتے ہو میں نے آج کیا دیکھا

وہ ڈوبتی ہوئی آواز میں بولی ——

"ہاں —— کیا دیکھا تم نے —— ؟"

ساون نے بھی خوفزدہ لہجے میں پوچھا —— وہ ڈر گیا تھا ——

"آج صبح میں نے دو چھپکلیاں اپنی جھونپڑی کی دیوار پر لڑتی
دیکھی ہیں —— میں سوچتی ہوں، ضرور کوئی آفت آنے والی ہے
—— اور اس کے بعد تم شہر جانے کا کہہ رہے ہو۔ یہ درست بات

معلوم نہیں ہوتی ——"

بیلو نے کہا۔

ساون کا رنگ زرد پڑ گیا —— وہ بڑی دیر سوچتا رہا —— پھر
اچانک اس نے کہا ——

"جو ہونا ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے۔ وہ تو ہو کر رہے گا
ہم قسمت آزمائی ضرور کریں گے —— ضروری بھی تو نہیں کہ چھپکلیاں
یوں ہی لڑتی ہوں کہ ہم موت کے منہ میں ہیں —— یہ تمہارا وہم بھی
تو ہو سکتا ہے ——"

"ہاں ہاں —— شاید ——"

بیلو نے بھی خود کو تسلی دی ——

وہ سوچتے رہے —— خود ہی دل ہی دل میں —— اچانک
سونیا وہاں آ گئی —— اس نے کہا ——

"ساون بھیا ——"

"کیا بات ہے سونیا —— ؟"

پیار سے وہ بولا —— جیسے سونیا کو اس کی تسلی کی ضرورت ہو ——
اور انور کے جانے کی وجہ سے سونیا پر بھی غم کا پہاڑ ٹوٹا ہو ——

سونیا نے کہا ——

"ابھی ابھی ٹھیکے دار اور جاگیر دار کے آدمی آئے تھے ——"

"مگر کیوں —— ؟"

وہ اٹھ کر یوں کھڑا ہو گیا۔ جیسے وہ اب اس کی جھونپڑی میں آئیں گے —

"وہ — وہ سب"

سونیا کہتے کہتے رک گئی —

"ہاں سونیا بتاؤ کیا ہوا —؟"

ساون نے پوچھا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ میں — میرے ماں باپ۔ تم دونوں۔ شیریں اور عالم بھیا — ہم سب کو کام نہیں ملے گا — اور ہم مزدوری نہ کر سکیں گے —"

سونیا نے بتایا —

"اوہ —"

وہ یوں ہاتھ ملنے لگا۔ جیسے یہ ایک انتہائی اقدام ہو — پھر اس نے کہا —

"فکر نہ کرو سونیا — خدا سب ٹھیک کر دے گا —"

مگر وہ فکرمند تھی — وہ کچھ نہ بولی — اس نے کہا —

"انور کب آئے گا بھلا —؟"

"وہ اب شاید نہیں آئے گا —"

ساون نے آہستہ سے کہا —

"کیا کہا — وہ نہیں آئے گا —"

خوفزدہ آواز میں سونیا بولی —

"ہاں سونیا — ہم خود شہر جائیں گے۔ ہم سب — تم بھی —"

ساون نے بتایا —

وہ خوش ہو گئی۔ شہر جانے سے اسے نہ جانے کیوں ڈر نہ لگتا تھا۔ — اس کی تو منزل ہی شہر تھی — اس نے کہا —

"مگر کب —؟"

"کئی دنوں سے سمندر چڑھا ہوا ہے۔ ذرا سمندر پرسکون ہو تو چلیں گے — ورنہ ایسی حالت میں ہماری کشتی لمبا سفر طے نہ کر سکے گی"

وہ چپ سوچتی رہی — ساون نے کہا —

"کسی کو ابھی بتانا نہیں سونیا —"

سونیا نے کوئی جواب نہ دیا —

اور اٹھ کر چلی گئی —

۵

انور کو بڑی دیر کے بعد ہوش آیا ___

سیٹھ تعبیر نے اسے پرائیویٹ کمرے میں ٹھہرایا تھا ___ وہ خدا ترس آدمی تھے ___ اور ان کے ہاتھوں ایک زندہ انسان موت کے منہ میں جا رہا تھا ۔ اس لئے وہ اسے بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے ___

سیٹھ صاحب کے گھر میں بھی اطلاع پہنچ گئی کہ سیٹھ صاحب کی کار کے نیچے ایک نامعلوم شخص آگیا ہے جو ہسپتال میں شدید زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے ___ چنانچہ ان کی بیگم اور دونوں بیٹیاں بھی ہسپتال

آگئیں ___ انہیں اس نوجوان سے زیادہ خود سیٹھ صاحب کی فکر تھی ___ جو اس نوجوان کی موت کی صورت میں خود مصیبت میں پھنس سکتے تھے ___ وہ بہت افسردہ اور ڈری ہوئی تھیں ___

جب انور کو ہوش آیا تو وہ اس نے خود کو ایک صاف ستھرے بستر پہ پایا ___ اس کا لباس تبدیل کیا جا چکا تھا۔ اور اب وہ دھاری دار پاجامہ اور قمیص پہنے تھا ___ جو ہسپتال کا لباس تھی ___ اس نے اپنے اردگرد کچھ ناشناسا سے چہرے دیکھے ___ وہ ڈر سا گیا ___ مگر پھر اسے یاد آگیا کہ وہ کار کے نیچے آگیا تھا ___ اس نے اپنے جسم پہ پٹیاں دیکھیں۔ اور فوراً ہی درد کا احساس جاگ اٹھا ___ اس نے سر کو چھوا جو پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا ___

اداس اداس سا وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا ___ اور اس کے اردگرد بیٹھے لوگ خاموشی سے اسے یوں دیکھتے رہے۔ جیسے یہ فلم کا کوئی سین ہو ___

اچانک سیٹھ صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑا! اور بولے۔

"کیا حال ہے اب ___؟"

"آپ کون ہیں ___؟"

اس نے الٹا سوال کر دیا ___

"تم میری کار کے نیچے آگئے تھے۔ خدا کا شکر ہے تم بچ گئے۔"

سیٹھ صاحب مسکرائے۔

"وہ میرا اقدام تھا —"

انور نے کہا۔

"تو کیا تم خودکشی کرنے والے تھے —"

وہ حیرانی سے بولے —

"جی — جی نہیں تو —"

وہ خوف زدہ لہجے میں بولا —

"میں پہلی دفعہ شہر آیا ہوں — میں نے یہ سب کچھ اس سے
پہلے کبھی نہیں دیکھا — میں نہیں جانتا تھا کہ یہاں کے آداب کیا ہیں۔
— میں چلتا رہا — اور پھر میری ہی بے احتیاطی سے میں آپ
کی کار کے نیچے آگیا —"

سیٹھ صاحب کچھ سوچنے لگے — ان کی بیگم اور بیٹیاں بھی
قریب آگئیں —

اچانک وہ بولے —

"تم کہاں سے آئے ہو —؟"

"میں — یہ تو میں بھی نہیں جانتا — ہاں یہاں سے دور
ایک جزیرہ ہے — وہاں سے کسی بھی شخص کو شہر آنے نہیں دیا جاتا
— وہاں کے کسی باشندے نے شہر نہیں دیکھا اور نہ یہ سب
چیزیں — میں وہاں سے آیا ہوں — بھاگ کر چوری چھپے —"

اس نے پہلو بدل دیا —

"خوب خوب دلچسپ داستان ہے —"

رخسانہ نے کہا۔

وہ افسانہ نویس تھی — اس نے باپ سے کہا

"پاپا — خوب افسانہ بنے گا۔ میں تو وہاں کی زندگی پر ناول
لکھوں گی — کیسا شاندار پلاٹ ہوگا پاپا — ایک جزیرہ —
وہاں کے باشندے — جنہوں نے کبھی شہر نہیں دیکھا — اور جن
کے نزدیک ہر چیز خوابوں کی دنیا کی چیز ہے —"

وہ اپنے تصورات میں کھو گئی —

سیٹھ صاحب نوجوان سے پوچھ رہے تھے —

"آخر تم کیوں بھاگے — وہاں لوگوں کو کیوں پابند رکھا جاتا
ہے۔ آخر اس جمہوری دور میں ایسا کیوں ہوتا ہے — کچھ تو بتاؤ
— ہمیں ساری باتیں بتاؤ — شاید ہم تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔"

"آپ میری مدد کریں گے —؟"

وہ خوشی سے بولا۔

سیٹھ صاحب نے اثبات میں گردن ہوئی — وہ بولا۔

"آپ مجھے ان لوگوں کے حوالے تو نہ کریں گے — وہ بڑے
بے رحم ہیں — اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو وہ مجھے جان ہی سے
مار دیں گے —"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری حفاظت کروں گا ۔"

سیٹھ صاحب نے اسے یقین دلایا ۔

انور کے چہرے پر اطمینان کی جھلک پیدا ہوئی ۔ اور سیٹھ صاحب کی تمام فیملی اس کے قریب کھسک آئی ۔ ڈاکٹر بھی آگیا تھا ۔ دلچسپی سے وہ بھی سب باتیں سنتا رہا ۔ اور انور سناتا رہا ۔

ان لوگوں کے نزدیک یہ تمام واقعات کسی الف لیلائی سرزمین کے متعلق تھے ۔ ڈاکٹر نے کہا ۔

"جمہوری ملک کے کسی بھی ٹکڑے میں کسی مفاد پرست کو حق حاصل نہیں کہ وہ عوام سے ایسی بے انصافی کرے ۔"

مگر دوسروں کو شاید ان باتوں سے دلچسپی نہ تھی ۔

ریحانہ نے کہا ۔

"پاپا ۔ کیوں نہ اسے ہم اپنے ساتھ لے جائیں ۔ ایک ہوم سرونٹ کی یوں بھی ضرورت ہے ۔"

"ہاں ہاں ۔ کیوں نہیں ۔؟"

سیٹھ صاحب نے جواب دیا ۔

"اوہ پاپا ۔"

خوشی سے رخسانہ نے کہا جو بہت شوخ لڑکی تھی ۔

"میں اس سے مزید باتیں پوچھوں گی ۔ بہت سی حیرت ناک باتیں ۔ خوابوں جیسی کہانیاں اوہ پاپا وہ شاندار ناول بنے

گا کہ آپ دنگ رہ جائیں گے ۔"

اور باپ صرف مسکرا دیا ۔

امیر باپ کو بیٹیوں کی ذرا سی خواہش مان لینے کے سوا کوئی چارہ و کار نہ تھا ۔

آخر اس میں حرج بھی کیا تھا ۔

غریبوں کے مسائل زیادہ سنگین ہوا کرتے ہیں —
شاید اس وجہ سے کہ وہ اسے زیادہ محسوس کرتے ہیں —
اور ذرا سی بات سے گھبرا جاتے ہیں —
دراصل دولت اس دور میں بذات خود ایک بہت بڑا تحفظ ہے۔ موجودہ معاشی دور نے دولت کو ہر چیز میں اوّلیت دے رکھی ہے — اور غریب لوگ جنہیں دولت کا تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔ دولت نہ پا کر دل چھوڑ جاتے ہیں — اور ان کے لیے مشکلات دوچند ہو جاتی ہیں —

چھپکلیوں کا لڑنا —
کوئی اتنی اہم بات تو نہ تھی کہ ان پر کوئی مصیبت نازل ہو جاتی حقیر سا یہ جانور مستقبل کے بارے میں کیسے پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ یا یہ معمولی سی چھپکلیاں کسی کی زندگی پر کیسے اثر انداز ہو سکتی ہیں —
مگر ایک اچانک حادثہ ہو گیا —
ننھا پرویز بیمار پڑ گیا —
رات اسے ہلکا ہلکا بخار ہو گیا — اور کھانسی آنے لگی۔ صبح تک وہ کھانستا رہا —
ماں اور باپ دونوں ڈرے ہوئے تو تھے ہی وہ مزید ڈر گئے رات وہ کیا جاگتے رہے اور پرویز کی دیکھ بھال کرتے رہے۔
مگر اسے افاقہ نہ ہوا۔ صبح اسے بخار نے زیادہ آ لیا — اور وہ بخار میں تپنے لگا۔ رات بھر ماں ساحلی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کا خاص علاج یعنی سر پر سمندری کائی کپڑے میں ڈال کر اور پانی میں بھگو کر رکھتی رہی — مگر بخار نہ ٹوٹا بلکہ زیادہ ہو گیا —
صبح بستی والوں میں یہ بات پھیل گئی کہ ساون کا بیٹا بیمار ہو گیا ہے۔ ایک ایک کر کے سبھی بستی والے آنے لگے — اور صبح کام پر جانے سے پہلے سبھی نے ان کے بچے کی خبر گیری کی —
مگر اس روز سوزنیا، اعظم بیتیرین اور خود وہ سب کام پر نہ گئے

کیونکہ جزیرے کے مالکان نے ان کو کام دینے سے انکار کر دیا تھا۔
اور جب وہ کام کرتے بھی تو معاوضہ کس سے لیتے۔ بچے کی بیماری
اور پھر کام سے جواب ملنے نے ساون کا حوصلہ توڑ دیا — اور
بد دل سا ہو گیا —

مگر یہ بد دلی مالکان کے سامنے شکست کا باعث نہ بنی۔ بلکہ
اس کے ذہن میں بغاوت نے اور سر اٹھا لیا — اس نے سبھی
سے کہا —

"میں گھبراؤں گا بھی نہیں — میں شہر چلا جاؤں گا — ان
لوگوں سے ٹکر لے کر میں رات کی تاریکی میں شہر جاگ جاؤں گا"

"تم — تم شہر جاؤ گے —"

ڈرے ہوئے لہجے میں اس کی بہن شیریں نے کہا۔ وہ بہت
قدامت پسند تھی —

"ہاں — اور تم سب بھی جاؤ گے —"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولا —

"کیوں اعظم بھائی —؟"

اس نے بہنوئی سے مشورہ طلب کیا۔

"جیسے تم کہو —"

وہ لاپرواہی سے بولا — مگر وہ یوں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا
جیسے کوئی سن لے گا تو ان کا خاتمہ ہی کر دے گا —

"نہیں — نہیں — نہیں —"

چلا کر شیریں نے یوں کہا جیسے اسے ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو —
"میں تمہیں موت کے منہ میں نہ جانے دوں گی — وہ بے رحم
لوگ تمہیں ہلاک کر دیں گے اور پھر کبھی تمہاری قبر بھی کسی کو نہ
ملے گی — میں تمہیں خودکشی نہ کرنے دوں گی —"

"تم پرانے خیال کی ہو۔ تم ان باتوں میں چپ رہو —"

ساون نے یوں کہا جیسے وہ نئے دور کا نئے خیالات کا انسان
ہو —

"میں پرانے خیال کی اچھی ہوں —"

وہ کندھے اچکا کر یوں بولی، جیسے وہ اس خطرناک منصوبے
کے لئے ان کے راستے کی دیوار بن جائے گی —

"میں تو کہتی ہوں تم مولوی صاحب سے اسی وقت جا کر معافی
مانگو۔ ورنہ ان کی بد دعا سے ہم سب مر جائیں گے —"

"مولوی کی بد دعا سے ہم کیوں مرنے لگے —؟"

اعظم نے حیرانی سے پوچھا —

سرگوشی کے انداز میں وہ بولی —

"کل ساون نے مولوی صاحب سے بدکلامی کی تھی — اور
ان کا دل دکھایا تھا — اور دیکھو۔ آج پرویز بیمار ہو گیا۔ یہ ان
کی بد دعا نہیں ہے کیا —"

ایک دم سے ساون کو یوں دھچکا لگا۔ جیسے اس نے کوئی بہت
بری خبر سنی ہو ۔
چھپکلیوں کا لڑنا۔ مولوی صاحب کی بد دعا ۔۔۔ کئی چیزیں
مل گئی تھیں ۔۔۔
بہت سی نحوستیں اکٹھی ہو گئی تھیں ۔۔۔ وہ بولا
"اب کیا کرنا چاہیئے ۔۔۔؟"
"مولوی صاحب سے معافی مانگ لو ۔۔۔ تم بے قصور ہو۔ قصور
وار تو انور ہے ۔۔۔"
شیریں نے کہا ۔
"ہاں شیریں درست کہتی ہے ۔۔۔"
بیلو نے بھی ہاں میں ہاں ملائی ۔۔۔
وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا ۔
"میں سوچوں گا ۔۔۔ ضرور سوچوں گا۔ میں بھائی کو مرنے
دوں گا۔ مولوی صاحب اسے مروا دینا چاہتے ہیں ۔"
"ہوتی ہو کر رہے گی ۔"
اعظم نے جواب دیا ۔۔۔
وہ سب چپ ہو گئے ۔
سونیا بہت پریشان دکھائی دیتی تھی۔ اس نے کہا ۔
"کیا وہ انور کو مار دیں گے ۔۔۔؟"

ساون نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں
اور وہ بہت پریشان پریشان دکھائی دیتی تھی ۔ اس نے کہا ۔
"ہاں شاید ۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ انہیں مل جائے ۔"
"خدا کرے انور انہیں نہ ملے ۔"
اس نے دعا کی ۔۔۔
اور سب خاموشی سے اسے دیکھتے رہے ۔
اچانک اعظم نے کہا ۔
"مالکان نے ہمیں کام سے جواب دے دیا۔ اب ہمارا کیا ہوگا
ہم کہاں سے کھائیں گے۔ کیسے زندہ رہیں گے ۔۔۔ ہمیں ان سے
معافی مانگنی ہو گی ۔۔۔ ہر حالت میں ۔۔۔ ہر قیمت پر ۔۔۔"
"نہیں ۔۔۔"
غصے سے ساون چلایا ۔
"تو پھر پیٹ کا دھندا کیسے چلے گا ۔۔۔؟"
اس بار بیلو نے پوچھا ۔
"وہ بھی سوچیں گے ۔۔۔"
ساون نے بات ٹالنا چاہی ۔۔۔
"ابھی سوچو ۔۔۔ پرویز بیمار ہے۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ۔
کام بھی گیا ۔۔۔ کیا اس وقت سوچو گے۔ جب سب ختم ہو جائے گا ۔"
شیریں نے تیز لہجے میں کہا ۔

"ہاں — سوچنا ہی ہوگا"

ساون نے سوچوں میں گم جواب دیا —

پھر وہ چونک پڑا، اور بولا —

"وہ لوگ ہمیں مزدوری دینے سے روکیں گے۔ کام پہ نہ لگا

دیں گے — مگر ہم سمندر سے مچھلیاں تو پکڑ سکتے ہیں — د

اس سے تو ہمیں نہ روک سکیں گے —

ہم کل سے مچھلیاں پکڑا کریں گے —"

"تو کیا صرف مچھلی کھایا کریں گے"

سوہنا بولی —

"تو اور کیا —"

کندھے اچکا کر ساون نے کہا —

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ہم بستی والوں سے مچھلی کے عوض ا

چیزیں لے لیا کریں —"

"مگر ایسا کب تک چلے گا —؟"

"جب تک — وہ لوگ ہمیں کام پر نہ لگائیں —"

سخت لہجے میں ساون نے کہا —

اور پھر — وہ اپنی اپنی سوچوں میں منہمک ہو گئے —

حالات عجیب سے عجیب کروٹ بدل رہے تھے — او

کے نشے میں سرشار جزیرے کے مالکان اپنی ہی نسل کے انسا

کے منہ سے نوالہ چھیننے کی سازش کر کے خوش ہو رہے تھے —
ان کے نزدیک انسانیت کی یہ تذلیل ان کی فتح کے مترادف
تھی —

اور سیٹھ نفیر کے گھر آ گیا —

ابھی وہ زخمی اور بیمار تھا — اور اس قابل نہ تھا۔ کہ گھریلو کام کاج کر سکے — سر ونلسن کو اوٹ ہاؤس میں اسے ایک کمرہ دے دیا گیا — جہاں وہ آرام کرتا — گھریلو ملازم اس کی مرہم پٹی کرواتے اور وہ ہی اسے کھانا وغیرہ پہنچا دیتے —

وہ بہت سیدھا سادا اور صاف گو نوجوان تھا — وہ کسی بھی تکلیف والی گفتگو اور الٹی سیدھی باتوں میں نہ آتا تھا۔ وہ تمام دن اپنے کمرے میں پڑا رہتا — اور اپنے بارے میں جزیرے

کے بارے میں، جزیرے والوں کے بارے میں سوچتا رہتا — نہ جانے کیوں جب سے وہ جزیرے سے دور ہوا تھا۔ وہاں کی یاد اسے زیادہ ستانے لگی تھی —

اور جب وہ اس یاد سے چھٹکارا حاصل کر لیتا تو سونیا کا تصور ذہن میں سجائے آنکھیں بند کئے تصورات کی دنیا میں اس سے ڈھیروں باتیں کرتا — اور اپنے آپ کو تسلی دیتا — وہ سوچا کرتا —

"میں اب جزیرے پر کیسے واپس جا سکوں گا۔ میں وہاں سے بھاگا ہوا ہوں — اب کے میں جزیرے پر گیا تو وہ لوگ مجھے ہلاک کر دیں گے — میں ان لوگوں کو جنہوں نے شہر نہیں دیکھا۔ شہر کی باتیں بتاؤں گا۔ اور وہ بھی یہاں آنے کے بارے میں سوچیں گے۔ جبکہ جزیرے کے مالکان ایسا ہونے دینا نہیں چاہتے۔

اسے خیال آیا —

"سونیا مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکی — اب میں شاید کبھی وہاں نہ جا سکوں۔ میں کبھی سونیا سے نہ مل سکوں اور میں بہت دیر بعد گیا بھی تو وہ شاید کسی اور کی ہو چکی ہو — اگر ایسا ہوا تو میں خودکشی کر لوں گا —"

مگر پھر خیال آتا —

"میں یہاں سے بہت سے پیسے لے کر جاؤں گا — اور

جزیرے پر جانے کے بعد اسے وہاں سے رنگوں راتوں
آؤں گا — پھر ہم یہاں شادی کریں گے۔ میں ایسی ہی اک
کشتی میں جاؤں گا۔ جیسی بچپنے والے کے پاس ہے!
ایک دن وہ ان ہی خیالوں میں تھا — اب وہ کافی
ہو گیا تھا۔ بس معمولی سی ٹریٹمنٹ تھی —
وہ آنکھیں بند کئے سوہنا کی تصویر ذہن میں سجا
بیٹھا تھا۔ کہ رخسانہ وہاں آگئی —
وہ روز اس کے پاس آتی گھنٹوں بیٹھتی اور پھر اس سے
کی باتیں معلوم کرتی تھی — اس کا ناول مکمل ہونے والا تھا۔
اس نے بہت سی باتیں پوچھ لی تھیں — اور اس کا خیال تھا
ناول اس کا شاہکار ناول ہو گا — جو حقائق پر مبنی ہوگا
کی اشاعت پر لوگ حیران رہ جائیں گے۔ اور بے ساختہ اسے
پیش کریں گے۔
اس نے انور کو آنکھیں بند کئے پایا تو کھنکاری —
چونک کر اس نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ بیٹھا —
"آپ —؟"
اس نے اسی قدر کہا —
"ہاں — میں ہوں —"
رخسانہ نے مسکرا کر کہا —

اور بڑی بے تکلفی سے اس کی چارپائی کے ایک کونے پر بیٹھ
گئی — وہ آج ناول کا ایک خاص حصہ مکمل کرنے والی تھی
— جس کا عنوان تھا —
"خوابوں کے جزیرے میں پیار کا تصور"
یہ مہذب دنیا بھی عجیب دنیا ہے — یہاں کے رہنے والے
ہر ایسے واقعہ کو جو ان کے نزدیک نیا ہو خوابوں کے واقعات بنا
دیتے ہیں — رخسانہ کو بھی خوابوں کے اس جزیرے میں سکون
دکھائی دیا تھا — اس نے وہاں زندگی کو ٹھہرے ہوئے پایا تھا۔
پرسکون۔ مثالی اور ٹھہری ہوئی یکساں زندگی —
اسے دل کے ان ناسوروں کو دیکھنے کی توفیق ہی نہ ہوئی تھی۔
جن سے ہر دم پیپ بہتی تھی اور جو ان لوگوں کی زندگی کا ایک
مستقل روگ بن کر رہ گئے تھے —
بھوک۔ افلاس۔ تڑپتی اور دم توڑتی انسانیت۔ نامکمل آرزوئیں
اور تشنہ تمناؤں کے درمیان وہ محبت تلاش کرنے آئی تھی —
اور اس کا یہ خیال بالکل ناپختہ بھی نہ تھا — وہاں پیار
موجود تھا — اور وہاں پیار کرنے والے بھی اسی والہانہ انداز
میں پیار کرتے تھے۔ جیسے مہذب دنیا والے بلکہ وہاں کا بے لوث
پیار مہذب دنیا کے پیار سے زیادہ قیمتی تھا — زیادہ والہانہ تھا
اور زیادہ دیرپا تھا —

اس نے انور سے کہا ۔

"کیا تم نے کسی سے پیار کیا ہے ۔۔۔؟"

"ہاں ۔۔۔"

وہ جھٹ سے بولا ۔

"کس سے ۔۔۔؟"

وہ جھک کر بولی ۔۔ اسے اپنے ناول کا باب مکمل ہو
دیا ۔۔۔

"سونیا سے ۔۔۔"

وہ سرد سانس لے کر بولا ۔۔

"کون تھی وہ ۔۔۔؟"

رخسانہ نے پوچھا ۔

"تھی ۔۔۔"

حیرانی سے اس نے دہرایا ۔

"وہ تو اب بھی ہے ۔۔۔"

"مگر وہ کون ہے ۔۔۔؟"

رخسانہ کا اضطراب بڑھتا چلا گیا ۔۔۔

"میری منگیتر ۔۔۔ میری زندگی ۔۔۔ میری روح ۔۔
اس نے نہ جانے کس طرح پڑھے لکھے لوگوں والی مثالیں
شروع کر دیں ۔۔۔

"میری اور اس کی شادی نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ ہمارے پاس کشتی
نہیں اور قبیلے کی رسم کے مطابق اس نوجوان کے پاس کشتی ہونی
ضروری ہے ۔ جس کی شادی ہونے والی ہو ۔۔۔
وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہے ۔۔۔ بہت ہی ۔۔۔
وہ ستاروں جیسی خوبصورت ہے ۔۔۔ پھولوں جیسی نازک اندام
۔۔۔ کلیوں ایسی سفید سفید اور وہ یوں باتیں کرتی ہے ۔ جیسے موسیقی
سن لی جائے ۔۔۔ وہ بہت ہی خوبصورت ہے ۔۔۔ بہت
ہی زیادہ ۔۔۔ میں آپ کو اس کی کسی شے سے مثال دوں ۔۔۔"

وہ سوچنے لگا ۔۔۔ سوچتا رہا ۔۔۔ پھر اچانک اس نے
فیصلہ کر لیا ۔۔۔ وہ جلدی سے بولا ۔

"ایسی خوبصورت جیسی آپ ہیں ۔۔۔"

وہ چونک اٹھی ۔۔۔ مگر پھر اسے انور کی سادگی پر بے اختیار پیار
سا آگیا اور ہنسی بھی ۔۔۔

وہ شرما گئی اور بولی ۔۔

"شکریہ ۔۔۔"

مگر انور کو احساس بھی نہ تھا کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے ۔۔۔
رخسانہ اس سے بہت سی باتیں کیں ۔۔۔

اس نے رخسانہ کو بتایا کہ وہ جزیرے پر موجود چھوٹی سی پہاڑی
پہ اکثر تنہائی میں ملا کرتے اور گھنٹوں دنیا سے بے خبر باتیں کیا کرتے

سکتے ——

اس نے بتایا کہ جب جھاڑیوں میں پھول اور پھل لگتے تو وہ
موتیوں ایسے سرخ اور گول گول پیلو اتارتا —— اور سونیا کے
کانوں میں پرو دیتا —— اور اس کے بالوں میں بہت سے
پھول لگا دیتا تھا —
وہ مسکرا دیتی تھی —— اور بہاروں میں تازگی بھر جاتی تھی۔
پھر وہ بہت خوش ہوتی —— وہ مہک مہک کر چلتی — اور وہ
گھنٹوں اسے سامنے بٹھا کر دیکھا کرتا ——
اس نے بتایا ——
کہ جب وہ وہاں سے چلنے لگا تو وہ کس قدر بے تاب
تھا۔ وہ رو رہی تھی —— وہ خدا سے ضرور دعا مانگ رہی ہو گی کہ
وہ مجھے زندگی دے اور اس سے دوبارہ ملائے —
اس نے یہ بھی بتایا کہ —
اگر سونیا اسے نہ ملی تو وہ مر جائے گا — وہ خودکشی کر لے گا،
کیونکہ سونیا اس کی زندگی ہے کائنات میں قدرت نے اس سے
زیادہ حسین چیزیں کم ہی پیدا کی ہوں گی۔ وہ اپنی مثال آپ ہے
اور رخسانہ نہ جانے کس تصور میں لیے خود ہو رہی تھی ——
آنکھیں بند کیے وہ اس والہانہ پیار کی باتیں سن رہی تھی ——
اور اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ خود سونیا ہو اور خود اس کی

تعریف کر رہا ہو —— اچانک انور سے اسے آنکھیں بند کر
کے یوں مبہوت پایا تو بولا —
"آپ سو گئیں کیا —؟"
وہ چونکی اور بولی ——
"نہیں تو —— نہیں —"
اور پھر وہ تیزی سے اٹھی اور اپنے کمرے کی جانب بھاگ
گئی —— اسے انور کی باتوں سے سرور آ رہا تھا ——
اور انور حیران تھا کہ میم صاحب کا یہ کیسا لہجہ تھا ——

اس دن جب بستی والے لوگ کام سے لوٹے تو وہ سب
سے پہلے ساون کے گھر گئے سونیا کے گھر والے ___ اعظم اور
شیریں ___ سبھی ساون کے گھر میں جمع تھے ___ اس روز کا
راشن تو ان کے پاس موجود تھا جو انہوں نے پکا لیا تھا۔
مگر بستی والوں کو ان لوگوں کی فکر ضرور تھی ___ ان کے
ساتھی بے روزگار ہو گئے تھے۔ وہ احتجاج بھی نہ کر سکتے تھے کیونکہ
اگر وہ احتجاج کرتے تو خود ان کا کام چلا جاتا اور وہ خود بے روزگار
ہو جاتے ___

بہت سے لوگ صحن میں پڑی ٹاٹ پر بیٹھے تھے۔ یوں جیسے
یہ سنگین مسئلہ ہو ___ یوں بھی ساون کے بچے کی بیماری نے ان
لوگوں کو خوفزدہ کر دیا تھا اور سبھی کا خیال تھا کہ یہ مولوی صاحب
کی توہین اور بددعا کا نتیجہ تھا ___

اچانک ایک نوجوان نے جو اس روز مچھلیاں بھرنے کا کام کرتا
رہا تھا۔ ساون سے کہا۔

"ٹھیکے دار نے اپنے آدمیوں کو شہر انور کی تلاش میں بھیجا
ہے ___"

"کب ___؟"

"صبح کے وقت ___"

وہ بولا ___

"وہ انور کو تلاش نہیں کر سکیں گے ___"

ساون نے گویا خود کو تسلی دی ___

"شہر بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور اتنے بڑے شہر میں ایک
آدمی کو تلاش کرنا بہت ہی مشکل کام ہے ___ میں نے سن
رکھا ہے کہ وہاں تو ہمسایہ ہمسائے کو نہیں جانتا ___"

"تم نے یہ سب کس سے سنا ہے ___؟"

مشکوک انداز میں ایک بوڑھے نے پوچھا۔

"میری کشتی میں بہت سے لوگ شہر سے آتے اور سیر

کہتے ہیں۔ میں نے یہ ان سے سنا ہے۔ وہ اور بھی بہت سی باتیں بتاتے ہیں۔"

مگر کسی کو ان باتوں سے دلچسپی نہ تھی۔ ایک ایک کرکے سبھی چلے گئے — صرف ایک بوڑھا رہ گیا —

اس نے بڑی نرمی سے ساون سے کہا —

"ساون — تم بچے کو مولوی صاحب کے پاس لے جاؤ اور دم کرواؤ — وہ اللہ والے ہیں ضرور غصہ تھوک دیں گے — اگر تم نے ان سے معافی نہ مانگی۔ تو وہ تمہارے لئے بددعا کریں گے — نماز پڑھ کر اگر انہوں نے تمہارے بارے میں بددعا کر دی تو ہم سب پر بھی آفت آئے گی — اور یوں بھی دیکھو نا ایسے جھگڑے سے کیا حاصل جو ہمارے لئے نقصان کا باعث ہو — تم ضرور جاؤ۔"

وہ کانپ گیا — اس نے تو اس بارے میں سوچا بھی نہ تھا کہ اگر مولوی صاحب نے نماز کے بعد بددعا کر دی تو کیا ہوگا —

اس نے کہا —

"میں ابھی جاتا ہوں — اسی وقت۔"

اس نے بیلو سے بچہ گویا چھین لیا — اور بولا —

"تم انتظار کرو میں آتا ہوں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

بیلو نے یوں کہا۔ جیسے اس کے بچے اور شوہر دونوں کی زندگی خطرے میں ہو — اور وہ انہیں تنہا خطرے میں ڈالنا نہ چاہتی ہو —

"تم نہیں جاؤ گی —"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولا —

بیلو سہم سی گئی — اور تیزی سے ساون بچے کو لے کر مسجد کی طرف چلا گیا —

مولوی صاحب مسجد میں موجود نہ تھے — وہ انہیں تلاش کرنے لگا — اور وہ جلد ہی انہیں مسجد سے ملحق اپنے گھر میں مل گئے۔

"اسلام —"

ساون نے ادب سے یوں کہا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ میں اپنے کئے پر پشیمان ہوں حالانکہ اس نے کچھ نہ کیا تھا —

"کیا بات ہے —؟"

مولوی صاحب نے غصے سے اور تلخ انداز میں پوچھا —

"جی سرکار —"

وہ گھگھیایا —

"میرا بچہ پرویز بیمار ہو گیا ہے ___ اور میں اسے آپ کے
پاس لایا ہوں ___ آپ اسے دم کر دیں ___"

"بھاگ جاؤ یہاں سے میں ڈاکٹر نہیں ہوں ___ ڈاکٹر کے
پاس جاؤ ___"

مولوی صاحب گرجے ___

اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور جواب دیتا۔ مولوی صاحب
نے زور سے دروازہ بند کر دیا ___ دروازے کے دھماکے سے
بھی زیادہ دھماکہ ساون کے ذہن میں ہوا ___ اور مولوی کے
خلاف نفرت کا ایک لاوا سا اس کے ذہن میں ابھرا ___

مگر یہاں اس کے بچے کی زندگی کا سوال تھا ___ بچے کی
طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی اور بخار میں اضافہ ہو رہا تھا ___
ساون بے چین ہو گیا ___ اسے مولوی کے فقرے میں وزن
دکھائی دیا۔

"ڈاکٹر کے پاس جاؤ ___"

"ہاں ___" وہ بولا ___

"ڈاکٹر اس لئے تو ہوتے ہیں کہ مریضوں کا علاج کریں ___ اور
اب جبکہ اس کا بچہ بھی بیمار ہے ___ وہ ضرور علاج کرے گا ___
یہ اس کا پیشہ ہے فرض ہے ___" وہ سیدھا ڈاکٹر کے ہاں پہنچا۔
___ اور اس نے ڈاکٹر کا دروازہ کھٹکھٹایا ___

آرام دہ ڈرائینگ روم میں بیٹھا ڈاکٹر مغربی موسیقی سے دل بہلا
رہا تھا۔ ملازم نے جب اسے بتایا کہ ساون ان سے اپنے بیمار
بچے کا علاج کروانے آیا ہے تو وہ بولے ۔

"جاؤ اس سے پوچھو اس کے پاس پیسے ہیں ___"

ملازم نے جب جا کر ساون سے یہ سوال کیا تو وہ بغلیں
جھانکنے لگا۔ اس نے کہا ۔

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں ___"

"تو ڈاکٹر صاحب پیسوں کے بغیر علاج نہیں کرتے ___"

ملازم بولا۔

بیمار بچے اور اپنی پونجی میں اس نے موازنہ کیا۔ اسے دنیا
کی ہر شے اپنے بچے کے سامنے ہیچ دکھائی دی ___ وہ بولا ___

"ڈاکٹر صاحب سے کہو میں اپنی کشتی دینے کو تیار ہوں ___
میرے پرویز کا علاج کر کے اسے اچھا کر دو ___"

ملازم ہنسا۔ اس نے کہا ___

"ڈاکٹر صاحب بیکار چیزوں کا بیوپار نہیں کیا کرتے ___"

"تم کہہ کر تو دیکھو ___"

امید کی کرن ساون کو دکھائی دے رہی تھی ___ اس نے
التجا کی ___

ملازم اندر چلا گیا ___

اور واپس آکر اس نے ساون کو ڈاکٹر صاحب کا پیغام
پہنچا دیا ـــ

"ڈاکٹر صاحب گھر پر نہیں ہیں ـــ"

غصے سے ساون کا ذہن کھول اٹھا ـــ مگر ملازم آہنی
دروازہ بند کر کے جا چکا تھا ـــ

اس نے دروازے پر تھوک دیا ـــ اور جونہی
پلٹا اس نے دیکھا ـــ

سونیا اس کے پیچھے کھڑی رو رہی تھی ـــ

وہ ساون سے لپٹ گئی اور بولی ـــ

"فکر نہ کرو ـــ خدا سب ٹھیک کر دے گا ـــ"

اور ساون سے وہ بچہ چھین کر گھر کی جانب بھاگ گئی
بستی والوں کے دکھ درد مشترک تھے ـــ

جب ساون گھر آیا تو اس نے دیکھا بہت سے ا
میں کھانے پینے کی چیزیں رکھی تھیں ـــ سادہ اور س
سا کھانا ـــ جو اس بستی کے لوگوں کی روزمرہ کی خوراک

"یہ کھانا کہاں سے آیا ـــ"

اس نے بیوی سے پوچھا ـــ

"ہر گھر سے ـــ"

اس نے آہستہ سے کہا ـــ

اور ساون سوچنے لگا ـــ

کتنا خلوص ہے میرے ہم پیشہ لوگوں میں ـــ یہ کتنے دردمند
لوگ ہیں ـــ اور انہوں نے میرے کام چھوڑ جانے پر
اس خیال سے اپنے حصے کا تھوڑا تھوڑا سا کھانا بھیج دیا
ہے تاکہ میں اور میرے اہل و عیال بھوکے نہ رہیں ـــ

پیلو بہت افسردہ تھی ـــ اسے معلوم تھا کہ مولوی اور
ڈاکٹر نے کیا جواب دیا ہے ـ اس نے ساون سے کچھ بھی نہ
پوچھا ـــ اور اس کی دلجوئی کرنے لگی ـــ

ساون نے کہا ـــ

"پرویز خود بخود اچھا ہو جائے گا ـ غریبوں کے بچوں کو
دوائیں راس نہیں آیا کرتیں"

اور پیلو چپ رہی ـــ وہ جانتی تھی ـ ساون اپنے آپ
کو تسلی دے رہا ہے ـــ

اس نے بات بدلنے کو پوچھا ـــ

"کل کام پر جاؤ گے ـــ؟"

"ہاں ـــ"

ساون کا جواب مختصر تھا ـــ

"میں بھی ساتھ جاؤں گی ـــ"

پیلو بولی ـــ

وہ چپ رہا — بیلو نے کہا —
"تم نے جواب نہیں دیا —"
آہستہ سے ساون نے گردن ہلائی اور کہا —
"جیسے تمہاری خوشی — تم بھی چلی جاتا —"
اچانک ساون کو سونیا کا خیال آ گیا — وہ دروازے
کے لکڑی کے ستون سے لگی کھڑی تھی — اس نے کہا
"سونیا تم جاؤ آرام کرو — انور کو ہم نے خدا کے سپرد
کیا —"
"وہ واپس آئے گا نا —؟"
سونیا نے پوچھا۔
"ہاں۔ ضرور آئے گا — اگر وہ نہ آیا تو میں اسے واپس
لاؤں گا —" ساون نے اسے تسلی دینے کو کہا —
اسے کسی قدر قرار آ گیا —
اور وہ واپس چلی گئی —

انور ٹھیک ہو گیا —
اب وہ چلنے پھرنے بھی لگا تھا — اور کام کاج بھی کرنے لگا تھا۔
سیٹھ نصیر اس پر بہت مہربان تھے — شاید اس کی وجہ انور کی
سادگی، سچائی، محنت کی لگن — اور وفاداری تھی — وہ ہر کام جو
اسے کہا جاتا فوراً کرتا اور کبھی ماتھے پر شکن نہ لاتا — سیٹھ نصیر
نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے کام کے پیسے ہر ماہ دیا کریں
گے — اور اگر وہ ان پیسوں کو بچاتا رہا — تو وہ ایک
کشتی ضرور خرید سکے گا — انہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ

اسے انجن والی کشتی خرید دیں گے — اور انور خوش تھا کہ اس کی
مراد پوری ہو جائے گی — اسی امید پر وہ لگن سے کام کر رہا
تھا۔

ابتدائی چند دنوں میں سیٹھ صاحب نے اندازہ لگا لیا کہ دیہاتی
نوجوان ضرورت سے زیادہ شریف اور نیک ہے —
انہوں نے اسے گھر میں آنے جانے اور سبھی کام کرنے کی
اجازت دے دی اور یہ بھی کہ وہ گھر کے افراد میں گھل مل کر
رہ سکے —
چنانچہ انور کو وہ سبھی حقوق حاصل تھے جو گھر کے ایک فرد
یا پرانے گھریلو ملازم کو حاصل ہوتے ہیں —
وہ گھر کے مالکان کے احکام کی تعمیل کرتا —
ایک دن جب سیٹھ بشیر خود گھر پر موجود تھے — ان کی
بیگم نے کہا —
"یہ نوجوان بہت سمجھ دار اور وفادار ہے — اب تک
میرا خیال تھا کہ دیہاتی نوجوان ہونے کے علاوہ چور
بھی ہوتے ہیں۔ مگر اب مجھے اپنا وہ خیال بدل دینا پڑا ہے"
"ہاں ہاں —"
بیگم صاحبہ نے کہا —
"واقعی یہ نوجوان بہت سیدھا سادہ سا ہے — اور شریف

بھی میں تو اب اسے کبھی یہاں سے نہ جانے دوں گی —"
سیٹھ بشیر مسکرائے اور بولے —
"یہ جا بھی کہاں سکتا ہے۔ جس جزیرے کا یہ ذکر کر رہا
ہے۔ وہاں سے تو کسی کو باہر آنے نہیں دیا جاتا — اگر یہ
بھاگ کر پھر واپس گیا تو وہ لوگ اسے مار دیں گے —"
"مگر — یہ تو وہاں سے شادی کرنے آیا ہے —
یہاں سے یہ کشتی بنا کر شادی کے لئے واپس جائے گا ابو"
رخسانہ نے کہا —
"بیٹی یہ اس کی صرف خواہش ہے۔ اور ہر خواہش پوری
نہیں ہوا کرتی — اس کی خواہش بھی شاید پوری نہ ہو سکے"
باپ نے جواب دیا۔
"تو کیا یہ زندگی بھر اس انتظار میں رہے گا۔ اور اس کی
مراد کبھی پوری نہ ہو گی — یہ تو برا ہو گا —"
بیگم افسردگی سے بولیں۔ جیسے انہیں انور کی محرومی پر
دکھ ہو —
"مگر اسے امید تو ہے کہ وہ اپنی مراد پوری کر لے گا۔
اور اس کی یہ امید بھی ختم ہو گئی تو زندگی میں کیا رہ جائے گا ایسی
صورت میں تو یہ شاید مایوس ہو کر خودکشی کر لے —"
سیٹھ صاحب بولے۔

سبھی چپ رہے ——

اچانک سیٹھ صاحب ہی نے کہا۔

"یوں بھی جب کوئی شخص اچانک اندھیرے سے نکل کر
روشنی میں آجائے تو اسے روشنی زیادہ خوبصورت لگتی ہے
اور اس کی آنکھوں کو زیادہ چکاچوند کر دیتی ہے۔ یہی حال ان
دیہاتی نوجوانوں کا ہوتا ہے جب یہ کبھی اچانک دیہات کے
اور ایک جیسے اکتا دینے والے ماحول سے فرار حاصل کر کے
یہاں آتے ہیں اور یہاں کے نئے ماحول کو زیادہ سلجھا ہوا پاتے ہیں
—— ورنہ تو ان کو شہر سے ہٹ کر گاؤں کا ماحول اچھا لگ
—— اور یہ ایسے غلیظ اور گھٹے ہوئے ماحول میں

جلتے ہیں ——

انور بھی تو مختلف نہیں —— وہ تو ایسے پرانے اور
سے گھٹے ہوئے آدم بیزار ماحول سے بھاگا ہے —— جب اس
شہر میں چکاچوند دیکھی اور سونیا سے زیادہ خوبصورت اور
سے زیادہ قریب لڑکیاں دیکھیں۔ تو اسے سونیا ایک پرانی
دکھائی دے گی —— یہ کبھی اس کا نام بھی نہ لے گا۔ اور
—— وہ جو بھی ہے اداس اداس چہرے پر اس کے
میں مر جائے گی —— یا شاید وہ اور اس کے حاصل والد
کا انتظار بھی نہ کریں۔ اور سونیا کسی اور کا گھر آباد کر ہے

"مگر انور ایسا نوجوان نہیں —— وہ سونیا کو نہ بھول سکے
گا۔ یا نہیں۔ مجھے اس سے بحث نہیں۔ مگر وہ شہر کی چکاچوند
سے غلط راستے پر نہ پڑے گا —— اور پھر اسے اتنی فرصت
ہی کہاں ہے ——

بیگم صاحبہ نے کہا ——

"مگر اس نے شہر کو پورے روپ میں دیکھا ہی کہاں ہے
—— ؟" سیٹھ صاحب نے جواب دیا ——

"ابو ——"

رخسانہ بولی ——

"ہمیں چاہیئے کہ ہم انور کو شہر دکھائیں —— آخر وہ انسان
ہے۔ اور دنیا کو اس کے پورے روپ میں دیکھنا اس کا انسانی
حق ہے ——

کیا آپ اس کی اجازت دیں گے —— ؟"

"بیٹے ——"

وہ آہستہ سے بولے ——

"وہ اناڑی نوجوان ہے ابھی تو سڑکوں کے آداب سے
واقف نہیں۔ اس کی اور ہماری ملاقات بھی تو حادثہ تھا ——
ہماری کار کے نیچے آتے آتے بچا تھا —— ہم اس کی زندگی خطرے
میں ڈالنے کے لئے اسے اکیلا تو نہیں بھیج سکتے —— اور پھر

میرے پاس اتنی فرصت کہاں ہے کہ میں اسے شہر دکھلاتا پھروں۔ ہاں اگر تم اسے کار میں لے جا سکو تو مجھے اعتراض نہ ہو گا۔"

"تو کیا رخسانہ اسے سیر کرانے لے جائے گی ــ ؟"

بیگم صاحبہ نے حیرانی اور غصے سے کہا۔

"ہاں ہاں ــ کیا حرج ہے۔"

سیٹھ صاحب نے جواب دیا ــ

بیگم صاحبہ شاید کچھ اور کہنا چاہتی تھیں ــ مگر سیٹھ صاحب نے ان کو روک دیا ــ

اور رخسانہ نے کہا ــ

"ہم بوہیں آج ہی اسے لے جاؤں گی ــ شام کو جب روشنیاں جلیں گی ــ تو یہ شہر دیکھ کر زیادہ خوش ہو گا یہ ٹھیک ہے ابو ــ بتایئے نا۔"

اس نے باپ سے لاڈ سے کہا ــ

"ہاں ہاں بیٹے ــ جیسے تمہاری خوشی ــ"

باپ نے جواب دیا ــ

اتنے میں انور آگیا ــ وہ ان لوگوں کے لئے کافی تھا ــ

بڑے مودبانہ انداز میں جیسے کہ اسے سکھایا گیا

اس نے سبھی کو کافی سرو کی۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ بیگی اسے ٹیڑھی اور بھرپور نظروں سے دیکھ رہے ہیں ــ

مگر اس نے نظر انداز کر دیا ــ جب وہ جانے لگا تو اچانک سیٹھ صاحب نے کہا ــ

"ٹھہرو انور ــ"

وہ رک گیا ــ اور حیرانی سے سیٹھ صاحب کو دیکھنے لگا ــ وہ بولے ــ

"تم جب سے اس گھر میں جر برسے سے آئے ہو تم نے کبھی شہر اور اس کی رونقیں دیکھنے کا اظہار نہیں کیا ــ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تم سیر کرو ــ"

"سرکار ــ"

وہ ادب سے بولا ــ

"آپ کی اجازت کے بغیر میں کیا کہہ سکتا ہوں ــ آپ اجازت دیں تو میں سیر کر آؤں ــ"

وہ مسکرائے اور بولے ــ

"رخسانہ بیٹی تمہیں شہر کی سیر کروا لائے گی ــ تم تیار رہنا ــ"

"جی بہتر ــ"

وہ بولا ــ ۔

اور جب وہ وہاں سے جا رہی تھی لگا وہ بے حد خوش تھا ـــــ
اور رخسانہ جیسی ماڈرن لڑکی بھی نہ جانے کیا سوچ رہی تھی ـــــ

چاند نے رات کی سیاہ چادر کی سیاہی مٹانے کی کوشش میں ناکام ہو کر ہمت ہار دی تھی ـــ
اور سورج اندھیروں سے چاند کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے اندھیروں کی چادر سے ابھر رہا تھا ـــ ابھی اس کی پہلی کرن ہی نے اندھیرے میں روشنی کی ایک لکیر کو جنم دیا تھا ـــ
چند ہی منٹ پہلے مولوی صاحب نے مسجد میں اذان دی تھی ـــ اس مسجد سے جہاں وہ نماز کے لئے آنے کی دعوت

دے رہے تھے ــــ جبکہ غریب بستی والوں میں سے کسی بھی فرد کو وہاں جمعہ کے علاوہ جانے کی اجازت نہ تھی ــــ اذان ان کے لئے پیغام عبادت ہوتا ہو ــــ بہر حال وقت کا پیمانہ ضرور تھی ــ جس سے وہ اندازہ لگاتے تھے کہ صبح ہونے والی ہے ــــ

الصبح ہی ــــ سادق نے بیلو کو جگایا ۔ اور بچے کی علالت کے بارے میں پوچھا ــ

اسے یہ سن کر تکلیف پہنچی کہ بچہ بدستور بیمار ہے ۔ مگر طبیعت اگر پہلے سے خراب نہیں تو اچھی بھی نہیں ہوئی ــ

اس نے بیلو سے کہا ــ

" تم سمندر پر میرے ساتھ چلو گی ــ؟ "

" ہاں ــ "

بیلو کا جواب مختصر تھا ــ

" میرا خیال ہے پرویز بیمار ہے تم گھر ہی پر رہو "

وہ بولا ــ

" تم اکیلے کام نہ کر سکو گے ــ "

بیلو نے اس بار بھی مختصر بات کی ــ

وہ سوچنے لگا ــ

بیلو درست کہہ رہی ہے ۔ واقعی وہ اکیلا کام نہ کر

گا ۔ اور یوں بھی سمندر سے موتی نکالنے کے لئے جب وہ غوطہ لگائے گا ۔ تو سیپیوں کی ٹوکری کھینچنے کے لئے کسی اور فرد کی ضرورت تو ہوگی ــ وہ آہستہ سے بولا ــ

" کھانے کو کچھ ہے "

بغیر جواب دیئے بیلو نے کونے میں رکھے برتن میں ہاتھ ڈالا ۔ اور موٹے کپڑے کا ایک ٹکڑا نکال کر اسے کھولنے لگی ــــ

وہ دلچسپی سے یہ سب دیکھتا رہا ــــ پھر بیلو نے مکئی کی چند روٹیاں اور چاول اس کے سامنے رکھ دیئے ــ

وہ جال کی گرہیں کھول رہا تھا ــــ بیلو نے کہا ــ

" آ کھا لے "

اس نے جال کی آخری گرہ کھولی اور اسے ایک جانب رکھ کر خود وہاں آ بیٹھا ــــ اس نے چاولوں اور روٹی کو مسل کر حلوہ سا بنا لیا ــــ اور ایک بڑا سا لقمہ منہ میں ڈال کر بولا ــ

" تم بھی کھاؤ نا ــ "

" میں نہیں کھاؤں گی ــ "

آہستہ سے بیلو نے جواب دیا ــ

" کیوں ــ؟ "

سادق نے پیار سے پوچھا ــ

"بھوک نہیں"—

وہ بولی—

"کھانا تو کافی زیادہ ہے—

وہ پھر پیار سے اسے بازو سے پکڑ کر بلانے لگا—

"میں نے کہا نا مجھے بھوک نہیں ہے— اگر کھانا بچ گیا ہے
تو اسے رکھ لینا میں ساتھ لے جاؤں گی— جب بھوک لگے گی
تو کشتی ہی میں کھائیں گے—"

بیلو نے جواب دیا—

وہ چپ رہا— اور بیلو نے بچے کو چھاتی سے چمٹا
لیا— اور دودھ پلانے لگی—

بچہ صبح ہی صبح کافی بھوکا معلوم دیتا تھا— جلدی جلدی
چوس چوس کر وہ دودھ پینے لگا— اور بیلو پیار سے اس کے
بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی— دلچسپی اور خوشی سے ساون
اپنے بچے اور بیوی کو دیکھتا رہا— پھر اس نے باقی کھانا باندھ
دیا— اور وہاں سے اٹھا— اٹھتے ہوئے اس نے پرویز
کے گال پر بوسہ دیا تھا—

بیلو مسکرا دی— اور بچہ بدستور دودھ پیتا رہا—

بہت جلد وہ سامان سمیٹ کر تیار ہو گیا—

بچہ دودھ پی چکا تھا— ساون نے کہا—

"بیلو تم رسیاں اٹھا لو—"

اور پھر وہ دونوں سمندر کی جانب چل دیئے—

راستے میں انہوں نے کوئی بات نہ کی—

ساحل سمندر پر اس نے سامان رکھ دیا— اور بیلو سے
بولا—

"میں کشتی کھولتا ہوں—"

دوسرے ماہی گیر بھی سمندر پر آ گئے تھے— اور ان میں سے
بہت سے ماہی گیروں نے کام شروع کر دیا تھا— بابا شیرو
قریب آیا اور بولا—

"تم کام کرو گے—؟"

"ہاں—"

روکھے انداز میں وہ بولا—

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے—"

بابا شیرو نے جو مشاق ماہی گیر تھا جواب دیا—

"وہ لوگ تم سے مچھلی نہیں خرید سکے— تم اپنی مچھلیاں مجھے
دے دینا— میں بیچ دوں گا— اور جو ملے گا— آدھا آدھا بانٹ
لیں گے—"

"اچھا—"

خوشی سے ساون نے کہا—

ورنہ ہاں ۔۔

بڑے پیار سے اور رندھی ہوئی آواز میں شیرو نے کہا ۔
مڑ کر یوں ساون نے بیوی اور بچے کو دیکھا جیسے بابا شیرو کی
اس پیشکش سے اس کے بچے بیوی کو تحفظ مل گیا ہو ۔
مگر پھر گویا اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی ۔ اور اس کا خون
خون کھول اٹھا ۔ اور وہ چلایا ۔

• شیرو بابا ۔ ''

• کیا ہے ۔ ؟

گھبرا کر بابا شیرو قریب آیا ۔ اور پھر وہ بھی بڑا مایوس ہوا ۔
کشتی کا ایک درمیانی تختہ توڑ دیا گیا تھا ۔

• انہوں نے میرے منہ سے نوالہ چھیننے کی کوشش کی ہے
۔ میں ان میں سے ایک کو ضرور ہلاک کر دوں گا ۔''
وہ غصے سے چیخا ۔

بابا شیرو نے ارد گرد دیکھا اور آہستہ سے کہا ۔

• ایسی بات نہ کہو ۔ وہ سن لیں گے اور ۔ اور ۔

• بھوکوں مرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ ظالموں کو مار کر مرا
جائے ۔''

ساون نے جواب دیا ۔

بہت سے دوسرے ماہی گیر بھی جمع ہو گئے تھے ۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ کام شروع کرنے سے پہلے ساون کی کشتی
کی مرمت کی جائے ۔

چنانچہ انہوں نے تختے اور دوسری چیزیں پل بھر میں جمع
کر لیں ۔

نصف گھنٹے کی محنت کے بعد کشتی مرمت ہو گئی ۔
اور بابا شیرو جب لیس دار مادہ سا مرمت شدہ تختے کے گرد
اس مقصد کے لئے لگا رہا تھا کہ وہاں سے پانی اندر نہ آ
سکے تو وہ بولا ۔

• قسمت کے دشمن ہو ۔ ؟''

پریشان بیلو قریب کھڑی تھی ۔ وہ مسکرا دی ۔
اور ساون نے کوئی جواب نہ دیا ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
بستی کے مالکان نے اسے پریشان کرنے کی جو پالیسی اختیار
کر رکھی ہے وہ اس کا مزید مظاہرہ کریں گے ۔ اور اسے چین
سے نہ بیٹھنے دیں گے ۔

اور پھر ساون نے رسیاں ۔ جال ۔ لکڑیاں اور دیگر سامان
کشتی میں رکھا ۔ اور بیلو نے بھی بچے کو اپنی چادر بچھا کر کشتی میں
بٹھا دیا ۔

اور ساون کشتی کو گہرے پانی کی سمت دھکیلنے لگا ۔
دوسرے ماہی گیر کام شروع کر چکے تھے ۔ اور ساون

ان چٹانوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جو بہت زیادہ سپاٹ
تھیں۔

اس نے آہستہ سے پیلوت سے کہا۔
"میں پہلے چند موتی تلاش کروں گا۔ تاکہ بچے کے علاج
کے لئے ڈاکٹر کو دے کر دوا لا سکوں اور اس کے بعد مچھلیاں
پکڑیں گے۔"
اور پیلوت نے اس کی ہاں میں ہاں ملا کر گویا پورا ساتھ
کا وعدہ کیا تھا۔

دنیا کی بے انصافیوں سے اکتایا ہوا سورج زمین کی گہرائیوں کی
جانب اپنا منہ چھپا رہا تھا۔
اور آسمان پہ یوں شفق کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے دولت
مندوں کی طرح غریبوں کا کچھ خون اس نے بھی چاٹ لیا ہو۔
رخسانہ نے انور سے کہا:
"انور تو تمہیں شہر دکھا لاؤں ۔۔۔ میں جا رہی ہوں۔"
وہ تو گویا اسی انتظار میں تھا۔
نئی چیزیں دیکھنے کا شوق کسے نہیں ہوتا۔ اور انور کے لئے

تو سب کچھ کہانیاں تھیں —

"چلو بی بی جی —"

مسکراتی ہوئی اور کار کی چابیاں ہاتھ میں گھماتی وہ باہر نکلی

پھر اس نے کار کا دروازہ کھول دیا —

انور بدستور کھڑا رخسانہ کو دیکھ رہا تھا —

"بیٹھو —"

وہ بولا —

"کیا میں کار میں بیٹھ جاؤں —"

اس نے یوں پوچھا جیسے کار اس کے بیٹھنے کی چیز نہ ہو

"ہاں بھئی اور کیا پیدل چلو گے —"

لاپرواہی سے رخسانہ بولی —

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے لگا — رخسانہ نے کہا —

"آگے آؤ بدھو —"

جھجکتا ہوا وہ آگے بیٹھ گیا —

کار کا دروازہ کھول کر رخسانہ اس کے بمقابل بیٹھ گئی اور

"پیچھے بیٹھ کر کیا دیکھو گے — خاک —"

وہ چپ رہا — اور رخسانہ نے کار اسٹارٹ کی اور

سے باہر نکل گئی، وہ تیزی سے کار چلاتی بڑی سڑک پر آ

اور ادھر ادھر بلند و بالا عمارتوں — جلتی روشنیوں —

اور رنگ برنگے ماحول کو دیکھتا رہا —

"بی بی یہ روشنی دن کو کیوں نہیں جلتی —"

اس کا اشارہ رنگ برنگے جلتے بجھتے نیون سائن کی طرف تھا۔

"دن کو اسے بجھا دیا جاتا ہے — اور رات کو جلا دیا جاتا

ہے — اور یہ بجلی سے جلتا ہے — تم جلد سب سمجھ

جاؤ گے —"

رخسانہ نے بتایا —

وہ دلچسپی سے سنتا رہا — پھر وہ چپ رہے —

اچانک رخسانہ نے کہا —

"کوئی بات پوچھو نا — کیا بدھو بنے بیٹھے ہو —!"

اس نے بے ساختہ کہا —

"یہ کار کتنے کی ہے —؟"

وہ کھلکھلا کر ہنس دی — انور کی سادگی ہی ایسی تھی پھر

وہ لاپرواہی سے بولی —

"چالیس ہزار کی —"

"وہ کتنے ہوتے ہیں —"

وہ حیرانی سے بولا —

"جتنے کی یہ کار ہے۔"

رخسانہ نے شرارت کی —

وہ چپ رہا — اسے مزید پوچھنے کا کیا حق — اور ا
کی لاعلمی سے دوسروں کو تکلیف کیوں پہنچے —
رخسانہ نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا وہ بولی —
"تم نے پوچھا تھا نا کہ چالیس ہزار کتنے ہوتے ہیں —!
"جی ہاں — اور آپ نے بتا دیا تھا —"
وہ بولا —
"بتایا ضرور تھا مگر تم سمجھے نہیں ہو گے"
وہ بولی —
"میں تمہیں تمہاری زبان میں بتاؤں تو چالیس ہزار،
اتنے ہوتے ہیں جن سے کم از کم ایک سو کشتیاں خریدی
سکتی ہیں"
"تو ان سب کے پاس اتنا پیسہ ہے —؟"
وہ حیرانی سے دوسری کاروں کی طرف اشارہ کر کے بو[لا]
"ہاں —"
لاپرواہی سے وہ بولی —
"انہوں نے اتنی دولت کہاں سے لی — ان کے
بہت سے جزیرے ہوں گے —"
اس کی حیرانی اور زیادہ تھی — اس کا تصور جزیرے سے [باہر]
نکل رہا تھا —

رخسانہ صرف قہقہہ لگا کر ہنس دی اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
مگر انور کا خیال جزیرے میں اور وہاں موجود اس کی منگیتر سوہنا
کی طرف تھا جس سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد واپس آئے
گا۔ اور پھر آ کے دلہن بنائے گا — وہ انتظار کر رہی ہو گی —
اس نے سوچا۔
"اگر میرے پاس ایسی کار ہو تو میں اسے بیچ کر بہت سی کشتیاں
خرید لوں — اور پھر سوہنا میری ہو جائے گی — اور جزیرے کے
دوسرے بہت سے نوجوان بھی شادیاں کر لیں — میں باقی کشتیاں
ان کو دے دوں —"
رخسانہ نے اسے جھنکا دیا —
"کیا سوچنے لگے —؟"
"جی —"
وہ چونکا —
"کچھ نہیں — دیکھ رہا ہوں — بہت خوبصورت ہے یہ
شہر —"
اچانک اس نے ایک بہت بلند عمارت کی طرف اشارہ کر کے
پوچھا —
"یہ کیا ہے —؟"
"ہوٹل — اور کلب ہے"

رخسانہ نے جواب دیا ——

"وہ کیا ہوتا ہے ——"

انور نے پوچھا ——

مگر پھر اسے خود ہی خیال آیا کہ اس کا جواب مہمل ہے۔ اور

اسے ایسا جواب نہ دینا چاہیئے تھا —— وہ بولی ——

"یہاں پکے پکائے کھانے ملتے ہیں —— جو بھی مانگو اسی

وقت مل جاتا ہے —— اور لڑکے لڑکیاں آپس میں ناچتے ہیں

—— ساز بجتے ہیں —— اور بہت کچھ ہوتا ہے۔ یہاں زندگی

جنت بنی رہتی ہے ——"

"پکے پکائے کھانے فوراً ملتے ہیں —— جو بھی مانگو ——"

انور نے سوچا —— پھر وہ مولوی صاحب کی بتائی ہوئی

جنت کے بارے میں سوچنے لگا۔ جہاں جو چاہو مل جاتا ہے۔

اور وہاں بھی ہر شخص جس حور کو چاہے پا سکتا ہے —— وہاں

حوریں ان عورتوں سے کیا خوبصورت ہوں گی۔ جو اس کے ارد گرد

موجود تھیں ——

کار دوڑتی رہی —— وہ بولا ——

"اس ہوٹل میں ہم تو نہیں جا سکتے —— ؟"

"کیوں —— ؟"

حیرانی سے رخسانہ نے کہا ——

وہ چپ رہا۔ اور پاگلوں کی طرح دیکھتا رہا —— وہ بولی۔

"تم ہوٹل میں جاؤ گے —— ؟"

"اگر آپ لے جائیں تو ——"

انور نے جواب دیا ——

اس مہذب جواب سے رخسانہ خوش ہوئی اور بولی ——

"مگر تم اس لباس میں ہوٹل نہیں نہ جا سکو گے ——"

"مگر میرے پاس تو اور لباس نہیں ہے ——"

انور نے مایوسی سے جواب دیا ——

رخسانہ کچھ سوچتی رہی پھر بولی ——

"کیسا ہے شہر —— ؟"

راستے میں اس نے پوچھا ——

"ایک دم خوبصورت —— بہت ہی پیارا ——"

وہ بولا ——

رخسانہ چپ رہی —— اور انور بتانے لگا ——

"مقدس کتابوں میں جنت کے بارے میں جو لکھا ہوا ہے وہ

سب اس شہر میں موجود ہے —— تم لوگ جنت میں رہتے ہو

—— مقدس اور پاکیزہ جنت میں —— جو خدا کا انعام ہے ——"

وہ بتاتا رہا —— اور رخسانہ نے کوئی جواب نہ دیا ——

مگر وہ بیچارہ اس مقدس اور پاکیزہ جنت کے گرد و گوشوں سے

واقف ہی کہاں تھا۔
اسے کیا معلوم تھا ۔ یہ یہاں ضروریات زندگی کی طرح عصمتوں
کے سودے بھی سرعام کیے جاتے ہیں ۔
اسے کیا علم تھا کہ جھوٹ ۔ مکر و فریب ، بناوٹ اور سریا کاری
اس جنت کی بنیادیں ہیں ۔

اور
وہ بے چارہ کیا جانے ۔۔۔ کہ اس جنت کی پاکیزگی دنیا کی سب
سے گھناؤنی چیز ہے ۔۔۔ اور یہاں رہنے والے انسان کم اور
شیطان زیادہ ہیں ۔
"میں تمہارے لئے شہری لباس کا انتظام کردوں گی ۔ اور
تمہیں یہ ہوٹل بھی دکھا دوں گی ۔۔۔"
"جی بہتر ۔ بی بی جی ۔۔۔"
وہ خوشی سے بولا ۔۔۔
"ہوں ۔۔۔"
رخسانہ کا جواب مختصر تھا ۔۔۔
وہ چپ رہا ۔۔۔ اور رخسانہ بھی گاڑی چلاتی رہی ۔۔۔ اور وہ
دیکھتا رہا ۔۔۔ اس نے بے فکرے اور خوش و خرم لوگوں کے ہجوم
دیکھے ۔۔۔ اور بلا وجہ وہ مسکراتا اور تالیاں بجاتا رہا ۔
پھر رخسانہ نے کہا ۔

"اب واپس چلیں ۔۔۔"
اس کا دل تو چاہتا تھا کہ وہ اسی طرح تمام عمر کار میں بیٹھا رہے ۔
جس کی مالیت سو کشتیوں کے برابر تھا ۔۔۔ اور یوں ہی شہر کو
دیکھتا رہے ۔ جیسے مولوی صاحب نے جنت بتایا تھا ۔ یہ بھی کہ
تم مرنے کے بعد وہاں جاؤ گے ۔۔۔
مگر اس نے کہہ دیا ۔
"ہاں چلیے ۔۔۔"
اور رخسانہ نے گاڑی واپس بنگلے کی جانب موڑ دی ۔۔۔

مگر ۔۔۔ اس کے سوچنے کا انداز پاکیزہ اور مقدس تھا ۔۔۔
اور اس نے اس جنت کے گھناؤنے گوشوں کو نہ دیکھا تھا جہاں سو
کشتیوں کے برابر کاروں کی بہتات تھا ۔۔۔ اور روپوں کے
انبار تھے ۔۔۔
مگر غریبوں اور اندھے جیسے لوگوں کے دیکھنے کے لئے ۔ استعمال
کے لئے نہیں ۔ تاکہ وہ اپنی غریبی کے احساس کو شدت سے محسوس
کریں ۔۔۔

ساون نے کہا ۔

"ببلو ۔۔۔ میں پانی میں اترتا ہوں ۔۔۔ تم رسی کو مضبوطی سے پکڑے لو ۔ اور جب میں رسی ہلاؤں تم اسے باہر کھینچ لینا ۔ میں صرف دو چار ٹوکریاں سیپیوں کی نکالوں گا ۔۔۔ شاید قدرت اتنی سی سیپیوں میں سے ہی ہمیں بہت سارے موتی دے دے!"

"اچھا ۔۔"

وہ بولی ۔

ساون نے رسی کا ایک سرا اپنی کمر سے باندھ لیا ۔۔۔ اور

دوسرے کو کشتی کے کنڈے سے باندھ کر رسی ببلو کے ہاتھ میں تھما دی ۔۔۔ وہاں سمندر کم گہرا تھا ۔۔۔ اور وہاں سے سمندر کی تہہ سے اٹھی ہوئی چٹانوں کے درمیان سے سیپیاں زیادہ مقدار میں مل جاتی تھیں ۔

اس نے سمندر میں کودنے سے پہلے ساحل کی جانب دیکھا ۔ وہاں بہت سے لوگ کھڑے تھے ۔۔۔ ان میں ٹھیکے دار بھی تھا ۔۔۔ اور جاگیردار بھی ۔۔ اور خاص کارندے بھی ۔۔۔ وہ یوں ساون کو دیکھ رہے تھے ۔ جیسے ساون نے سمندر میں کشتی ڈال کر ان ہونی بات کر دی ہو ۔۔ یا یوں جیسے سمندر ان کی ملکیت ہو اور ساون نے اس میں کود کر ان کی حدود کو پھلانگ لیا ہو ۔۔۔ نفرت سے وہ بولا ۔

"ہوں ۔۔۔ یہ لوگ مجھے منع نہیں کر سکیں گے ۔"

اور ببلو نے بھی نفرت سے اس جانب تھوک دیا ۔

تیزی سے ساون نے سمندر میں چھلانگ لگا دی ۔۔ دو ٹوکریاں اس نے رسی کے سرے سے باندھ رکھی تھی ۔۔۔ اور پھر وہ سمندر کی تہہ میں اُترتا چلا گیا ۔۔۔

جلد ہی اس کے پاؤں نے چٹانوں کو چھو لیا ۔ اور وہ گھٹنوں کے بل ہو کر سمندری چٹانوں کے درمیان سے سیپیاں تلاش کر کے ٹوکریوں میں ڈالنے لگا ۔۔۔ وہ اپنی درانتی سے ٹٹول

ٹٹول کر پتھروں سے چھوٹی سیپیوں کو نکالتا اور ٹوکری میں ڈال لیتا ــــ

جلد ہی اس نے ایک ٹوکری بھر لی ــــ اور رسی کو مخصوص انداز میں ہلا دیا ــ

بیلو نے ٹوکری کھینچ لی ــــ باقی رسی سے وہ خود بندھا ہوا تھا۔ بیلو نے سیپیاں کشتی کے منہ میں ڈھیر کر دیں ــــ

سمندر میں زیادہ دیر سانس بند رکھنا آسان کام نہ تھا ــ ــــ اس لیے اس نے جلد دوسری ٹوکری بھر لی تھی ــــ

اس کے ہاتھ مشینی انداز میں چل رہے تھے ــــ اور وہ جلدی جلدی ٹوکری بھر رہا تھا ــ

اچانک اس کے ہاتھ ایک سخت اور گول گول سے موتیوں جیسی چیز سے ٹکرائے ۔ اندھیرے اور سمندری ماحول میں اس نے اس چیز کو اٹھا لیا ــــ اور ٹوکری میں ڈال لیا ــــ اور پھر رسی ہلا دی ــــ

بیلو رسی کھینچنے لگی ــــ

جلد ہی وہ خود بھی تیر کر اوپر آ گیا ــــ اس نے پہلے والی سیپیوں کے ساتھ ہی دوسری ٹوکری بھی الٹ دی ــ

بہت سی سیپیاں تھیں ــــ

اور ان کے درمیان ــــ

بہت سے خوشنما موتیوں کا ایک بڑا سا ہار موجود تھا۔ بیلو نے جھک کر اسے اٹھایا اور حیرانی سے اس عجیب شے کو دیکھنے لگی ۔ اس نے ایسا ہار ۔ کئی بار شہر سے آنے والی خوش پوش خواتین کے گلوں میں دیکھا تھا ۔ مگر وہ اتنا خوبصورت اور چمکدار نہ تھا ــــ

اچانک ساون نے یوں بیلو سے ہار جھپٹا کہ وہ سمندر میں گرتی گرتی بچی ۔ مگر ساون کو اس کا ہوش نہ تھا ــــ وہ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا ــــ اس کا چہرہ تمتا اٹھا تھا ــــ اور اس پر سختی کے آثار تھے ــــ اس نے الٹ پلٹ کر ہار کو دیکھا ــــ اور پھر بیلو نے کہا ــــ

"کیا بات ہے ــــ؟"

جواب دینے کی بجائے وہ اتنی بلند آواز میں چیخا کہ سمندر میں دور دور تک موجود ماہی گیروں نے اس کی چیخ سنی ــــ

سبھی اس جانب متوجہ ہوئے ــــ اور ساون کے ہاتھ میں عجیب سی شے دیکھ کر وہ چونک اٹھے ــــ

ہار کے موتی روشنی میں بہت زیادہ چمک رہے تھے ــــ اور ان سے شعاعیں سی نکل رہی تھیں ــــ

اور پھر ساون یوں سبھی کو بلانے لگا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔ اور اسے کسی بات کا ہوش نہ ہو ۔ بیلو اسے جھنجھوڑ رہی تھی ــــ

مگر ساون نے جواب نہ دیا اور وہ حیران نظروں سے اسے
دیکھتی رہی — پھر اسے نہ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ ساون پاگل
ہو گیا —

تیزی سے وہ جھکی اور اس نے اپنا بچہ اٹھا کر سینے سے چمٹا لیا
جلدی جلدی کشتیاں چلا کر سارے ہی ماہی گیر ساون کی کشتی کے اردگرد
جمع ہو گئے — اور حیرانی سے اس ہار کو دیکھنے لگے — بابا
شیرو بھی آ گیا —

وہ کود کر ساون کی کشتی میں آیا اور اس نے ہار کو ساون کے
ہاتھ سے چھین لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا - اور اس کی آنکھیں
پھٹی کی پھٹی رہ گئیں — ساون نے انتظار نہ کیا — اس نے
فوراً بابا شیرو سے وہ ہار جھپٹ لیا اور اسے مٹھی میں چھپانے لگا

شیرو سے ساون ہی نے کہا

" بابا شیرو — یہ وہی ہار ہے۔ جس کا ذکر تم کیا کرتے ہو —!

" ہاں —

آہستہ سے وہ بولا —

شاید وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اتنا قیمتی ہار اسے کیوں نہ ملا

ایک نوجوان نے چلا کر پوچھا —

" شیرو چاچا کیا ہے یہ —؟"

" ہیروں کا ہار —"

وہ بولا —

مگر بستی والوں کو ہیروں سے دلچسپی نہ تھی اور نہ ہی اس
کی قدر و قیمت معلوم تھی — انہوں نے کندھے اچکے — بابا
شیرو نے کشتی میں کھڑے ہو کر سبھی سے خطاب کیا۔ یوں جیسے یہ
سمندری جلسہ ہو وہ بولا —

" مدتیں گزر گئیں — یہ اس دور کا ذکر ہے جب میں بچہ
تھا — میری عمر دس سال یا بارہ سال ہو گی — مجھے آج بھی
سارا واقعہ یاد ہے — شہر سے کشتیوں میں یہاں سیر کرنے
کچھ لوگ آئے تھے — ان دنوں انجن والی کشتیاں موجود نہ
تھیں — اور شہر سے مچھلیاں پکڑنے جو لوگ آئے وہ کسی ریاست
کے نواب تھے — ریاست کے مالک اور بادشاہ —

ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں — اور بچے بھی —
ان میں سے ایک ملکہ تھی — اسی جگہ جہاں سے ساون کو
ہار ملا ہے — ملکہ کے گلے کا ہار گر گیا تھا —

مجھے یاد ہے۔ انہوں نے کہا تھا — وہ ہیروں کا ہار ہے
اور اتنا قیمتی کہ بہت ہی زیادہ —

جزیرے پر کیمپ سا بن گیا تھا — شہر سے بے شمار لوگ
آئے تھے اور وہ دس پندرہ دن سمندر سے وہ ہار تلاش کرتے
رہے تھے مگر ہار نہ ملا تھا — انہوں نے کہا تھا کہ اب وہ

مایوس ہو گئے ہیں۔ ہار نہیں ملے گا — اگر کسی کو مل جائے وہ اسے چھپائے نہیں — ہار جس کو ملے اس کی ملکیت تصور کیا جائے گا۔ اور وہ چاہے تو مالکان کے ہاتھ فروخت کر دے مگر میں جوان ہوا — اور پھر بوڑھا ہو گیا۔ مگر یہ ہار کبھی نہ ملا — ہم لوگ اسے بھول سے گئے تھے —

”بابا کتنے کا ہو گا یہ ہار؟“

اسی نوجوان نے پوچھا —

”کتنے کا — کتنے کا؟“

بوکھلا کر وہ بولا —

”ان لوگوں نے بتایا تھا کہ ہار اتنا قیمتی ہے اور اس کے ہیرے اتنے نایاب ہیں کہ ان کی مالیت سے اس جزیرے جیسے دس جزیرے خریدے جا سکتے ہیں —“

”دس جزیرے —“

سبھی کے منہ سے نکلا —

”ہاں —“

شیرو بابا نے جواب دیا —

اور سبھی یوں ساون کو گھورنے لگے۔ جیسے وہ دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان ہو —

ساون نے تیزی سے کشتی ساحل کی جانب ڈال دی۔

— اور باقی ملاح بھی اس کے ساتھ واپس آ گئے —

اس دن گویا چھٹی ہو گئی تھی —

”بیلو بے حد خوش تھی — خوشی سے اس کے منہ سے الفاظ نہ نکل رہے تھے —“

بیگم سیٹھ نصیر نے خاوند سے کہا۔
"مجھے یہ بات بہت بری لگی ہے کہ ہماری بیٹی ایک غیر مہذب اور جنگلی نوجوان کو شہر کی سیر کرانے جائے۔ اور خود اس کا سا
اس سے پہلے کہ سیٹھ صاحب کچھ کہتے سنتا نے کہا۔
"امی ـــ وہ اجڈ۔ جنگلی اور غیر مہذب پہلے ہوگا۔ اب چند دنوں میں اس نے ہماری باتوں کو اس قدر اپنا لیا ہے سمجھتی ہوں کہ اگر اسے تربیت دی جائے تو وہ بہترین شہری ہے۔ اور تہذیب کے تمام سبق دنوں میں سیکھ سکتا ہے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔"
بیگم تلخی سے بولیں۔
"ایک جنگلی ہمیشہ جنگلی ہی رہتا ہے۔ ورنہ تم تو ناول نویس اور افسانہ نگار رہو۔ تم تو صرف ان ہی کی سوچتی ہو ـــ اس سلسلے میں سراسر تمہارے باپ کا قصور ہے۔ جس نے تمہیں ایسے فضول کاموں کی اجازت دے رکھی ہے۔ کہ ناول اور افسانوں کی طرح سوچ کر اپنا ذہن خراب کرو ـــ
تم تو پگلی ہو ـــ"
"ابو ـــ"
پیار سے وہ باپ سے بولی۔
"دیکھئے نا۔ ممی خواہ مخواہ ہمیں برا کہہ رہی ہیں ـــ"
باپ مسکرایا اور اس نے کہا۔
"بیٹی میں نے تمہارے مشاغل میں کبھی دخل نہیں دیا ـــ اور تمہاری ہر خواہش کو تسلیم کیا ہے ـــ مگر مجھے تمہارے اس خیال سے اتفاق نہیں کہ یہ نوجوان جس نے ایک غیر مہذب اور شہر سے دور جزیرے میں جنم لیا اور پرورش پائی ہم جیسا مہذب انسان بن جائے گا ـــ میرے خیال میں یہ خصوصیات پیدائشی ہوتی ہیں۔ جو بالغ ہونے کے بعد راسخ ہو جاتی ہیں کہ انسان انہیں بدلنا بھی چاہے تو نہیں بدل سکتا ـــ یہی تو

وجوہات ہیں کہ انسان کو پہچاننے کے لئے اس کی گفتگو اور عادات
کا مطالعہ اولیت رکھتا ہے۔"
"ابو آپ بزرگ بھی ہیں اور تجربہ کار بھی۔"
رخسانہ نے مسکرا کر باپ سے کہا۔
"مگر میں آپ سے اس مسئلے پر اختلاف رکھتی ہوں۔"
"ہاں ہاں بیٹے۔ تمہیں اس کا پورا حق ہے۔"
جلدی سے باپ نے جواب دیا۔
"اور میرا خیال ہے کہ میں اس نوجوان کو چند ہی روز
مہذب اور شہری بنا دوں گی۔
اور ابو۔ یوں بھی یہ میرے ناول کا ایک جز ہے۔
جو ناول اس نوجوان پر ۔۔۔ اس دور دراز جزیرے پر
وہاں کی اصلی تہذیب پر لکھ رہی ہوں وہ میرا شاہکار
ہوگا ۔۔۔ جب یہ ناول چھپے گا ابو تو ہمارا معاشرہ ہل جا
گا۔ اس کی ہر سطر اور ہر باب میں بے گناہ انسانوں کے خو
پسینے کی بو ہوگی ۔۔۔ اور دکھی لوگوں کی سسکیاں سنائی د
گی۔ ایک مدت تک لوگ اسے یاد رکھیں گے ۔۔۔
اور ابو اگر میں اس نوجوان کو شہری آداب سکھا دوں
اور اس میں کامیاب ہونے کے بعد میں اس کا بھی ایک با
اضافہ کروں تو ناول میں سچائی ہی سچائی ہوگی ۔۔۔

قارئین کی دلچسپی کے علاوہ ایک زبردست نفسیاتی ناول بن
جائے گا۔
یہ میری بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ آپ کی شہرت ہوگی
ابو۔ اور۔ اور۔"
وہ خیالوں میں کھو گئی اور آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگی۔
۔۔۔ سیٹھ صاحب نے کہا۔
"تم کیا چاہتی ہو۔؟"
"بس ذرا سی بات ابو۔"
وہ سیدھے ہاتھ کی دو انگلیوں سے ذرا سا نشان بنا کر بولی۔
"میں اس نوجوان کو شہری آداب سکھا دوں گی۔ جب تک
میرا ناول مکمل ہوگا۔ یہ نوجوان ایک مہذب شہری بن جائے گا۔
پھر اس کی سونیا کا پیار بھی معلوم ہو جائے گا ۔۔۔ اور انسانی
ذہن کے دو ادوار کا تجزیہ بھی ہوگا ۔۔۔ اور جب میرا ناول مکمل
ہو جائے گا میرا کام بھی ختم ہو جائے گا۔ پھر میں آپ کا ملازم آپ
کے حوالے کر دوں گی۔"
سیٹھ صاحب سمجھدار باپ تھے ۔۔۔ مسکرا کر وہ بولے۔
"ٹھیک ہے ۔۔۔ میں اس کی اجازت دیتا ہوں۔ چلو تجربہ
ہی سہی ۔۔۔ مگر اس بات کو نظرانداز نہ کر دینا کہ تم خاندان کی
عزت ہو ۔۔۔ اور اپنی عزت کے لئے انسان ہر قربانی دیتا ہے۔

—— تجربے تجربے میں کوئی ایسا اقدام نہ کر بیٹھنا جو ہمیں بھی
لے ڈوبے ——"

"ابو —— آپ کا اعتماد بحال رہے گا ——"

وہ بولی ——

"آپ کو کیا ہو گیا ہے ——؟"

بیگم بولیں ——

"آپ کیوں رخسانہ کو ایسی اجازت دے رہے ہیں —— میں
دوبارہ اسے اس جنگلی نوجوان کے ساتھ نہ جانے دوں گی ——
یہ ہماری بیٹی ہے۔ کوئی عام سی لڑکی نہیں ——"

ہاتھ کے اشارے سے انہوں نے بیگم کو روک دیا —— اور
بولے ——

"اولاد کے معاملے میں سخت گیری کی پالیسی نقصان دہ
ہوتی ہے —— رخسانہ کو یہ تجربہ کر ہی لینے دو ——"

"شکریہ ابو ——"

وہ خوشی سے ابو سے لپٹ گئی ——

اور باپ مسکراتا رہا ——

وہ سیدھی باورچی خانے میں گئی —— انور وہاں کام کر رہا تھا
—— اس نے انور سے کہا ——

"انور ——"

"جی بی بی جی ——"

وہ بوکھلا کر بولا ——

"ادھر آؤ —— میرے ساتھ ——"

وہ بولی ——

حیرانی سے اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جوٹھے برتن
ادھر رکھ دیئے اور رخسانہ کے ساتھ چل دیا —— رخسانہ اسے
اپنے کمرے میں لائی —— اور کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا ——
پہلے تو وہ جھجکا مگر پھر وہ دونوں پاؤں رکھ کر کرسی پر بیٹھ
گیا —— مسکرا کر وہ بولی ——

"کرسی پر بیٹھنا تو سیکھو —— جس طرح میں بیٹھی ہوں ایسے
بیٹھو ——"

اس نے نظر پھیر کر رخسانہ کو دیکھا —— اور پھر اسی کی طرح وہ
کرسی پر بیٹھ گیا ——

اچانک وہ بولی ——

"کل سے تم گھر کے کام نہ کرو گے ——"

"جی —— تو میں کہاں جاؤں گا ——؟"

وہ عاجزی سے بولا ——

"انور ——"

اس نے آہستہ سے کہا ——

"تم ملازم نہیں ہو — اس گھر کے فرد ہو۔ میں تمہارے لیے ساتھ والا کمرہ صاف کروائے دیتی ہوں۔ وہاں تمہاری ضرورت کی ساری اشیا مہیا کر دی جائیں گی۔ تم ساتھ والے کمرے میں رہو گے — اور ہاں آئندہ تم اس گھر میں گھر والوں کی طرح رہو گے — تم وہی کچھ کرو گے جو دوسرے کرتے ہیں — اگر کسی چیز کی ضرورت ہو گی۔ تو ملازم سے کہہ کر منگوا لو گے — سمجھے —"

"مگر کیوں بی بی جی —؟"

وہ حیرانی سے بولا —

"اور ہاں — مجھے بھی آئندہ تم بی بی جی نہیں کہو گے — رخسانہ کہو گے — یا رخسانہ صاحبہ سمجھے گے —"

وہ گویا حکم دے رہی تھی —

انور کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا — اس نے کہا —

"جی بہتر — بی بی جی —"

اور پھر ایکدم سے اسے حکم یاد آیا — وہ بولا —

"رخسانہ — صا — صاحبہ"

کھلکھلا کر وہ ہنس دی — اور بولی —

"میں تمہیں شام کو بازار سے لباس لا دوں گی — تم اپنا یہ لباس پھینک دو گے —

"مگر میں شہریوں جیسا لباس نہیں پہنوں گا —"

وہ بولا —

"انور —"

سختی سے رخسانہ نے کہا —

"میں جو کہوں گی وہ ہو گا — تمہیں ان شہریوں جیسے اطوار اپنانے ہوں گے — تاکہ اس لباس میں لوگ تم سے نفرت نہ کریں — اور ہاں میں تمہیں شہر کے اعلیٰ ہوٹلوں اور کلبوں میں لے جاؤں گی — پھر تم دیکھنا زندگی کتنی شاندار اور رنگین ہے —"

وہ چپ چاپ سوچتا رہا — اچانک وہ بولی —

"آؤ میرے ساتھ میں تمہیں تمہارے کمرے میں چھوڑ آؤں —"

وہ رخسانہ کے ساتھ ہو لیا — اور رخسانہ اسے ساتھ والے سجے سجائے کمرے میں لے آئی —

یہ کمرہ اس خوبصورت جنت کے اس روایتی محل سے کیا کم ہو گا جس کا نقشہ اس نے مولوی صاحب سے سنا تھا —

خوشنما قالین — جگمگاتی روشنیاں — قد آدم آئینہ — آرام دہ بستر — خوبصورت صوفے — اور سبھی کچھ جس کی انسان کو روزمرہ زندگی میں ضرورت ہوتی ہے — یہ مہمان خانہ تھا — مگر اب یہ کمرہ اسے دے دیا گیا تھا — وہ بولی "اب تمہیں یہیں رہنا ہے۔"

"جی — وہ بیگم صاحب اور —"

"ہاں ہاں ——— انہیں اعتراض نہیں ہوگا ——— یہ سب ان کی مرضی کے مطابق ہی ہوا ہے، انہوں نے اجازت دے دی ہے"۔

رخسانہ نے اس کی بات سمجھ لی ——
اور پھر وہ تیزی سے باہر نکل گئی ——— تاکہ بڑی بہن ریحانہ سے اس موضوع پر بات کر لے ——— وہ اپنے تمام مسائل کے بارے میں بڑی بہن سے مشورہ ضرور لیا کرتی تھی ———

اور انو ———
وہ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑا اپنا عکس دیکھ رہا تھا ———

اس نے اپنا عکس دیکھا ——
میلا کچیلا ——— اور دیہاتی سا ——— مگر خوبصورت نوجوان ——
اس نے ذہن ہی ذہن میں اپنا موازنہ دوسرے لوگوں سے کیا ——— اور پھر کھلکھلا کر ہنس دیا اور خود سے بولا ——
"تم ——— تم اس کمرے میں رہو گے ——— ہا ہا ہا ——— کیسا سنگین مذاق ہے ———
مگر تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے"
اچانک وہ مڑا اور اس نے دیکھا ——
دروازے میں سیٹھ نصیر اور بیگم صاحبہ کھڑے اسے حیرانی سے دیکھ رہے تھے ——— جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو ——— اور خود کو آئینے میں اپنے عکس سے باتیں کر رہا ہو ——

وہ یوں بستی میں داخل ہوا جیسے وہ ہیرو ہو ——
سارے ہی ماہی گیر اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے ——— اور وہ آگے تھا —— اس کے ساتھ ساتھ بیلو بچے کو سنبھالے چل رہی تھی ——
وہ سامان بھی کشتی سے واپس نہ لایا تھا —— قیمتی ہار اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا ——— اور اس کی چال میں کچھ ایسی اکڑ تھی۔ جیسے مور رقص پھیلا کر خوشی سے جھومتا ہو ———
ہر شخص اپنی اپنی باتیں سوچ رہا تھا ———
وہ سیدھے اپنی جھونپڑی میں آ گئے ——— اور ساون باہر بیٹھ گیا۔

لوگ ادھر گرد جمع تھے —

اس نے ہار سبھی کو دکھایا —

خوبصورت — روشن اور قیمتی ہیرے دیکھ کر سبھی اس
پر رشک کرنے لگے۔ ہر شخص سوچ رہا تھا —

"کاش یہ ہار مجھے مل جاتا —"

جزیرے کے مالکان کو اطلاع مل گئی تھی — پل بھر میں وہ سبھی
مسجد میں جمع تھے — ان لوگوں نے مسجد کے صحن کو اپنے اجلاس
کے لئے بھی مخصوص کر رکھا تھا —

ڈاکٹر نے کہا —

"ساون کو خوبصورت اور قیمتی ہار مل گیا ہے — وہ جسے ہم مدت
سے سنتے آئے تھے۔ اب وہ بہت امیر ہو جائے گا —"

"ہاں —"

مولوی نے سوچ میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں کہا —

"ہمیں اس سے وہ ہار اونے پونے خریدنا ہوگا —"

ٹھیکیدار نے کہا —

"مگر وہ کس کی ملکیت تصور ہوگا —"

جاگیردار نے اپنا دعوے دائر کر دیا —

"وہ مشترکہ مال ہوگا — اس کی آمدن ہم سب بانٹ لیں گے"

ٹھیکیدار نے جواب دیا —

"ٹھیک ہے — مگر کیا وہ یہ ہار فروخت کر دے گا"

دوکاندار بولا —

"ہاں کیوں نہیں — وہ اسے ہمارے پاس فروخت کرنے
پر مجبور ہے — ہم اسے شہر تو جانے نہ دیں گے — یہاں ہم اسے
جو بھی دیں گے۔ وہ اتنے میں ہار بیچ دے گا"

"اسے بھی تو مفت میں ملا ہے —"

ٹھیکیدار بولا —

"ہاں یہ ٹھیک ہے —" مولوی نے کہا —

"جب وہ ہار بیچنے آئے تو تم سودا کر لو گے —"

ڈاکٹر نے مشورہ دیا —

"ہم سب کریں گے — تم اکیلے نہیں —"

جاگیردار بولا —

اور بات تلخی میں آتے آتے رہ گئی — اچانک مولوی نے کہا۔

"اب ہمیں اس کی دلجوئی کرنی ہوگی — تاکہ ہمارا اعتماد اس پر
بحال ہو اور یوں بھی وہ صاف دل ہے — ہمیں اس کے پاس
ایک ایک کر کے جانا چاہیئے —"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے —"

سبھی نے تصدیق کی —

اور یہ مجلس برخاست ہوگئی —

اور اپنی جھونپڑی کے سامنے بیٹھا ساون بڑے فخر سے ہار دیکھ
رہا تھا —— جزیرے والے ارد گرد بیٹھے تھے —— بابا شیرو
نے کہا —
"اب تم اس ہار کا کیا کرو گے ——؟"
"میں اسے بیچ دوں گا ——"
وہ آہستہ سے بولا —
"اور اس سے جو رقم ملے گی اس سے میں اپنا گھر بناؤں گا،
تمہارے گھر بنواؤں گا —— ہم خوراک خریدیں گے —— اچھے کپڑے
خریدیں گے۔ جیسے جاگیردار پہنتا ہے ——
اور میرا بچہ پڑھے گا۔ تعلیم حاصل کرے گا —— یہ موٹی موٹی
کتابیں پڑھے گا —— اور ہم سب کو پڑھ کر سنایا کرے گا۔ پھر ہمیں
پتہ چلے گا کہ ان میں کیا لکھا ہوا ہے۔ ہم آرام اور سکون سے زندگی
گزاریں گے ——"
"اور —— اور ——"
بابا شیرو کا گویا سانس پھول رہا تھا ——
"اور ——"
سوچتے ہوئے ساون نے کہا —
"ہم انجن والی کشتیاں خرید لیں گے —— اور میرا بچہ
جزیرے میں آجائے گا —— میں اسے بہت سے پیسے دوں

وہ بھی انجن والی کشتی خریدے گا —— اور سونیا میری کمائی بیٹھ
گی ——"
سونیا وہاں سے بھاگ گئی —— اتنے لوگوں کے سامنے
اپنی شادی کے ذکر سے اسے شرم آگئی تھی —— اور اب تو
سارا مسئلہ حل ہو گیا تھا ——
اچانک ایک نوجوان نے کہا ——
"مگر وہ ہار کی پوری قیمت نہ دیں گے ——"
ساون نے زور سے زمین پر مکا مارا اور بولا —
"یہ سب کا مشترکہ مفاد ہے۔ اگر انہوں نے تمہیں پوری قیمت
نہ دی یا ہار چھیننے کی کوشش کی تو ہم سب انہیں تباہ کر دیں گے
"بے شک —— بے شک ——"
سبھی نوجوان یوں جوش میں آگئے۔ جیسے یہ ہار ان کا مشترکہ
مفاد ہو ——
"میں یہ ہار شہر لے جا کر فروخت کروں گا ——"
وہ آہستہ سے بولا ——
سبھی باتیں کرتے رہے اور سوچتے رہے —— مگر بیلو خاموش
تھی —— اچانک وہ بیلو سے بولا —
"تم چپ چپ کیوں ہو ——؟"
"بس تاج ——"

وہ بولی۔

"میں سوچتی ہوں کہ ہار کہیں ہم سب پر کوئی مصیبت نہ لے آئے — میرا دل کہتا ہے۔ کہ یہ ہار منحوس ہے —"

قہقہہ لگا کر وہ ہنسا اور بولا —

"تم بھی عجیب ہو — ایسی باتیں مت سوچو — یہ ہار ہم سب کی قسمت بدل دے گا —"

اور دوسرے لوگوں نے یوں گردنیں ہلائیں۔ جیسے انہیں ساون کی بات سے پورا اتفاق ہو —

رخسانہ نے ابھی اسے جگایا۔

"اٹھو چائے پیو —"

اس نے ابھی منہ ہاتھ بھی نہ دھویا تھا — سعادت مندی سے وہ بولا۔

"میں منہ ہاتھ دھو لوں —"

"نہیں — یہ بیڈ ٹی ہے — یہ ہاتھ منہ دھوئے بغیر پی جائے گی — شہروں میں ایسا ہی ہوتا ہے —"

وہ مسکرا کر بولی —

شہر کے اس عجیب رواج پر وہ حیرانی سے مسکرایا اور پھر اس نے چائے کی پیالی رخسانہ سے لے لی اور پینے لگا — وہ کچھ عجیب عجیب سا لگ رہا تھا — اور اسے اس پابندی اور رکھ رکھاؤ سے کوفت ہو رہی تھی — رخسانہ نے کہا۔

"ان عادات کو اپنا لو — بہت جلد تمہیں ان میں مزا آئے گا"

مگر وہ چپ رہا — اچانک وہ بولی —

"اب چلو میرے ساتھ —"

"مگر کہاں —؟" وہ حیرانی سے بولا —

"میں تمہیں شہزادوں جیسا لباس لے دوں —"

وہ بولی —

تیزی سے وہ اٹھا — اور جب وہ انور کو کار میں لے کر جا رہی تھی تو اس نے دیکھا کوٹھی کے برآمدے میں ریحانہ — ابو اور امی بیٹھے اسے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے —

ریحانہ نے کہا —

"ابو ناول نویسی کا شوق بھی رخسانہ کو عجیب انداز کا ہے یہ بڑی ہٹ کی پکی ہے — ناول کا باب مکمل کرنے کے لئے وہ انور کو انسان بنا دے گی —"

اور بیگم صاحبہ نے یوں گردن کو جھٹکا دیا۔ جیسے اسے گھر کے باقی افراد سے قطعی اتفاق نہ ہو —

رخسانہ جب انور کو لے کر ریڈی میڈ کپڑوں کی دوکان پر پہنچی تو دوکان دار حیران رہ گیا —

سیٹھ صاحب کی لڑکی اور ایک جنگلی نوجوان کے ساتھ — جو میلے کچیلے لباس میں تھا — اور جس کے ساتھ اس کا چلنا بھی اس کی توہین تھی — مگر اس نے روایتی دوکان دار کی طرح اس نے دونوں کو خوش آمدید کہا —

رخسانہ نے کہا —

"اس نوجوان کو اس کے ناپ کے چھ سوٹ دے دو"

"جی —"

دوکان دار نے یوں پوچھا جیسے اسے رخسانہ کی بات پر اعتبار نہ آیا ہو —

"میں کہہ رہی ہوں کہ اس نوجوان کو اچھے سے اچھے سوٹ دے دو — یہ ابو نے کہا ہے —"

رخسانہ نے وضاحت کی —

"جی بہتر —"

وہ حیرانی سے بولا —

پھر وہ ناپ لینے لگا —

اور اس کے بعد اس نے بہت سے نئے نئے ڈیزائن کے سوٹ ان کو دکھائے — ان میں سے انور اور رخسانہ نے چھ سوٹ

پسند کیئے ___ اور جب دوکاندار چیک کر چکا تو وہ بولی ـ

"بل ابو کو بھیج دینا ـ"

"جی بہتر سرکار ـ"

ادب سے دوکاندار نے کہا ـ

اور وہ انور اور سوٹوں کو لے کر دوکان سے باہر نکلی ـ

جوتوں کی دوکانوں سے اس نے انور کے لئے کئی جوڑے بوٹ خریدے ___ پھر شیونگ کا سامان ___ اور دیگر مردانہ ضروریات کی چیزیں خرید کر وہ بولی ـ

"اب تمہارا سامان مکمل ہے ـ"

وہ سیدھے بنگلے میں واپس آئے ___ اور جب بنگلے پر انور کار سے سامان اٹھانے لگا ـ تو وہ سختی سے بولی ـ

"یہ تمہارا کام نہیں ـ"

ڈر کر وہ پیچھے ہٹ گیا ___ اسے کمرے میں پہنچا دو ـ"

حیرانی سے اس نے سامان اٹھایا اور رخسانہ کے ساتھ لے چلا ـ کمرے میں پہنچ کر وہ انور کے مقابل بیٹھ گئی اور انگریزی رسالہ میں سے اسے سمارٹ اور خوش پوش مردوں کی تصاویر دکھانے لگی ___ اس نے کہا ___

"اب تم بھی ایسے لگو گے ___ اور یونہی لباس پہنو گے ـ"

مگر اس نے محسوس کیا کہ انور اداس اداس سا ہے ___ اس

نے کہا ـ

"رخسانہ بی بی ___ میں غریب ___ ان پڑھ ___ اور دیہاتی نوجوان ہوں ___ میں ان چیزوں کے قابل نہیں ہوں ___ آپ اس طرح غریب نوجوان کی عادات خراب کر دیں گی ___ خدا کے لئے مجھے وہی پہننے دیں ___ جو انور تھا ___ اور جیسے سونیا سے پیار ہے ___ شائد میری سونیا مجھے اس لباس میں پہچان بھی نہ سکے کہیں یہ لباس مجھے سونیا سے جدا نہ کر دے ـ"

وہ کھلکھلا کر ہنس دی ___ اور بات کو نظر انداز کر کے بولی ـ

"میں ساتھ والے کمرے میں جاتی ہوں ___ تم لباس تبدیل کر دو ـ"

اور وہ اٹھ کر چلی گئی ___

قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنا جائزہ لیا ـ اور پھر لباس بدلنے لگا ـ کیونکہ یہ مالکان کا حکم تھا ___ اسے معلوم تھا کہ وہ کسی ناول کا ایسا کردار بن رہا ہے ـ جس کا تجربہ اس کے مالک کی بیٹی کر رہی ہے ___ اس نے لباس بدلا اور پھر جب اس نے دوبارہ اپنا جائزہ آئینے میں لیا ___ تو وہ بدلا ہوا تھا ___

شہری ___ اپ ٹو ڈیٹ ___ سمارٹ اور خوش پوش نوجوان ـ

اس نے آہستہ سے کہا ـ

"سونیا ___ مجھے پہچان لینا ___ میں اس لباس میں بھی تمہارا انور ہی ہوں گا ___ میرا لباس بدل گیا تو کیا ہوا ___ میرا دل تو وہی ہے جس کی سر

دھڑکن ہر دم تمہارا نام لیتی ہے سونیا —

سونیا — میں تمہیں اپناؤں گا — چاہے میرا لباس کچھ ہی کیوں نہ

ہو لباس روحوں کا لبادہ تو نہیں ہو سکتے۔"

اور پھر اسے دروازے پر دستک کا احساس ہوا — یہ رخسانہ تھی

وہ پوچھ رہی تھی —

"انور تم لباس بدل چکے —"

"جی —"

آہستہ سے وہ بولا —

دروازہ کھول کر وہ اندر آ گئی — اور بولی —

"اوہ یو آر سو سمارٹ — سو بیوٹی فل — سو لولی"

مگر وہ ان الفاظ کا مطلب نہ جان سکا۔ اتنا اندازہ ضرور کر لیا

یہ الفاظ اس کی تعریف تھے —

رخسانہ نے کہا —

"آؤ میں تمہیں ٹائی باندھ دوں —"

وہ اسے دوبارہ آئینے کے سامنے لے گئی اور اس کے گلے میں

باندھنے لگی — جب وہ ٹائی باندھ چکی تو انور نے کہا —

"اس طرح سے تو میرا گلا گھٹ رہا ہے —"

"پرواہ مت کرو۔ جلد عادی ہو جاؤ گے —"

وہ بولی —

اور جب وہ سوٹ ٹائی اور ہاتھ میں وہ گھڑی باندھے جیسے وہ وقت دیکھنے کے لئے استعمال نہ کر سکتا تھا — باہر نکلا تو رخسانہ — امی اور ابو دیکھ کر خوش ہوئے انہوں نے کہا۔

"رخسانہ بیٹی تم نے تو اسے ایک دم شہری بنا دیا —"

"جی ابو —"

خوشی سے وہ بولی —

پھر اچانک اس نے کہا —

"ابو کیا آپ اس کے ساتھ بیٹھ کر چائے کی ایک پیالی پینا پسند کریں گے — پاپا"

"رخسانہ —"

غصے میں وہ چلائے —

"تم ناول کا باب مکمل کرتے کرتے یہ بھول گئی ہو کہ ہمارا رتبہ کیا ہے — اور تمہیں کیا بات نہیں کہنی چاہیئے — تم اپنے الفاظ واپس لو — یہ نوجوان ہمارے ساتھ چائے نہیں پیئے گا —"

"مگر کیوں ابو —؟"

وہ پیار سے بولی —

"اس لئے کہ تمہارا باپ، کسی ناول کا کردار بننا پسند نہیں کرتا —"

سیٹھ صاحب نے کہا —

"آئی ایم سوری ابو —"

وہ شرمندگی سے بولی ۔

اور اس نے پلٹ کر دیکھا

انور اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا ۔۔۔ اور اس کے پیچھے گئی ۔

"کیا بات ہے ۔۔؟"

وہ آہستہ سے بولی ۔

"رخسانہ بی بی ۔۔۔ میں اس لباس کے قابل نہیں ہوں ۔ صرف لباس انسانوں کو مجھ سے محبت کرنا نہیں سکھا سکتا ۔۔۔ مجھے یاد رہنے دو کہ میں کیا ہوں ۔ یہاں کیوں آیا ہوں ۔۔۔ اور یہ بھی کہ وہ کون ہے جو دور ایک ستم رسیدہ جزیرے پہ میرا انتظار کر رہی ہے ۔"

وہ رندھی آواز میں بولا ۔

رخسانہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی ۔

"گھبراؤ نہیں ۔ سب درست ہو جائے گا ۔۔۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو گا ۔ مگر تم ہمت ہار گئے تو سب کام بگڑ جائے گا ۔"

وہ کچھ نہ بولا ۔

اس کے خیالات جزیرے میں ایک سنگین چٹان پہ بیٹھی ایک بوسیدہ لباس والی خوبصورت مقامی لڑکی کا طواف کر رہا تھا ۔ جس کا نام سونیا تھا ۔

رخسانہ نے کہا ۔

"آؤ ہم ہوٹل میں چائے پیئیں گے ۔۔۔ میں تمہیں ہوٹل بھی دکھلاؤں گی ۔ اور کلب بھی ۔۔۔ آؤ ۔ چلو ۔۔"

اور وہ اسے ساتھ لے کر چل دی ۔

۵

ساون اپنے حسین شیش محل بنا رہا تھا ــــ

اچانک بستی والے چونک اٹھے ــــ

مولوی صاحب آرہے تھے ــ ان کا رخ ساون کا گھر تھا۔

جونہی ساون کے گھر کے سامنے پہنچے جہاں بستی کے بہت سے لوگ جمع تھے ــ سبھی ادب سے کھڑے ہوگئے ــــ اور ببلو اپنے بچے کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ جیسے مولوی صاحب اس سے اس کا بچہ چھین لیں گے ــــ

"ساون ــــ بستی کے مالکان نے تمہیں کام دینے سے انکار کر

دیا ہے ــــ اس کا مجھے افسوس ہے ــــ دراصل مالکان کے حکم سے نافرمانی بھی خدا کے نزدیک گناہ ہے۔ تم جانتے ہو میرا کام تو مسجد تک ہے۔ مگر میں تمہاری سفارش ضرور کروں گا ــ میں یہاں تمہیں صبر کی تلقین کرنے آیا تھا ــــ کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ــــ اور یوں بھی تمہارا بچہ بیمار ہے ــــ یہ میرا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ اس کی مزاج پرسی کروں اب کیا حال ہے"

"اب ٹھیک ہے ــ؟ پہلے سے آرام ہے ــ"

ساون نے روکھے انداز میں جواب دیا ــــ

"لاؤ میں اسے دم کردوں ــ"

وہ بولا۔

اس کو مولوی صاحب کا پہلے والا رویہ یاد آگیا۔ جب انہوں نے اسے ٹھکرا دیا تھا ــ اور مسجد سے نکال دیا تھا ــــ وہ بولا ــ

بچہ خود درست ہو جائے گا"

مگر مولوی صاحب نے اسے نظر انداز کر دیا ــ اور گویا ببلو سے بچہ چھین لیا ــــ اور مقدس آیات پڑھ پڑھ اس پر پھونکیں مارنے لگے ــــ

سارے لوگوں نے مولوی صاحب کی نرم دلی کی تعریف کی اور انہیں خدا رسیدہ بزرگ قرار دیا۔ ساون نے بھی سوچا ــ

"مولوی صاحب نے مجھ سے پہلے اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس

وقت ان کا مزاج درست نہ ہوگا - اب جبکہ انہیں اس بات کا
احساس ہوا وہ خود چلے آئے ۔"

مولوی صاحب نے بچے کے منہ پر بوسہ دیا - یوں جیسے انہوں
نے یہ کڑوی دوا پی ہو اور بولے -

"مگر تم سب یہاں کیوں جمع ہو ۔؟"

سب جانتے ہوتے انہوں نے انجان بن کر پوچھا تھا ۔

شیرو بابا نے کہا ۔

"مولوی جی ۔ ساون کو ایک ایسا ہار ملا ہے - جو بہت قیمتی
ہے ۔"

"کیا اسے کوئی ہار ملا ہے ۔ مجھے دکھاؤ ۔؟"

وہ بولے ۔

دور سے ساون نے ہار دکھایا جیسے مولوی صاحب اسے
لے کر بھاگ جائیں گے ۔ انہوں نے گویا لاتعلقی سے پوچھا

"کیا تم اسے بیچ دو گے ۔؟"

"ہاں ۔"

بیلو نے اس بار کہا ۔

"ٹھیک ہے ۔ ٹھیک ہے ۔"

وہ بولے ۔

"یہ تمہیں خدا کی طرف سے انعام ملا ہے ۔ اور جب تمہارا

ہار بک جائے تو تم خدا کے گھر کی خدمت کرنا نہ بھولنا ۔ ورنہ
خدا ناراض ہوگا ۔"

اور مولوی صاحب چلے گئے ۔

ابھی وہ مولوی صاحب کے اس مثالی رویئے پر تذکرہ ہی
کر رہے تھے کہ اچانک ڈاکٹر صاحب آ گئے ۔ ان کے پیچھے
ان کا مقامی کمپاؤنڈر تھا ۔

انہوں نے آتے ہی کہا ۔

"ساون ۔ تم میرے گذر بچے کو لے کر گئے تھے ۔ اگر میں گھر
پر نہ تھا - ابھی ابھی مجھے ملازم نے بتایا ہے - اور میں نے سوچا
میرے نہ جانے سے کہیں بچے کی طبیعت خراب نہ ہو جائے ۔
لہٰذا میں چلا آیا ۔ کہاں ہے بچہ ۔؟"

مگر ساون سامنے آ گیا اور بولا ۔

اب بچے کو علاج کی ضرورت نہیں ۔
شکریہ تخفک دو ۔"

ڈاکٹر صاحب نے تلخ مسکراہٹ سے کہا ۔

اور انہوں نے بچہ بیلو سے لے لیا ۔ اسے اچھی طرح دیکھا ۔
اور پھر اسے ایک دوا پلائی ۔ اور ٹیکہ لگا دیا ۔ اور شیشی
میں سرخ دوا دے کر بولے ۔

"دو دو گھنٹے بعد یہ دوا دیتے رہو ۔"

غریب کا دل سادہ اور صاف ہوتا ہے ۔ ساون اور بستی
والوں کا اس ایثار پہ دل پسیج گیا ۔ اور انہوں نے شکر مندانہ
نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھا ۔۔۔ اپنا دواؤں کا ڈبہ لے کر جب ڈاکٹر واپس
جانے لگا تو وہ اچانک پلٹ پڑا اور بولا ۔

"ہاں تو تم میری فیس کب ادا کرو گے ۔۔۔؟"

"جی ۔۔؟"

بوکھلا کر ساون نے کہا ۔

"جب ۔ جب میرا ہار بک جائے گا ۔"

"کون سا ہار ۔۔۔؟"

قدرے حیرانی سے ڈاکٹر نے پوچھا ۔

اپنی مٹھی میں دبایا ہوا ہار اسنے ڈاکٹر کو دکھایا ۔

ڈاکٹر کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی ۔۔۔ اور اس نے لالچی
نگاہوں سے ہار دیکھ کر کہا ۔

"جب یہ بک جائے تو میری فیس ادا کر دینا ۔ میں رات کو
بچے کو دیکھتا آؤں گا ۔ اس کی بیماری بڑی خطرناک ہے ۔۔"

فکر مندی کے آثار سے سبھی نے بچے کو دیکھا ۔

اور ڈاکٹر صاحب چلے گئے ۔۔۔

ابھی وہ ڈاکٹر صاحب کے رویے پہ گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک
دوکاندار آ گیا ۔۔۔

اس کی بغل میں ایک گٹھڑی دبی ہوئی تھی ۔۔۔

اس نے کہا ۔۔

"مبارک ہو ساون مبارک ہو ۔۔"

"کیسی مبارک ۔۔۔؟"

ساون نے کہا ۔۔

"تمہیں سنا ہے ایک ہار ملا ہے ۔ ابھی ابھی بستی کے کسی شخص
نے مجھے بتایا ہے ۔ اور تم تو جانتے ہو میں بھی تم غریبوں میں سے ایک
ہوں ۔۔۔ میں ہمیشہ تم لوگوں کو ادھار دیا ہے اور خدمت کی ہے
۔۔۔ اب جبکہ مجھے معلوم ہوا کہ تم کو کام سے جواب مل گیا ہے ۔
تو رات میں نے سوچا تھا کہ صبح کچھ ضروری چیزیں تمہیں ادھار
دے دوں گا ۔۔۔ اور میں نے یہ ضروری چیزیں باندھ کر رکھی تھیں ۔
مگر تم بہت جلد کام پہ چلے گئے ۔ اب تم آئے ہو تو تمہاری امانت لایا
ہوں ۔۔۔"

اور بغیر جواب لئے وہ گٹھڑی کھولنے لگا ۔۔۔

دوکاندار اتنا اچھا آدمی تو نہ تھا ۔۔۔ سبھی حیرانی سے اسے دیکھنے
لگے اور بہت سے لوگوں نے مصیبت میں ساون کے کام آنے
پہ اس کی تعریف بھی کی ۔۔۔ اس نے گٹھڑی کھول دی ۔۔۔
اس میں کپڑے تھے ۔۔۔ ساون ۔ بیلو اور پردیپ کے لئے
کھانے پینے کی چیزیں تھیں ۔

وہ چیزیں بھی جو صرف مالکان خریدتے تھے —
اس نے کہا — اسے رکھ لو — گا

ساون نے اسے رکھ لینے میں عافیت خیال کی اور اب تو وہ ان چیزوں کی قیمت ادا کر سکتا تھا —

اچانک، دوکاندار بولا —
"تم میرا ادھار کب واپس کرو گے —؟"
جب ہار بک جائے گا —"
"تم مجھے ہار دکھانا پسند کرو گے —؟"
وہ بولا —
ساون نے دور سے اسے ہار دکھایا۔ وہ ہار چھونے کو بڑھا تو ساون نے ہار چھپا لیا —
وہ ہنس دیا اور بولا —
"میں ٹھیکے دار سے کہوں گا کہ وہ تمہیں زیادہ پیسے دے —"
مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا —
جاتے جاتے دوکاندار بولا —
"اگر کسی ضرورت کے لئے تمہیں مجھ سے کام پڑے تو مجھے بلا لینا — اور کوئی چیز ادھار چاہیے ہو تو لے لینا — آخر تم بھی تو بھائی ہو — بیکاری میں ہم تمہارا ساتھ نہ دیں گے تو کون

دے گا —"
لوگ اس کی تعریف کرنے لگے — اور انہوں نے مولوی — ڈاکٹر اور دوکاندار کو بہت اچھے انسان قرار دیا —
اتنے میں انہوں نے دیکھا —
ہاتھ میں اپنی مخصوص چھڑی لئے جاگیردار وہاں موجود تھا — وہی چھڑی جس سے وہ مزدوروں والوں کو کام کے دوران مارا کرتا تھا —
اس نے کہا —
"ساون — تم بغیر اجازت لئے کام پر کیوں گئے — ہم نے تو صرف ایک دن کے لئے تمہارا کام بند کیا تھا — آج ہم تمہیں کام پر واپس بلانے والے تھے — اور گزشتہ دن کا معاوضہ بھی دینے والے تھے —
بہرحال میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں — اگر کوئی کام ہو تو کہہ دینا — میں بھی تمہارا بھائی ہوں —"
وہ حیران رہ گیا اور بولا —
"سرکار آپ کی ذرہ نوازی ہے —"
"تم جب چاہو میری زمینوں پر کام کر سکتے ہو — اور میں تو تمہیں زمینوں کا نگران بنانے کا سوچ رہا تھا — کیونکہ تم بہت ذہین عقلمند ہوشیار اور محنتی ہو — بہرحال تم مجھے علیحدگی میں ملنا — میں تمہارا کوئی مستقل اور آسان بندوبست کر دوں گا —

وہ بولتا رہا —

اچانک وہ جانے کے لئے مڑا — تو بولا —

"مگر تم مٹھی میں یہ کیا چھپا رہے ہو —؟"

"ساون کو ایک قیمتی ہار ملا ہے —"

بابا شیرو نے کہا —

"ہار"

اس نے یوں مصنوعی حیرانی سے پوچھا جیسے وہ اس خبر سے بے خبر ہو —

"دکھاؤ وہ کیسا ہے —؟"

ساون نے دور سے دکھایا — اور جاگیردار نے اندازا کہ وہ ہار اس کے ہاتھ میں نہیں دے گا — وہ بولا —

"خوبصورت ہار ہے — میری بیوی ایک ایسا ہی ہار لاکر دینے کو کہا کرتی ہے — اگر تم اسے فروخت کرنا چاہو تو میرے مکان پر آ —— میں تمہیں اچھی رقم دے دوں گا —

ضرور آجانا —"

اور وہ واپس چلا گیا —

صاف دل بستی والے جاگیردار کی تعریف بھی کرنے لگے —

شیرو بابا نے کہا —

"آخر وہ بھی تو انسان ہے — انسان کا دکھ نہ بانٹے؟"

اور کیا کرے گا — — ہم سب اس جزیرے میں ساتھی ہیں —

جاگیردار بھی —

اور باقی لوگوں نے یوں سر ہلا ہلا کر اس کی بات کی تائید کی جیسے بابا شیرو نے سو فی صدی سچ بات کہی ہو —

جاگیردار کو گئے۔ دس پندرہ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ ان لوگوں نے دیکھا کہ ساون کے گھر کے سامنے جوہری اپنے قیمتی بکس سمیت موجود تھا — اس نے کہا —

"ساون سنا ہے تم کام پر نہیں جا رہے ہو —"

"ہاں مجھے جواب مل گیا ہے —"

ساون نے جواب دیا —

"اوہ — یہ تو بری بات ہے —"

اس نے یوں کہا جیسے یہ بہت بڑی بات ہو اور اسے اس بات کا دلی صدمہ ہوا ہو —

اس نے کہا —

"تم نے ہمیشہ اپنے موتی میرے پاس فروخت کئے ہیں۔ اور میں تمہیں دوسروں سے زیادہ پیسے دیتا رہا ہوں — اور یہ میرا فرض ہے کہ اس بیکاری اور پریشانی کے دور میں میں تمہاری کچھ امداد کروں آخر میں نے تم سے کچھ نہ کچھ کمایا بھی تو ہے — جس سے کا اور بار اس کا خیال رکھنا ہی پڑتا ہے —"

اس نے یوں بھرپور نگاہوں سے سبھی بستی والوں کو دیکھا جیسے وہ
ان کے ردعمل کا جائزہ لینا چاہتا ہو ۔۔۔ سبھی خالی خالی نظروں سے
اسے دیکھ رہے تھے ۔۔۔ اس نے کہا ۔
" اگر تمہارے پاس کچھ موتی ہوں تو میرے پاس بیچ دو "
" میرے پاس موتی نہیں ہیں ۔۔۔ "
وہ بولا ۔
" اوہ کوئی بات نہیں ۔۔۔ "
وہ کھوکھلی اور مکارانہ مسکراہٹ سے بولا ۔
" میں تمہیں کچھ پیسے دے دیتا ہوں ۔۔ مگر جب تمہارے پاس
موتی ہوں تو تم مجھے دے کر میرا ادھار چکا دینا ۔۔ تمہارا کام چل
جائے گا ۔۔۔"
ساون نے کوئی جواب نہ دیا ۔۔۔ اور جوہری نے کچھ سکے نکال
کر اس کے سامنے ڈال دیئے ۔ اور خود اٹھتا ہوا بولا ۔
" تم کب میری رقم لوٹا دو گے ۔۔۔ ؟"
" جب میرا یہ ہار بک جائے گا ۔۔۔ "
ساون نے ہار اس کے سامنے کر دیا ۔۔۔
بھوکی اور حریص نگاہوں نے ہار کو دیکھا مگر پھر بولا ۔
" کہیں یہ نقلی تو نہیں ۔۔۔ "
" نہیں ۔۔۔ "

سختی سے ساون نے کہا ۔
" خیر کوئی بات نہیں ۔۔۔ تم دوکان پر اسے لے آنا ۔ میں کسوٹی
پر پرکھ کر اس کی اصلیت بتا دوں گا ۔۔۔ اور دام بھی لگا دوں گا
۔۔۔ تم مناسب سمجھو تو اسے بیچ دینا ۔۔۔ ورنہ بیلو کے
گلے میں یہ ہار خوبصورت لگے گا ۔۔۔ اچھا میں چلا ۔۔۔ "
اس نے یوں لاپرواہی کا اظہار کیا تھا کہ شیرو بابا نے کہا ۔
" کہیں یہ نقلی تو نہیں ۔۔۔ "
اور ساون نے جواب دینے کی بجائے اسے مٹھی میں زیادہ سختی
سے بھینچ لیا ۔۔۔ اور اپنے سامنے پڑے سکوں کو گھورنے لگا ۔
جلدی جلدی بیلو نے وہ سکے اٹھائے اور اپنے پلو سے باندھ لئے ۔
یہ سکے بہرحال ان کے لئے قیمتی تھے ۔۔۔
اور پھر ۔۔۔
جزیرے کا آخری مالک ۔۔۔
ٹھیکے دار بھی وہاں آن پہنچا ۔
یہ وہی شخص تھا جس نے ساون سے زیادتی کی تھی ۔ اسے دھمکیاں
دی تھیں ۔۔۔ اسے کام سے ہٹا دیا تھا ۔۔۔ اور جسے وہ اپنے
لئے سب سے خطرناک انسان خیال کرتے تھے ۔۔۔
آتے ہی اس نے کہا ۔۔۔
" ساون انور کا پتہ مل گیا ہے ۔۔۔ "

"کہاں ہے وہ ——؟"

سادن اٹھ کھڑا ہوا جیسے اس نے انور کو ہلاک کر دیا ہو ——

"وہ شہر میں ہے ——"

مکارانہ مسکراہٹ سے وہ بولا ——

"میں نے اپنے آدمیوں کو اس کی تلاش میں بھیجا تھا —— میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اسے ہم سے کیا شکایت ہے —— انہوں نے پوچھا تو انور نے بتایا کہ وہ شہر میں رہنا چاہتا ہے —— گاؤں نہیں جائے گا —— اس نے سونیا کو بھی بلا دیا ہے ——"

"اب وہ کہاں ہے ——؟"

سادن نے بے تابانہ انداز میں بولا — اور سونیا کے چہرے پر زردی پھیل گئی ——

"میں نے اسے شہر میں اپنی لانچوں پر ملازم رکھ لیا ہے۔ اب وہ شہر میں میرا کام کرے گا ——"

وہ مسکرا کر بولا۔

"مگر تم کیوں فکر کرتے ہو —— وہ جلد یہاں آئے گا ——"

"اسے یہاں بلا لو۔ اسے میرا پیغام دو —— وہ چلا آئے گا —— وہ میری بات نہیں ٹال سکتا ——"

سادن نے جواب دیا ——

"جو کچھ تم کہو گے وہ ہو گا ——"

ٹھیکے دار نے کہا —

"مگر کیا تمہارے پاس شہر سے اسے لانے کا کرایہ ہے ——؟"

"کرایہ" ——

حیرانی اور افسردگی سے سادن نے کہا —

اور پھر اس نے اپنے ہار کو ٹٹول کر جواب دیا —

"میں کرائے کا انتظام کر لوں گا ——"

"کہاں سے —— کب تک ——؟"

وہ بولا —

"بہت جلد — جب میرا یہ ہار بک جائے گا ——"

سادن نے ہار اس کے سامنے کر دیا ——

اس نے ہار کو لالچی نگاہوں سے دیکھا اور بولا —

"یہ تم نے کہاں سے لیا ——؟"

حالانکہ وہ سب کچھ جانتا تھا ——

"یہ مجھے سمندر سے ملا ہے ——"

سادن نے بتایا ——

"اوہ ——"

وہ مصنوعی لاپرواہی سے بولا —

"تو تم اسے فروخت کرو گے —— ٹھیک ہے —— شام کو تم اسے لے کر مسجد میں آ جانا —— میں جوہری سے کہوں گا۔ وہ

تمہیں زیادہ رقم دے دے گا ——
تمہیں ضرور رقم کی ضرورت ہو گی ——"

ساون نے کوئی جواب نہ دیا ——

اور ٹھیکے دار پھر بولا ——

"تم کرائے کا انتظام کر دو تاکہ اسے یہاں بلا لیا جائے ——"

اور وہ چلا گیا ——

سونیا رو رہی تھی —— وہ بیلو سے لپٹ گئی - اس نے کہا۔

"کیا واقعی انور مجھے بھول گیا ——؟"

"نہیں تم نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا ——؟"

بیلو نے اسے حوصلہ دیا ——

"وہ کہہ جو رہا تھا ——؟"

سونیا نے بتایا ——

"جھوٹ بولتا ہے موا مردود ——"

بیلو نے نفرت سے کہا ——

اس نے ادھر تھوک دیا جدھر ٹھیکیدار گیا تھا ——

بابا شیرو نے کہا ——

"تم ہار کس کے ہاتھ بیچو گے ——؟"

"جو اس کے زیادہ دام دے ——"

ساون نے لاپرواہی سے جواب دیا ——

"ساون ——"

وہ ملامت دارانہ انداز میں بولا ——

"ایسا نہ ہو کہ ہم ہار فروخت کرنے جائیں۔ اور وہ ہم سے ہار چھین لے گئے"

بات غلط تو نہ تھی —— ساون بھی سوچنے لگا - پھر اس نے کہا۔

"ہمیں کیا کرنا ہوگا ——؟"

"ہم سبھی بستی والے تمہارے ساتھ جائیں گے ——"

شیرو بابا نے جواب دیا ——

"ہم سب کیا کر لیں گے ——؟"

ساون نے کہا ——

"اگر انہوں نے کوئی زیادتی کی تو ہم ان کا بھرکس نکال دیں گے۔"

شیرو بابا عزم سے بولا ——

"ہاں ——"

ساون نے سوچتے ہوئے اقرار کیا ——

"مگر تم کس وقت ہار بیچنے جاؤ گے ——؟"

وہ بولا ——

"شام کو ——"

ساون نے جواب دیا ——

شیرو بابا نے سارے بستی والوں سے مخاطب ہو کر کہا ——

"ہم شام کو ہار فروخت کرنے جائیں گے — آپ سب تیار ہیں اور اپنے چپو ساتھ لے جائیں۔ اگر ان لوگوں نے کوئی زیادتی کی تو ہم ہار کو بچانے کے لئے جان پر کھیل جائیں گے"

اور حاضرین بستی نے بڑے جوش سے اس بات کا عزم کیا کہ وہ ضرور جائیں گے اور ساون کا پورا ساتھ دیں گے۔

دوسری طرف بستی کے سبھی بڑے سر جوڑ کر نیچے ہار چھپانے کی سکیم بنا رہے تھے —

انہوں نے شام کو مسجد کے صحن میں ڈھول بجانے کا ارادہ کیا

۵

رخسانہ —

انور کو کار میں لے کر ایک بہت بڑے ہوٹل میں جا پہنچی — انہوں نے وہاں ایک میز منتخب کی اور دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔

حیرانی سے انور ادھر ادھر دیکھ رہا تھا — میزوں پر مختلف جوڑے بیٹھے تھے۔ اور آرکسٹرا اپنی دھنیں بکھیر رہا تھا — تیز رنگین روشنیوں میں یہ جگہ انور کو مولوی صاحب کی اس جنت سے کہیں زیادہ حسین دکھائی دی۔ جس کا ذکر وہ اپنی ہر وعظ میں کرتے تھے —

آرکسٹرا کی دھن پر نوجوان جوڑے رقص کر رہے تھے —

رخسانہ نے کہا —

"رقص کرو گے —"

"نہیں —"

وہ یوں بوکھلا کر بولا جیسے وہ رقص نہ کر سکے گا۔ اور دوسرے
اس کا مذاق اڑائیں گے —

"نہیں آؤ —"

رخسانہ بولی —— اور وہ اسے اٹھا کر لے گئی۔ اور مخصوص
جگہ کے قریب وہ اس کے بازوؤں میں بازو ڈال کر بولی —

"جیسے دوسرے کرتے ہیں کرو —"

اور وہ کوشش کرنے لگا —

حیرانی سے دوسرے اسے دیکھتے رہے — اور وہ رقص کرتا رہا۔
رخسانہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ جوں جوں رقص کرتا جا رہا ہے کچھ
بے باک ہوتا جا رہا ہے —— اور یہی اس کا منشا بھی تھا۔

اور پھر جب آرکسٹرا رک گیا۔ وہ واپس آئے اور اپنی اپنی جگہوں
پر بیٹھ گئے —

بیرے نے آکر پوچھا —

"کیا پئیں گے —؟"

"کافی —"

جلدی سے رخسانہ کہہ دیا۔ اسے ڈر تھا کہ انور کوئی غلط بات نہ کہ

دے۔ جس سے اس کی سبکی ہو —

ویٹر کافی لے آیا — رخسانہ نے کافی بنا کر ایک پیالی اسے دی۔
اور دوسری خود پینے لگی — مگر وہ پھر چونک اٹھی —

انور دونوں ہاتھوں سے پیالی تھامے پھونکیں مار مار کر کافی پی
رہا تھا —

اس نے کافی کی پیالی اس کے ہاتھ سے لے کر رکھ دی اور بولی —

"ایک ہاتھ سے پیالی پکڑو — اور پھونک نہ مارو —"

"میرا منہ جل جائے گا —"

وہ سادگی سے بولا —

"تو انتظار کرو — ٹھنڈی ہو جائے تو پینا —— اور ادھر ادھر
دیکھو جیسے دوسرے پی رہے ہیں ایسے ہی پیو —"

اور اس نے ایک ہاتھ میں پیالی تھام لی۔ اور پینا شروع کی وہ
بالکل رخسانہ کی نقل کر رہا تھا۔ — اچانک پیالی اس کے ہاتھ سے
چھوٹ گئی اور اس کا سارا لباس خراب ہو گیا —

غصے سے رخسانہ کا برا حال ہو گیا وہ بولی ——

"بدتمیز — پیالی بھی نہیں سنبھالی جاتی — اور ہوٹل میں آنے
کا رونا رو رہا تھا —"

"جی — جی وہ —"

اس نے ایک جانب اشارہ کیا —

رخسانہ نے اندازہ لگایا کہ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ جس کی وجہ
سے وہ بوکھلایا ہوا ہے۔

"۔ کون ہے وہ —؟"

وہ بولی —

"وہ — وہ —"

بوکھلاہٹ سے اس نے جواب دیا —

اور پھر خاموش ہو گیا۔

رخسانہ نے دوبارہ پوچھا —

"وہی — جس کے پاس میں کام کرتا تھا۔ اور جس کے پاس
جس کی لانچ میں میں بھاگ کر یہاں آیا تھا — وہ لانچ والا
والا ہے —"

انور نے خوف سے جواب دیا —

"ہوش سے بیٹھو — اور کوئی بات نہ کرو — وہ تم پر
نہ کریں گے — میں خود ان سے نمٹ لوں گی —"

رخسانہ نے جواب دیا — وہ بھی بوکھلا گئی تھی —

اتنے میں ان میں سے ایک شخص اٹھ کر انور کے قریب آیا اور

"مسٹر انور تم — اس حالت میں —؟"

"کون انور — کون ہو تم —؟"

رخسانہ نے غصے سے پوچھا —

"میڈم —"

وہ ادب سے بولا —

"یہ شخص ہمارا پرانا ملازم ہے — اور ہماری ملازمت سے
جزیرے سے بھاگا ہوا ہے۔"

"اور —"

وہ اس سے آگے شاید کچھ کہتا مگر زوردار طمانچہ اس کے گال پر پڑا
اور رخسانہ نے جیسے چلا کر ہوٹل سر پہ اٹھا لیا —

"لفنگا — بدتمیز — ایڈیٹ —!"

"جی — وہ —"

وہ بوکھلا گیا —

"یہ سیٹھ عبداللہ ہیں —"

وہ بولی —

"اور تم — مجھ سے بات کرنے اور واقفیت پیدا کرنے کا بہانہ
تلاش کر رہے تھے۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی —"

"میں معافی چاہتا ہوں — دراصل وہ شخص — بالکل ایسا تھا —
بالکل — صرف لباس کا فرق ہے —"

وہ بوکھلا کر بولا —

منیجر قریب آیا — اب کے وہ بولا —

"کیا بات ہے —؟"

جب اسے اصل بات کا علم ہوا۔ تو اس نے بات ختم کروائی۔ اور
معذرت چاہی۔ وہ شخص واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔

"بالکل وہی — مگر یہ حالت ناممکن ہے۔ عجیب ہے —"
وہ بوکھلایا ہوا ہے —

جلدی جلدی رخسانہ نے بل منگوایا — اور چند نوٹ بیرے کو دے
اس نے انور کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گئی ——

جب وہ کار میں سوار ہو کر اسے اسٹارٹ کر رہی تھی، اس نے
دیکھا۔ ہوٹل کے دروازے پر وہ شخص کھڑا حیرانی سے ان دونوں کو دیکھ
رہا تھا۔ اس کا شک دور نہ ہوا تھا — اور خود گھبرائی ہوئی تھی۔
مگر انور کچھ اور سوچ رہا تھا — اس نے کہا —

"رخسانہ آپ نے اتنے نوٹ اس بیرے کو دے دیئے"

"ہاں —"

اس کا جواب مختصر تھا —

"صرف اس ذرا سی چائے کی اتنی رقم —"

وہ بولا —

"تو کیا زیادہ تھی —؟"

اس نے بھی بات بدلنے کو کہا —

"ہاں۔ اتنے میں تو جزیرے پر کئی خاندان گزارہ کر لیتے ہیں"

وہ حیرانی سے بولا —

"یہ شہر ہے جزیرہ نہیں — یہاں ایسا ہی ہوتا ہے"
وہ بولی —

"اور ہاں آئندہ تم کبھی اس معاملے میں نہیں پوچھو گے — اور
اپنا نام سیٹھ عبداللہ بتاؤ گے —"

وہ چپ رہا —

شہریوں کی شاطرانہ باتوں سے وہ ابھی پوری طرح آگاہ
نہ تھا —

۵

جھٹکے دار کے ساتھی نے کہا ۔

"وہ نوجوان یقیناً انور تھا ۔۔۔ نہ جانے اس نے یہاں آنے
پر کیا جادو کیا ہے ۔ کہ ایک دم سے اس کا روپ ہی بدل گیا"
"نہیں وہ ۔۔۔ انور نہیں ہو سکتا ۔۔۔ ایک دیہاتی نوجوان
اپ ٹو ڈیٹ ۔ اتنا مہذب اور رئیس نہیں ہو سکتا ۔ اس کی گاڑی
شاندار تھی ۔ جس میں وہ گیا ہے ۔ اگر اتنی مہذب خوبصورت ا
لڑکی کو کسی محبوب کی ضرورت ہی تھی تو وہ ایک وحشی شخص
نہیں بنا سکتی ۔۔۔ یقیناً وہ اس کا ہم شکل ہوگا ۔ تم نے دھو

ہے ۔۔۔"
دوسرے نے جواب دیا ۔۔۔
"میں دھوکا نہیں کھا سکتا ۔۔۔"
وہ سختی سے بولا ۔
"جب میں اس سے باتیں کر رہا تھا تو وہ شخص سخت گھبرایا ہوا تھا
میں نے اس کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی دیکھی ہے ۔ میں نے
محسوس کیا ہے کہ اگر ہم نے مزید پوچھ گچھ کی تو وہ اٹھ کر بھاگ جائے گا
۔۔۔ مگر وہ لڑکی بڑی ہوشیار تھی ۔۔۔ اس نے سارا معاملہ چوپٹ
کر دیا ۔ ورنہ میں اسے پکڑ لیتا ۔۔۔
"مگر تم اس پر کیا الزام لگا سکتے تھے ۔۔۔؟"
ایک اور ساتھی نے پوچھا ۔۔۔
"ہزاروں الزام ہو سکتے ہیں ۔۔۔
پہلے والے نے جو ان کا آفیسر معلوم ہوتا تھا ۔ جواب دیا ۔۔۔
"مگر وہ اسے کیوں یوں لئے گھومتی پھرتی ہے ۔۔۔ اس میں
بھی مجھے کوئی راز معلوم ہوتا ہے ۔"
ایک ساتھی نے کہا ۔
"راز کیا ہوگا ۔۔۔"
پہلے والے نے تیزی سے کہا ۔۔۔
"وہ اس سے کوئی خفیہ کام لیں گے ۔۔۔ کوئی قتل ۔ جرم یا ایسا

کام جس کے بعد وہ اسے بھی ٹھکانے لگا دیں اور جرم چھپ جائے۔ مجرم شناخت بھی نہ کیا جا سکے"

"اوہ۔ یہ بات ہے"

ایک ساتھی نے کہا —

"ایسی صورت میں ہمیں باس کو اطلاع دینے کی ضرورت بھی کیا ہے اپنی موت آپ مر جائے گا"

"نہیں"

سختی سے پہلے نے کہا —

"اپنی موت مرے یا نہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم باس کو اطلاع دیں اور پھر ہم نے اسے تلاش کر لیا ہے میں نے کار کا نمبر نوٹ کر لیا ہے اور اسے اس نمبر کی مدد سے تلاش کرنا آسان ہو گا"

سبھی سوچتے رہے۔ پہلے والے نے پھر کہا —

"تم میں سے ایک جاؤ — اور باس کو اطلاع دو کہ انور تلاش کر لیا گیا ہے اور اس سے پوچھو کہ اس کا کیا حکم ہے —

مگر سبھی اس کا منہ دیکھتے رہے — اس نے ایک ساتھی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ لانچ لے کر جائے اور باس کو خاص طور پر اطلاع دے۔

چنانچہ وہ شخص روانہ ہو گیا۔

جزیرے پر پہنچ کر جب انہوں نے ٹھیکیدار کو صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ سخت گھبرایا اور برہم ہوا — اس نے کہا —

"تم احمق ہو — میری اتنی عمر ہو گئی ہے۔ میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے۔ وہ ابلہ۔ گنوار۔ جنگلی الدان پڑھ نوجوان اتنی بلندی کا تصور بھی کرے تو اس کا ذہن پھٹ جائے گا۔ — وہ اس کا ہم شکل ہو گا — اس کے پیچھے جا کر وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں — کہیں اور مشکل میں نہ گرفتار ہو جاؤ"

"جی بہتر —"

اس نے جواب دیا —

اور واپسی پر اس نے ساتھیوں کو باس کا حکم سنایا تو وہ مطمئن ہو گئے — اور اس طرف سے لاپرواہ سے ہو گئے —

بہرحال اب نفع نقصان کی ذمہ داری باس کے سر تھی انہوں نے بہرحال اپنی ڈیوٹی دے دی تھی —

۵

شام ہو رہی تھی —
اور بستی والے منتظر تھے کہ کب ساون اپنا قیمتی ہار فروخت کرنے جاتا ہے —

بستی کے سبھی بڑے مسجد میں ساون کے منتظر تھے - انہوں نے ایسا جال پھیلایا تھا کہ وہ اونے پونے ساون سے ہار ہتھیا لیں — مگر ساون بھی فیصلہ کر چکا تھا — کہ وہ ہار اونے پونے فروخت نہ کرے گا —

اب مسئلہ یہ تھا کہ سرمایہ دار کی شاطرانہ چالوں کی فتح ہو گی یا غریب

کی سادگی جیت جائے گی —

ساون نے بیلو سے کہا —
"میں ہار فروخت کرنے جا رہا ہوں — تم بھی چلو گی —"
"ہاں —"
وہ بولی —
وہ اداس اداس تھی - اسے ہار ملنے یا اس کے بکنے کی خوشی نہ تھی
جانے کیوں اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی - کہ اس ہار کی وجہ سے اس کے شوہر اور بچے کی زندگی خطرے میں ہے —

انہوں نے نئے لباس پہنے —
اور بیلو نے تو وہ لباس پہن لیا - جسے وہ دولہن بن کر اور پہن کر ساون کے گھر آئی تھی اور پھر اسے خاص خاص موقعوں کے لیے سنبھال کر رکھا ہوا تھا —

دوکان دار سے خریدا ہوا ذرا سا سرمہ اس نے خود آنکھوں میں لگایا اور بچے کی آنکھوں میں بھی ڈال دیا —

جونہی وہ جھونپڑی سے باہر نکلے انہوں نے بستی کے سبھی جوانوں - بوڑھوں - عورتوں — مردوں اور بچوں کا منتظر پایا — وہ یوں قطار میں کھڑے تھے - جیسے اس کا استقبال کر رہے ہوں — ان کے ہاتھوں میں چھوٹے ڈنڈے اور کچھ کے ہاتھوں میں کند ہتھیار بھی تھے —
ساون ان کے درمیان سے گزرتا چلا گیا — جب وہ آخری

آدمی کے قریب پہنچا تو باقی سب خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے
چل پڑے — سب سے آگے ساون تھا۔ اس کے بعد بیلو — پھر
ساری بستی — وہ چلتے رہے —

اور مسجد کے صحن میں موجود شاطر بڈھے ان کا انتظار کرتے رہے
مسجد کے قریب جاکر سب رک گئے — ساون نے مسجد میں
جھانک کر دیکھا —

ان سب لوگوں کی آنکھوں میں شاطرانہ چمک پیدا ہوئی اور انہوں
نے ساون سے کہا —

"آؤ — اندر آجاؤ کیسے آئے — ؟"

وہ جانتے تھے کہ ساون کیوں آیا ہے — ساون نے کہا
"میں ہار فروخت کرنے آیا ہوں —"

فرداً فرداً وہ سب کو ہار دکھا چکا تھا — مگر ان میں سے سبھی
خیال کر رہے تھے کہ ہار کے راز سے صرف وہی واقف ہیں۔
خانہ خدا کو انہوں نے مکاری سے سودا بازی کرنے اور کسی فریب
سے اس کا حق چھین لینے کا مرکز بنا لیا تھا —

ساون اندر گیا — مولوی صاحب نے کہا —
"بیٹھ جاؤ —"

وہ اکڑوں بیٹھ گیا —
"لاؤ دکھاؤ وہ ہار —"

پروگرام کے مطابق جاگیردار نے تحکمانہ انداز میں کہا۔
اور ساون نے ہار ان کے سامنے ڈال دیا —

مولوی صاحب۔ جوہری اور جاگیردار سبھی ہار دیکھنے کو لپکے
مگر جاگیردار ہار لے جا چکا تھا — اس نے ہار الٹ پلٹ کر
دیکھا اور بولا —

"مجھے تو یہ مصنوعی معلوم ہوتا ہے — نقلی اور بے کار —"

"کیا —؟"

سبھی نے حیرانی سے کہا —

اور ساون کے چہرے پر زردی پھیل گئی — باہر والوں نے
بھی سن لیا تھا —

شیرو بابا نے کہا —

"وہ ہم سے دھوکہ کر رہے ہیں —"

مگر ساون کچھ نہ بولا — جاگیردار نے وہ ہار جوہری کی جانب
اچھال دیا اور بولا۔

"اسے کسوٹی پر پرکھو —"

اور جوہری اسے پرکھنے لگا — اس نے اچھی طرح جانچ
کر کہا —

"یہ پہلے تو اصلی تھا — مگر مدت تک سمندر کے پانی میں
رہنے کے بعد یہ اپنا روپ کھو چکا ہے — اب یہ نقلی سے بھی بدتر ہے۔"

سمندر موتی پیدا کرتا ہے گنواتا نہیں —"

ساون نے تلخی سے کہا —

اور سبھی نے یوں اسے گھورا جیسے وہ اسے چبا جائیں گے۔ ڈاکو اور ٹھیکے دار کے پاس بندوقیں تھیں۔ اور وہ جانتے تھے کہ بستی والے ڈنڈوں سے بندوقوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مگر بستی والے تعداد میں زیادہ تھے —

جاگیر دار نے کہا کہ میری بیوی کو نقلی چیزوں سے بھی دلچسپی ہے میں اس کا دو سو روپیہ دوں گا —"

"دو سو روپیہ —"

ساون نے یوں کہا جیسے آواز حلق میں اٹک رہی ہے۔ مولوی صاحب بولے —

"یہ بھی بہت ہے — خدا صبر اور شکر کرنے والوں کا ساتھی ہے — تمہیں خدا کی نعمت سے انکار کر کے دو سو روپیہ ٹھکرانا نہیں چاہیئے —"

"مگر میں دو سو روپیہ نہ لوں گا —"

ساون نے کہا —

چوہدری نے پھر ہار لے لیا — اور بولا —

"میں ڈھائی سو روپیہ دے دوں گا —"

ساون کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا — اس نے اتنی تیزی سے ہار چوہدری سے جھپٹ لیا کہ وہ سوچ بھی نہ سکا — سبھی بڑے چوکم

ہو گئے اور انہوں نے بندوقیں سنبھال لیں —

مگر اتنی دیر میں ساون مسجد سے جا چکا تھا اور وہ اپنے ساتھیوں میں گھل مل چکا تھا —

"ساون سے دھوکہ نہیں ہو گا — دھوکہ نہیں ہو گا —"

سبھی گویا نعرے لگانے لگے —

اور ساون بیلو کے ساتھ اپنی کوٹھڑی کی طرف بھاگتا چلا گیا — شاید ڈاکو فائر کر دیتا — مگر چوہدری اور دکاندار نے اس کا بازو پکڑ لیا اور بولے —

"صبر سے کام لو — ہم ان کے اتحاد کا مقابلہ نہ کر سکیں گے — ہم ان میں سے ایک ایک سے بدلہ لیں گے —"

"اس کی ضرورت نہیں —"

جاگیر دار جابرانہ آواز میں بولا —

"وہ ہار فروخت کہاں کرے گا —"

سب ہنس دیئے — مولوی نے کہا۔

"ہار ہمیں ان سے ضرور ملے گا — ہاتھ سے نہیں جائیگا —"

اور ساون —

وہ اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا ہانپ رہا تھا — بیلو نے کہا —

"یہ ہار واقعی مصیبت ہے —"

"تم چپ رہو —"

اتنی سختی اور بلند آواز سے ساون نے اسے جھڑکا کہ وہ سہم گئی کہ کہیں ساون اس کا یا اس کے بچے کا گلا نہ دبا دے — اس کی آنکھوں سے دہشت ٹپک رہی تھی —

بستی والے پھر اس کے گھر کے سامنے جمع ہو گئے۔

شیرو چاچا اس کے پاس آیا اور بولا۔

"وہ دھوکہ کر رہے تھے —"

"ہاں چاچا —"

وہ اداسی سے اور مایوسی سے بولا۔

"اب کیا پروگرام ہے —"

"کیسا پروگرام —؟"

حیرانی سے شیرو سے اس نے سوال کر دیا۔

"ہار کا کیا بنے گا —؟"

"ہار —"

آہستہ سے ساون نے دہرایا —

"میں اسے شہر میں فروخت کرنے جاؤں گا —"

"شہر میں —؟"

بیلو خوفزدہ آواز میں بولی —

"میں تمہیں شہر نہ جانے دوں گی — میں یہ ہار واپس سمندر میں پھینک دوں گی — یہ ہمارا گھر تباہ کر دے گا —"

میں شہر جاؤں گا — ہر حالت میں —"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"ہاں ساون کو شہر جانا ہی ہوگا —"

شیرو چاچا نے تائید کی —

وہ چپ سنتی رہی پھر بولی —

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی —"

"ہاں — تم بھی اور پرویز بھی —"

ساون نے بتایا —

اور بیلو بے حد اضطراب اور اداسی سے پرویز کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی —

شیرو نے کہا —

"شہر جاؤ گے کیسے —؟"

"اپنی کشتی پر —"

وہ بولا —

اگر انہوں نے راستے میں عین الجن والی کشتی سے پکڑ لیا اور ہار چھین لیا تو کیا ہوگا —"

شیرو بابا نے خطرہ ظاہر کیا۔

بات درست تھی — وہ سوچ سوچ کر بولا —

میں ایک ایسے دور دراز راستے سے جاؤں گا۔ جس کا ان کو علم نہ

نہ ہوگا — وہ مجھے تلاش نہ کر سکیں گے ۔"

"خدا تمہیں کامیاب کرے ۔"

شیر و نے اسے دعا دی —

اور پھر پل بھر میں یہ خبر سبھی بستی والوں کی زبان پر آ گئی [illegible]
کہہ رہے تھے کہ ساون شہر جائے گا —— وہ شہر میں [illegible]
سونیا بھی آ گئی اس نے کہا —
"ساون بھیا جب تمہارے پاس دولت آ جائے گی تو تم [illegible]
بن جاؤ گے نا ۔"

"ہاں ۔"

وہ فیصلہ کن اور سخت لہجے میں بولا ——
"اس صورت میں تم اور انور سونیا کو بھول جاؤ گے ۔"

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی —
ساون نے اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھا اور بولا
"تم کیوں اداس ہو —— تم میری بہن ہو — اور میں [illegible]
ہو جاؤں یا غریب رہوں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری خوشیاں [illegible]
کروں گا —— اور تمہارے انور کو تلاش کر کے لاؤں گا۔"

معصوم اور سادہ سونیا خوش ہو گئی — اور چلی گئی —
جزیرے کے بڑوں کو بھی اطلاع مل گئی تھی کہ ساون شہر جا[illegible]
اور وہاں ہار فروخت کرے گا — ٹھیکے دار نے اطلاع دینے [illegible]

نوجوان سے کہا —
"وہ شہر جا کیسے سکے گا — ؟"
"اپنی کشتی پر ۔"

اطلاع دینے والے نے کہا —
"ہوں ۔"

معنی خیز انداز میں وہ بولا —
"میں اس کا انتظام کر لوں گا ۔"

اور پھر وہ اپنے خاص آدمیوں کو بلانے چلا گیا —
غریبوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ
ان کا ہار فروخت ہو جائے ——
اور بڑوں کا مسئلہ تھا کہ
کسی نہ کسی صورت ہار چھین لیا جائے —

انور سیٹھ بشیر کے گھر میں گھر کے فرد کی طرح رہتا رہا —
وہ گھر کا کوئی اہم فرد یا مہمان معلوم ہوتا تھا — مگر اسے علم نہ
تھا کہ وہ ایک ایسا کھلونا ہے۔ جس سے امیر زادے کھیلتے
ہیں اور جب ان کا دل بھر جائے گا۔ وہ اس کھلونے کی خوبصورتی
اور رنگ و روغن کھرچ کر اسے گندگی میں پھینک دیں گے۔
— یہاں بیتے دنوں کی یادیں ایک خواب معلوم ہوں گے۔
— اور وہ ان ہی خوابوں کے سہارے زندگی گزارے گا۔
اس روز رخسانہ اور ریحانہ نے ابو اور امی سے فلم دیکھنے کی

اجازت لے لی تھی —
رخسانہ نے کہا —
" ریحانہ باجی کیوں نہ انور کو بھی فلم دکھائی جائے اور اس کا ردعمل
دیکھا جائے۔ بڑا دلچسپ ہوگا۔ اور یوں بھی یہ اس کے لیے
ایک نیا تجربہ ہوگا۔ اور خوبصورت خواب بھی —"
" کوئی حرج نہیں —"
ریحانہ نے جواب دیا —
اور رخسانہ نے انور سے کہا کہ وہ تیار ہو جائے اور ان کے ساتھ
فلم دیکھے۔
" یہ فلم کیا ہوتی ہے —؟"
اس نے پوچھا —
" ابھی کچھ دیر بعد دیکھ لو گے —"
رخسانہ نے کہا —
" اور وہاں کوئی ایسی بوکھلاہٹ نہیں کرو گے جس سے ہم
سب کی سُبکی ہو جائے —"
" جی بہتر —"
وہ بولا —
وہ تیار ہو گیا — اور تینوں تیار ہو کر سینما ہاؤس پہنچے
جونہی فلم شروع ہوئی — اس نے کہا —

"کیا یہ لوگ اسٹیج پر موجود ہیں — اور پردے کے پیچھے

"نہیں"—

ریحانہ نے بتایا—

"یہ تصاویر ہیں جو چلتی پھرتی بھی ہیں اور بولتی بھی ہیں"—

"تو کیا یہ جادو نگری ہے"—؟

وہ سمجھ نہ سکا—

دونوں مسکرا دیں — اور انتہائی دلچسپی سے وہ سب کچھ دیکھتا رہا — وہ مگن تھا — مگر اسے لڑکے اور لڑکی کا یوں سرعام ملنا — پیار کرنا — اور راز کی باتیں دوسروں سے کہنا برا لگا — "فلم کیسی ہے —؟"

رخسانہ نے پوچھا—

"بہت گندی — ان لوگوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے"—

وہ بولا—

رخسانہ نے مزید بات کرنا مناسب خیال نہ کیا — اس نے سوچا یہ چند فلمیں دیکھ کر خود سمجھ لے گا۔ کہ یہ محض ڈرامہ ہے—

وہ فلم دیکھتے رہے—

اچانک ایک سین پر — انور چونک اٹھا۔ اور اس کا خون کھول گیا—

"ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی تھی — وہ اپنے گھر پر

تھی — اور اس حالت میں چند لڑکے اس کو اٹھا کر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے — اور امداد کے لیئے چلا رہی تھی — اور خدا کا واسطہ دے رہی تھی—

انور نے ادر گرد دیکھا۔ مگر ہر شخص ساکن تھا — اس نے سوچا—

"عجیب شہر ہے۔ سبھی بے حس ہیں — کوئی بھی اس غریب لڑکی کی مدد نہیں کر رہا — مجھے اس کی امداد کرنی چاہیئے"—

اور پھر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا—

وہ چلایا—

"ٹھہرو بدمعاشو — میں تمہیں مزا چکھاتا ہوں"—

رخسانہ اور ریحانہ اسے پکڑتی ہی رہ گئیں — مگر وہ بڑی تیزی سے اٹھا اور سکرین کی جانب بھاگا—

کرسیوں کو پھلانگتا وہ اسٹیج تک جا پہنچا — اور اس سے جا ٹکرایا۔ فلم رک گیا اور لوگوں نے بے پناہ شور مچا دیا — پولیس آ گئی اور اس نے انور کو پکڑ لیا—

مگر وہ مصر تھا کہ چور اس لڑکی کو لے گئے اور تم میں سے کسی نے اس بیچاری کی مدد نہیں کی — یہ انسانیت نہیں—

وہ بظاہر بڑا خوش پوش تھا — مگر اس کی حرکت بڑی احمقانہ تھی۔ — رخسانہ اور ریحانہ بھی پہنچ گئیں — اور وہ بڑی مشکل

سے پولیس کو یقین دلا سکیں کہ یہ محض حادثہ تھا — کیونکہ انور
نے اس سے پہلے فلم نہ دیکھی تھی —
اپنے باپ کا حوالہ دے کر وہ انور کو پولیس سے بچا سکیں
— مگر اب مزید وہاں رکنا اور فلم دیکھنا محال تھا — چنانچہ
وہ واپس آگئیں — ان کا پارہ چڑھا ہوا تھا — اور وہ
بے حد غصے میں تھیں — ریحانہ نے کہا —
" اور نخر بات کرو — ابو نہ کہتے تھے کہ جنگلی کبھی انسان
نہیں بن سکتے —
آج کی بے عزتی میں عمر بھر نہ بھولوں گی —"
" باجی —"
پیار سے وہ اس کے گلے میں باہیں ڈال کر بولی —
" ذرا غور کرو — یہ بھی تو اس کی انسانی ہمدردی تھی —
نہیں جانتا تھا کہ وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے — وہ صرف ڈرامہ ہے
سچائی نہیں — وہ تو اسے سچائی سمجھا تھا — اور اس
نے اپنا فرض ادا کیا —"
" آئندہ تم کبھی میرے ساتھ اسے نہیں لے کر جاؤ گی —
وہ غصے سے بولی —
" جی اچھا —"
رخسانہ نے اسے ٹال دیا —

جب گھر پہنچ کر رخسانہ نے دیکھا تو انور بہت اداس اور
پریشان تھا — رخسانہ اس کے پاس گئی اور بولی —
" کیا بات ہے تم اداس اداس سے ہو —؟"
" میری وجہ سے آپ سب کی بے عزتی ہو گئی — مگر
میں نہیں جانتا تھا کہ اصلیت کیا ہے — میں معافی مانگتا ہوں"
رخسانہ کھلکھلا کر ہنس دی اور بولی —
" یہ بھی اچھی بات ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا —
بہرحال آئندہ تم مجھ سے پوچھ لیا کرو گے کہ تم کیا کرنے والے ہو —"
" جی اچھا —"
وہ بولا —
" چلو کانوں کو ہاتھ لگاؤ اور توبہ کرو —"
وہ شوخی سے بولی —
اور اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگ لی —
اچانک وہ بولی —
" ایک بات مانو گے —؟"
" کیا —؟"
انور نے پوچھا —
" میں کل سے تمہیں کتابیں پڑھاؤں گی — پڑھو گے —"
وہ بولی —

"تو کیا بس ساری کتابیں پڑھ لیا کروں گا —"

اس نے خوشی سے پوچھا —

"ہاں —"

رخسانہ نے جواب دیا —

"تو رخسانہ بی بی ابھی پڑھانا شروع کرو نا —"

انور نے گویا التجا کی —

"ابھی نہیں —"

وہ بولی —

"تمہیں ابتدا میں بڑی محنت کرنا پڑے گی — محنت سے پڑھو گے تو بہت جلد لکھنا بھی سیکھ جاؤ گے اور پڑھنا بھی"

"مگر یہ سب کب ہوگا —؟"

وہ بہت جلدی کرنا چاہتا تھا —

"کل سے —"

وہ بولی —

"میں کتابیں لے آؤں گی — اور کل سے تمہیں سبق پڑھاؤں گی —"

وہ چلی گئی —

اور انور کھڑکی میں کھڑا سونیا کے بارے میں سوچنے لگا

وہ انجن والی کشتی لے کر جزیرے پر جائے گا۔ اور وہاں

اپنے قبیلے والوں کو کتابیں پڑھ کر سنائے گا —

وہ ان ہی تصورات میں کھویا رہا —

آنکھوں کے سامنے سونیا کا ہیولہ ناچ رہا تھا —

رات کے دوسرے پہر وہ اپنی جھونپڑی سے بینو اور
کو ساتھ لے کر نکلا۔
ہار اس نے لباس کے اندر جیب میں چھپا رکھا تھا۔
اور پھر وہ دبے پاؤں چلتا ہوا ساحل کی جانب روانہ ہو گیا
دبے پاؤں وہ چلتا رہا — راستے میں بیلو اور ساون
کوئی بات نہ کی۔ وہ اپنے سائے سے بھی ڈر رہے تھے۔
اچانک ایک درخت پر سے ایک الو خوفناک آواز کے
اڑ گیا — بیلو ایک دم سے خوفزدہ ہو گئی — اس نے

کہا —
"ساون —"
"کیا بات ہے —؟"
وہ آہستہ سے بولا —
"میرا خیال ہے ہم واپس لوٹ جائیں۔ رات کے وقت الو کا چیخ کر اڑنا اچھا شگون نہیں ہے۔ کہیں کوئی مصیبت نہ آن پڑے —"
"جلدی جلدی اور خاموشی سے چلتی رہو —"
وہ تحکمانہ انداز میں بولا —
اور بیلو بےچاری نے خود کو قسمت کے حوالے کر دیا۔ اور ساون کے ساتھ چلتی رہی —
بہت جلد وہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے — اچانک وہ چلایا —
"بیلو —"
"کیا ہے —؟"
آہستہ سے وہ بولی —
"دھوکہ ہوا ہے ہمارے ساتھ —"
وہ خوفزدہ اور زخم خوردہ انداز میں بولا —
"کشتی موجود نہیں — ان احمق اور لالچی لوگوں نے ہماری

کشتی چرالی ہے "

"کشتی چرالی __"

وہ بولی __ آواز میں لرزش تھا __

"ہاں __ اب کیا ہوگا __؟"

"کوئی دوسری کشتی لے لیں - یہاں دوسروں کی کشتیاں
بھی تو ہیں __"

بیلو نے مشورہ دیا __

"تمہیں یاد ہے تابیں نے اپنی کشتی کے چپو اسی میں چھوڑ دیئے
تھے __ اور دوسروں کی کشتی کے ساتھ چپو نہیں ہیں "

وہ افسوس سے بولا __

"پھر کیا کریں __؟"

اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا __

"شہر جانا خطرے سے خالی نہیں - شیرو بابا ٹھیک کہتا تھا
وہ ضرور راستے میں وار کریں گے - ہمیں کسی نہ کسی صورت
جھونپڑی میں واپس لوٹ جانا چاہیئے __"

ساون نے مشورہ دیا __

"تو چلو __"

اس نے بیلو کا بازو پکڑ لیا اور جونہی وہ جانے کو مڑا اس
نے ڈاکٹر کی آواز کو پہچان لیا - جس نے بڑے رعب سے

اور سفاک آواز میں کہا تھا __

"رک جاؤ __"

وہ رک گیا __

دوسری جانب سے آنے والا ٹھیکیدار تھا - اور تیسرا مولوی
__ انہوں نے ساون کو گھیر لیا __ مولوی صاحب نے
اس کے بازو پکڑ لئے اور بولے __

"ٹھیکے دار تم اس کے لباس سے وہ ہار برآمد کر دو "

ڈاکٹر نے بندوق تان لی __ اور ٹھیکے دار نے اپنی
بندوق زمین پر رکھ دی اور جونہی وہ تلاشی لینے لگا - ساون نے
زور سے ایک لات مولوی کے پیٹ میں مار دی __ اور وہ
لڑکھڑا کر جا گرا __

اس سے قبل کہ ڈاکٹر اور ٹھیکے دار سنبھلتے __ ساون نے
ڈاکٹر سے بندوق جھپٹ لی __ یہ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ وہ
اندازہ بھی نہ کر سکے کہ کیا ہو رہا ہے __

ٹھیکے دار پل بھر کو پیچھے ہٹا اور ڈاکٹر بھی __ اور پھر ڈاکٹر
نے پہل کی - جونہی وہ ٹھیکے دار کی بندوق اٹھانے کو جھکا ساون
نے فائر کر دیا __

گولی ڈاکٹر کی کھوپڑی پھاڑ کر گزر گئی اور وہ اوندھے منہ
زمین پر آ رہا __ اس نے دوسرا سانس بھی نہ لیا -

اس سے پہلے کہ ساون دوسرا فائر کر کے دوسروں کو ہلاک کر دیتا ۔ وہ بھاگ گئے ۔ اور جان بچائی ——

ساون ہکا بکا کھڑا تھا —— اب وہ بستی میں واپس بھی نہ جا سکتا تھا ۔ اس نے خون کر دیا تھا ۔ اور اس الزام میں اسے بھی پکڑ کر ہلاک کر دیا جاتا —— بیلو نے کہا ۔

"تم نے خون کر دیا اب کیا ہوگا ——؟"

"ہمیں کہیں چھپ جانا چاہیئے —— ایسا نہ ہو وہ لوگ ہمیں پکڑ لیں اس صورت میں وہ ہم سے مار بھی چھین لیں گے اور ہمیں قتل بھی کر دیں گے —— ایک دو روز چھپے رہنے کے بعد ہم کہیں جانے کی کوشش کریں گے —"

"مگر جائیں گے کہاں ——!"

بیلو فکر مندی سے بولی ۔

اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا ۔ اور پورا جسم کانپ رہا تھا۔ بار بار وہ خوف زدہ انداز میں مردہ ڈاکٹر کی لاش کو دیکھ رہی تھی۔

—— ساون نے کہا —

"ہم مشرقی سمت کی پہاڑیوں میں چھپ جائیں گے ۔ اور جونہی موقعہ ملا۔ وہاں سے بھاگ جائیں گے —— وہ لوگ ہمیں ضرور تلاش کریں گے۔ تم احتیاط رکھنا اور بچے کو رونے نہ دینا —— وہ جلد ہی بستی سے لوگوں کو ساتھ لے کر آئیں گے —— اور اگر ہم پکڑے گئے تو خیر نہیں

جلدی جلدی وہ مشرقی جانب روانہ ہو گئے —— اور پھر انہوں نے پہاڑیوں کے درمیان ایک مناسب جگہ تلاش کی اور وہاں چھپ گئے۔

بیلو نے کہا ——

"ہمیں کب تک چھپنا ہوگا ——؟"

"جب تک بستی کا کوئی فرد ہمیں یہاں سے لینے نہ آ جائے —— ہمیں سونیا کو تلاش کرنا یا اس کا انتظار کرنا ہوگا ۔ وہ ہماری بھرپور مدد کرے گی —— وہ بہت اچھی لڑکی ہے ——"

ساون نے کہا —

بچہ جاگ رہا تھا ۔ اور تاریکی سے گھبرا رہا تھا —— ساون نے کہا —

"بچے کو دودھ دے —— وہ بہل جائے گا ——"

اور بیلو نے اپنی چھاتی اس کے منہ میں ٹھونس دی ——

بچہ چپ ہو گیا —— اور وہ دونوں بھی آنے والے وقت کے بارے میں سوچتے رہے ۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا —— دور ساحل سمندر کے قریب لالٹینوں کی روشنی میں لوگ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے —— اور کچھ ڈاکٹر کی لاش لے جا رہے تھے ——

انہوں نے ادھر ادھر ان دونوں کو تلاش کیا مگر وہ انہیں تلاش نہ کر سکے —— پھر انہوں نے کچھ لوگوں کو ادھر بھی آتے

دیکھا —

بندوق ساون کے ہاتھ میں تھی — اس نے بندوق تان ا

وہ بولا —

" میں مرنے سے قبل ان میں سے چند کو بھی لے جاؤں گا"

بیلو نے پاؤں پکڑ کر کہا —

" تمہارے بعد میں کیا کروں گی — ؟"

مگر ساون کے چہرے پہ ایک عزم تھا — اور وہ پ

کہ اگر وہ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ پ

سے ہاتھ نہ آئے گا — بلکہ مقابلہ کرے گا۔ مر جائے گا یا مار

گا —

مگر تلاش کرنے والے اسے تلاش نہ کر سکے اور وا

لوٹ گئے —

اچانک انور چونک پڑا —

رات کے دھندلکے میں اس نے دیکھا کہ بنگلے کے باہر لان

میں جہاں گھنے اور پھولدار پودے تھے وہاں ایک نوجوان کھڑا

تھا۔ وہ اوپر کی جانب اشارہ کر رہا تھا —

اس نے خود سے کہا —

" یہ یہاں کیا کر رہا ہے — ؟"

اور پھر اس نے دیکھا ریحانہ وہاں آگئی تھی - دونوں ایک دوسرے

سے گلے ملے اور ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ادھر ادھر ٹہلنے لگے —

پھر وہ ایک بنچ پر بیٹھ گئے اور نہ جانے کیا باتیں کرنے لگے
— انور نے دیکھا بار بار وہ ریحانہ کو سینے سے چمٹا لیتا۔
اور بڑا والہانہ پیار کرتا تھا —
اس کا خون کھول اٹھا —
یہ فحاشی تھی۔ بدمعاشی تھی —
اس نے بھی پیار کیا تھا۔ اور سونیا سے زیادہ اور کوئی کیا پیار کر سکتا تھا۔ مگر کبھی بھی انہوں نے ایسی اخلاق سے گری ہوئی حرکات نہ کی تھیں — وہ غصے سے کانپنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ابھی اس نوجوان کو گریبان سے پکڑے اور بازپرس کرے —
مگر پھر اسے رخسانہ کا خیال آیا جس نے سینما میں بے عزتی کے بعد اسے معاف کر دیا تھا۔ اور کہا تھا۔ کہ یہ شہری زندگی ہے۔ یہاں بہت کچھ ہوتا ہے۔ تم کوئی بھی اقدام کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ لیا کرو —
اس نے سوچا —
"مجھے رخسانہ بی بی سے پوچھ لینا چاہیئے — ایسا نہ ہو وہ برا مان جائیں —"
چنانچہ وہ سیدھا رخسانہ کے کمرے میں گیا۔ اور دروازہ زور زور سے پیٹ ڈالا اور چلایا —

"رخسانہ بی بی جلدی سے آؤ —"
وہ ابھی ابھی شب خوابی کا لباس پہن کر بستر پر لیٹی تھی اور کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی —
گھبرا کر وہ بولی —
"کیا ہے — ؟"
"ذرا باہر آیئے — جلدی سے —"
وہ بولا —
جلدی سے اسی حالت میں وہ باہر نکلی اور بولی —
"بات کیا ہے — ؟"
"میرے ساتھ آیئے میں ایک سین آپ کو دکھاؤں —"
وہ یوں بولا جیسے کوئی انتہائی اہم بات ہو —
وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے میں پہنچی اور بولی —
"بتاؤ بھی کیا بات ہے — ؟"
وہ سخت الجھن میں تھی — اور اسے کوئی خاص اور اہم بات سننے کی توقع تھی — اس نے رخسانہ کو کھڑکی میں لا کر سامنے کا منظر دکھایا۔ اس وقت ریحانہ اور وہ نوجوان ہاتھوں میں ہاتھ دیئے بیٹھے تھے —
"ابھی ابھی — یہ گلے مل رہے تھے —"
وہ یوں بوکھلایا ہوا۔ اور غصے سے بولا جیسے یہ انتہائی

اہم بات ہو —

ہنس ہنس کر رخسانہ لوٹ پوٹ ہوگئی اور بولی —

"بس اتنی سی بات ہے —؟"

"تو کیا یہ کوئی بات نہیں ہے؟"

وہ گھبرا کر اور حیرانی سے بولا —

"ارے پاگل وہ جاوید بھائی ہیں — ریحانہ کی ان سے منگنی ہو گئی ہے — وہ رات کو چوری چھپے اس سے ملنے آتے ہیں — بس اتنی سی بات ہے — ریحانہ باجی ان کی ہونے والی بیوی ہیں —"

رخسانہ نے بتایا —

"اگر سیٹھ صاحب اور بیگم صاحبہ نے دیکھ لیا تو —؟"

اس نے دوسرا سوال کر دیا —

"وہ بھی اس بات کو نظر انداز کر دیں گے —"

کندھے جھٹک کر وہ بولی —

"عجیب بات ہے — وہ لوگ اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہیں اخلاقی تقاضوں کا بھی خیال نہیں رہا — یہ تو بڑی بات ہے —"

اس نے افسردگی اور شرمندگی سے کہا —

"تم ان باتوں کا خیال نہ کیا کرو — شہروں میں اس بات کو آزاد خیالی اور کلچر کا نام دیا جاتا ہے — اور بری بات خیال نہیں کیا

شادی سے قبل کی یہ ملاقاتیں ان لوگوں کی ضرورت ہیں اور اس سے ان کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے —"

وہ بولی —

"میں شرمندہ ہوں — میں نے آپ کے گھریلو معاملات میں دخل دیا — دراصل ہمارے ہاں ایسی باتوں کو اچھی بات خیال نہیں کیا جاتا —"

انور نے جواب دیا —

وہ چپ رہی اور کرسی پر بیٹھ گئی — اچانک وہ بولی —

"ایک بات پوچھوں —؟"

"جی —"

وہ بولا —

"تم نے سونیا سے پیار کیا ہے نا —؟"

رخسانہ نے پوچھا —

وہ چپ رہا —

"جواب دو —"

رخسانہ نے کہا —

"آپ عورت ہیں — اور ہمارے ہاں عورتوں کے روبرو ایسی باتیں کرنا معیوب خیال کیا جاتا ہے — میں ایسی باتوں کا جواب نہیں دوں گا —"

اس نے شرم سے کہا —

"یہ شہر ہے۔ یہاں ایسی باتوں کو معیوب خیال نہیں کرنا چاہیئے — اور تم بھی تو اسی شہر کے باشندے بن چکے ہو۔ بے تکلف مجھے بتاؤ —"

رخسانہ نے انگڑائی لے کر کہا —

"جی — میں نے سونیا سے پیار کیا ہے۔ اور وہ میری منگیتر بھی تو ہے —"

ساون نے بتایا —

"تمہیں اس سے کتنا پیار ہے —"

وہ بولی —

"جی — بہت ہی زیادہ —— اب میں بھلا اس کی کیا مثال دوں یعنی آپ یوں سمجھ لیں۔ جتنا اس نوجوان کو ریحانہ بی بی سے — یا وہ بھی کچھ کم ہوگا — جتنا سونیا کو مجھ سے — یعنی مجھے سونیا سے۔"

انور نے بتایا —

"یہ کیا مثال دی تم نے —"

رخسانہ اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتی ہوئی بولی —

"جی — میں کیا مثال دوں — ہاں اب سمجھا — سونیا کو مجھ سے اتنا پیار ہے — جتنا — جتنا آپ کو مجھ سے —"

اس نے کہہ دیا —

"یہ ٹھیک ہے —"

وہ غصے سے زمین پہ پاؤں مار کر بولی — اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی —

اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور بولا —

"غلطی ہو گئی —"

اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ بوکھلاہٹ میں صرف اس کی طرف داری حاصل کرنے کو یہ بات کہہ گیا ہے — وہ کھلکھلا کر ہنس دی اور بولی —

"تو واقعی بڑا سیدھا ہے"

وہ ہنسنے لگا — جیسے سادہ ہونا بھی اس کی ایک اضافی صفت ہو —

"اب سو جاؤ —"

وہ بولی —

"اور ریحانہ باجی کو ان کے حال پر چھوڑ دو — یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے۔ وہ اس سے خود نمٹ لیں گی — تم کوئی فکر نہ کرو — اور اب وہاں تاک جھانک بھی نہ کرنا — سب ٹھیک ہے —"

"بہتر —"

اس نے جواب دیا —

رخسانہ چلی گئی اور وہ دروازہ بند کر کے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا — اور خود سے بولا —

"تم بھرد پئے ہو — انور — تمہارے وجود پہ دبی کیپسول چڑھو

گیا ہے۔ جس میں بیگم صاحبہ دوا بھر کر کھاتی ہیں۔

اور پھر وہ نہ جانے کس خیال سے کھکھلا کر ہنس پڑا۔

اور بڈھا نورجیا اسی حالت میں بستر پر گر کر سو گیا۔

۵

ڈاکٹو کی لاش جب بستی میں لائی گئی تو رات کو تمام بستی والے لاش کے اردگرد جمع ہو گئے۔ بستی کے بڑے بھی جمع ہو گئے تمام لوگ افسردہ تھے۔ اور ڈاکٹر خون میں لت پت مردہ پڑا تھا۔

ٹھیکے دار نے کہا۔

تمہارے ساتھی نے بے گناہ ڈاکٹر کو قتل کر دیا ہے۔"

وہ کچھ سوچتے رہے پھر بشیرو بابا نے کہا۔

"ساون نے اسے کہاں قتل کیا۔"؟

سمندر کے کنارے ـــــ اس نے سمندر کے کنارے
اسے گولی مار دی ـــ

"تم جھوٹ بولتے ہو ـــ"

وہ غصے سے چیخا ـ

"بکواس بند کرو ـــ"

ٹھیکے دار نے زوردار طمانچہ شیرو بابا کے منہ پہ مارا ـ
بستی کا ایک نوجوان یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکا ـ دلوں
میں دبی ہوئی راکھ کے نیچے سے چند چنگاریاں ابھریں ـ
اور اس نے اپنا چپو زور سے ٹھیکے دار کے سر پر دے مارا ـ
مار نے ان لوگوں میں بغاوت پیدا کر دی تھی ـــ
پل بھر میں ٹھیکے دار کے آدمیوں نے اس نوجوان کو مار
کر ادھ موا کر دیا ـــ اور اگر بستی کے کچھ اور لوگ جوش میں
مقابلے پر تل جاتے ـ تو وہ اسے جان سے مار دیتے ـ
ٹھیکے دار کے سر سے خون بہہ رہا تھا ـــ وہ اپنا ہاتھ
سر پر رکھ کر خون روکتے ہوئے بولا ـ

"تم لوگوں کو اس خون کا بڑا سخت معاوضہ دینا ہوگا،
دیکھ لیں گے ـــ"

غصے سے شیرو بابا نے کہا اور ادھر تھوک دیا جدھر وہ
لوگ گئے تھے ـــ وہ ڈاکٹر کی لاش وہیں چھوڑ گئے تھے

"ساون نے ڈاکٹر کو کیوں قتل کر دیا ـــ؟"
ساون کی بہن شیریں نے اپنے شوہر عالم سے پوچھا ـ وہ سب
سے زیادہ خوفزدہ تھی ـــ
عالم نے کوئی جواب نہ دیا ـــ بلکہ شیرو چاچا بولا ـ

"اسے ساون نے نہیں مارا ـــ"

"ساون نے نہیں مارا ـــ وہ کیوں ـــ؟ ساون بھی تو
غائب ہے ـــ؟"

عالم نے خدشہ ظاہر کیا ـــ

"تم سب احمق ہو ـــ ساون کے پاس بندوق کہاں تھی ـ
اور یہ تو بندوق سے مرا ہے ـ ان لوگوں نے ڈاکٹر کو خود مار
دیا ہے ـ اور خون ساون کے سر تھوپ دیا ہے ـ میرا خیال ہے کہ
انہوں نے ساون اور اس کے بیوی بچے کو بھی ہلاک کر دیا ہے ـ
ـــ وہ بھی موجود نہیں ہیں ـــ"

شیرو بابا نے کہا ـ

"نہیں ـــ"

اس بری خبر پہ صونیا نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر گویا چیخ ماری
"یا ہو سکتا ہے ساون پہاڑیوں میں چھپ گیا ہو ـــ"

وہ بولا ـ

"یہ بھی ہو سکتا ہے ـ"

سبھی نے کہا ۔

" ایسی صورت میں ہمیں اس کی حفاظت کرنی ہو گی ۔ ہم بستی کے ان بڑوں سے ضرور انتقام لیں گے ۔"

" مگر اس کا یہ ثبوت بھی تو موجود نہیں کہ ڈاکٹر اور ساون کا جھگڑا نہیں ہوا تھا ۔ کوئی بات تو ہوئی ہو گی ۔"

" بات ہوئی ہو یا نہیں ۔۔۔ ساون بے گناہ ہے ۔"

شیرو بابا نے کہا ۔

" یہ تو صرف تمہاری رائے ہے ۔"

عالم نے کہا ۔

" رائے یا خیال نہیں بلکہ تم حالات کا جائزہ لو تو دیکھو گے کہ ساون بے گناہ ہے ۔ میں نے آتی عمران ہی شاطر لوگوں میں رہ کر ان کی شاطرانہ چالوں کو دیکھا ہے ۔۔۔ یہ بہت برے لوگ ہیں ۔ تم خود غور کرو کہ رات کے دوسرے پہر یہ سب لوگ ساحل سمندر پہ کیا لینے گئے تھے ۔۔۔ ضرور وہاں انہوں نے ساون کو اغوا کر کے قتل کرنے کی سازش ہو گی ۔۔۔ اور اس لڑائی میں ساون نے ڈاکٹر کو مار دیا ۔۔۔"

شیرو بابا نے بتایا ۔

" ساون نے فرار ہونے کی کوشش کی ہو گی نا ۔۔۔؟"

ایک نوجوان نے پوچھا ۔

اگر اس نے یہاں سے باہر جانا چاہا تو اس میں ان لوگوں کو کیا تکلیف ۔ یہ ہمارے مالک ہیں کیا ۔۔۔ یہ ہم لوگوں کو کیوں شہر جانے نہیں دیتے ۔۔۔"

شیرو بابا نوجوانوں میں جوش بھر رہا تھا ۔۔۔

" ہاں یہ تو ہے ۔۔۔"

ایک نوجوان سوچتے ہوئے بولا ۔۔۔

" ضرور کوئی ایسی بات ہے جو ہمارے فائدے اور ان لوگوں کے نقصان کا باعث ہو سکتی ہے جس سے ڈر کر یہ لوگ ہمیں بستی سے باہر نہیں جانے دیتے ۔۔۔ ہم سب شہر جائیں گے ۔ مل کر ۔ ان لوگوں نے ہمارا راستہ روکا تو ہم میں سے کچھ کم ہو جائیں گے تو بھی پرواہ نہیں ۔۔۔ مگر ہم یہاں قید نہیں رہیں گے ۔۔۔"

شیرو بابا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا ۔۔۔

" ہم شہر ضرور جائیں گے ۔۔۔"

وہ سب بولے ۔۔۔

" کل ہمیں ساون کو تلاش کرنا ہو گا ۔۔۔ تاکہ اسے بھی یہاں سے لے جائیں ۔ ورنہ وہ ان لوگوں کے قابو آ گیا تو وہ اسے ہلاک کر دیں گے ۔۔۔"

عالم ساون کی طرف سے فکر مند تھا ۔

"وہاں دن چڑھ لینے دو — ہم اسے ضرور تلاش کریں گے۔
اور کل سے کوئی کام پر بھی نہیں جائے گا — ہم بھوکوں مر جائیں گے
صرف مچھلی پکڑ کر کھائیں گے — ان لوگوں کی غلامی نہیں کریں گے"

شیرو بابا نے ایک نعرہ سا لگایا —

"ہاں کل سے کام نہیں ہوگا —"

سبھی نوجوانوں نے جوش سے کہا —

بستی کی ایک بوڑھی عورت نے دوسری سے سرگوشی کی۔

"یہ لڑکے ہمیں تباہ کر دیں گے — میری ماں بڑی اللہ والی
تھی — وہ کہا کرتی تھی کہ جب جزیرے پر سرکش نوجوان پیدا ہو جائیں
گے۔ تو وہ کام بھی نہ کریں گے اور جزیرے پر انسانی خون
بہنے لگے گا تو اس وقت یہ جزیرہ تباہ ہو جائے گا۔

میں دیکھ رہی ہوں وہ سب کچھ ہو رہا ہے — نوجوان سرکش
ہو گئے ہیں — انہوں نے کام پر جانے سے انکار کر دیا ہے اور
جزیرے پر پہلا انسانی خون بہا ہے —

اب اس جزیرے کی خیر نہیں —"

"ہاں خدا اپنا رحم کرے —"

دوسری نے بھی فکر مندی اور خوف سے جواب دیا —

شیرو بابا نوجوانوں سے کہہ رہا تھا —

"وہ بزدل جاتے ہوئے اس لاش کو ہمارے پاس چھوڑ گئے۔

ہم اس لاش کو نہ تو سنبھال سکتے ہیں — ہمیں پہلا شوشکے وارثوں
کو واپس کرنی ہوگی۔

یہ لاش ان کو پہنچا دو —"

"ہم اس لاش کو وہاں نہیں لے جا سکتے۔ ان کے پاس
بندوقیں ہیں وہ ایک لاش کے ساتھ چند لاشیں اور بڑھا دیں گے —"

ایک نوجوان نے کہا —

"وہاں جانے کی ضرورت نہیں —"

شیرو بابا نے کہا —

"لاش لے جا کر مسجد میں ڈال دو — وہ خود اٹھا لیں گے"

ہاں ٹھیک ہے — کچھ

نوجوانوں نے کہا —

اور کچھ نوجوانوں نے لاش گھسیٹ کر مسجد کی سیڑھیوں پر
ڈال دی اور خود واپس لوٹ آئے —

شیرو بابا نے ان سے کہا —

"کل سے سبھی نوجوان بستی میں پہرہ دیں گے اور کسی شخص
کو بستی میں نہ آنے دیں گے — ہم لوگ — ان لوگوں کو خود
سے دور رکھیں گے — وہ خود تو کام کرنے سے رہے —"

"ہاں وہ بستی میں نہیں آئیں گے —"

نوجوان نے جواب دیا —

چنانچہ شیرو بابا نے کچھ لوگوں کی ڈیوٹیاں لگا دیں کہ وہ
بستی کے سروں پر ڈیوٹیاں دیں اور کسی بھی شخص کو جو بستی
کا باشندہ نہ ہو بستی میں آتا دیکھیں تو مقابلہ کریں — اور یہ بھی
کہ کوئی بھی مزدور کل سے کام پر نہیں جائے گا — وہ اب
اس جزیرے کو ان لوگوں سے خالی کروانا چاہتا تھا۔ اور
اس نے آزادی کی تحریک شروع کر دی تھی — آزاد وطن کا
ایک باشندہ چند ڈکٹیٹر اور ظالم سرمایہ داروں سے آزادی
حاصل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھا —
اور بستی کے سبھی نوجوانوں نے اس کا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا۔
بلکہ یہ آگ خود بستی کے ظالم سرمایہ داروں نے لگائی ہوئی تھی۔
شیرو بابا نے کہا —
"کل صبح ہی ہم سورج نکلتے ہی ساون کو تلاش کریں گے۔
اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے — ہم نے وہ ہار
فروخت کرنا ہے — اسی میں ہماری بہتری ہے —
اور وہ ساون کا بھی جائز حق ہے —"
چنانچہ اس رات کوئی بھی بستی کا مکین سو نہ سکا۔
سونیا — عالم اور شیریں — اپنی کوٹھڑی میں بہت
افسردہ تھے — وہ ساون کے سب سے قریبی رشتہ دار
تھے اور ان پر سب سے پہلے ظلم ہو سکتا تھا — مگر شیرو بابا

کو پرواہ نہ تھی —
وہ ذلت کی اس زندگی سے نجات پا کر آزاد فضا میں
سانس لینا چاہتا تھا —
جہاں سب کچھ ان کا ہوتا

۵

انور سو گیا۔

اس نے خواب دیکھا۔

وہ اس کی سونیا تھی اور وہی جزیرہ تھا جہاں سے وہ بھاگا تھا — سب کچھ وہی تھا — وہی لوگ تھے — اور وہی ماحول تھا —

جیسے وہ خود مدت کے بعد لوٹا ہو — اور کشتی اس کے پاس ہو اور چند دنوں بعد اس کی اور سونیا کی شادی ہونے والی ہو —

سونیا نے اس سے شکایت کی۔

"تم نے مجھے بہت تڑپایا ہے — میں نے تمہارا بہت انتظار کیا — تم کہاں چلے گئے تھے — میں تو مایوس ہو گئی تھی — میں تمہیں دن رات یاد کرتی رہی ہوں اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں اب بھی اس پہاڑی پر بیٹھی انتظار کرتی ہوں جس پر تم مجھے چھوڑ گئے تھے — اور میں دن رات کے کئی کئی گھنٹے اس چٹان پر بیٹھ کر تمہارے راستے دیکھا کرتی تھی کہ جانے کب تم کشتی میں آ جاؤ — مگر ہر بار تم نے مجھے مایوس کیا —

کئی بار میں نے تمہیں دور سے آتا ہوا دیکھا — تم مسکراتے اور کشتی کھیتے آ رہے تھے — مگر پھر سمندر کی جھاگ اڑاتی — چنگھاڑتی ہوئی کوئی بے رحم لہر تم کو نگل گئی اور مجھے علم ہوا کہ یہ میرا تخیل تھا جس نے تمہیں دور سے آتا دیکھا۔ اب وعدہ کرو کہ تم واپس نہیں جاؤ گے —"

"میں واپس ضرور جاؤں گا سونیا —"

انور نے کہا —

"کیونکہ اب میں یہاں جزیرے پر نہیں رہ سکتا — شہر میں مجھے بہت اچھا کام مل گیا ہے اور میں تمہیں بھی شہر لے جاؤں گا جہاں ہم بہت خوش رہ سکیں گے — تم راج کرو گی۔

وہاں سونیا ——"

" مجھے تمہاری ضرورت ہے راجہ کی نہیں ——"

سونیا نے کہا۔

اچانک انور نے کہا ——

" ساون اور ببلو بھابھی کا کیا حال ہے۔ پرویزاب اچھا کیا ——؟"

وہ چپ رہی ——

" بتاؤ سونیا —— بتاؤ کیا بات ہے ——؟"

بے تابی سے انور نے پوچھا۔

" انور ——"

وہ افسردگی سے بولی ——

" بہت بُری خبر ہے —— بہت ہی بُری — میں تمہیں بتانے کا حوصلہ نہیں کر پا رہی ہوں۔ بتاؤ میں تمہیں سب حالات کیلئے؟

" سونیا مجھے سب کچھ جلدی سے بتا دو ——"

وہ بولا

" انور ——"

وہ آہستہ سے بولی جیسے کنوئیں سے بول رہی ہو۔

" تم نے اس ہار کے بارے میں سُنا تھا جو ایک مہاراجہ کا سفینہ میں گر گیا تھا اور وہ بہت ہی قیمتی تھا —— بڑے

ہار کے بارے میں باتیں سنایا کرتے تھے —— اور یہ بھی کہ وہ ہار نہیں ملا تھا —— اور وہ اتنا قیمتی ہار تھا کہ اس سے اس جزیرے جیسے کئی جزیرے خریدے جا سکیں ——"

" ہاں ہاں —— وہ ہار مل گیا کس کو ——؟"

انور نے پوچھا

" ہاں — ساون کے جال میں وہ ہار پھنس کر آ گیا ——"

وہ بولا۔

" پھر —— پھر کیا ہوا ——؟"

انور نے پوچھا ——

" ساون نے وہ ہار فروخت کرنے کی کوشش کی مگر ان لوگوں نے جو جزیرے کے بٹیرے کہلاتے ہیں ہار اس سے خریدنے کی بجائے چھیننے کی کوشش کی اور ساون کے دشمن ہو گئے رات کو انہوں نے ساون کے گھر پر حملہ کر دیا —— اور ساون نے حملہ آوروں میں سے ایک کو ہلاک کر دیا ——

انہوں نے ساون کو پکڑنا چاہا —— مگر ساون بھاگ گیا۔

پھر ——

انہوں نے ساون کی بجائے خود اسے گرفتار کر لیا۔ کیونکہ وہ ساون کا بھائی تھا اور سزا کے طور پر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے کشتی کے پیچھے باندھ دیا گیا ——

اور سمندر میں گھسیٹا گیا۔
اس حالت میں وہ تیر بھی نہ سکتا تھا اور اس کا برا حال
تھا —— وہ چیخنے چلانے لگا اور اس نے بڑا شور مچایا۔
اس دم گھٹنے لگا۔
اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اسے جھنجھوڑ رہا
ہے — اس نے آنکھیں کھولیں —
رخسانہ اسے جگا رہی تھی — فکرمندی سے وہ بولی۔
"کیا بات ہے میں تمہارا شور سن کر آئی ہوں۔ اتنی رات
گئے تم نے بہت شور مچایا کیا ہوا تھا ——"
"میں نے ایک ڈراونا خواب دیکھا ہے ——"
وہ بولا
"کیا خواب تھا —— ؟"
اس نے پوچھا
"خواب بے حد ڈراونا تھا ——"
وہ فکرمندی اور خوف سے بولا۔ خدا میرے قبیلے والوں
اور بھائی پر رحم کرے ——
"کچھ بتاؤ گے بھی —— ؟"
اس نے پوچھا
اور انور نے ساری باتیں بتا دیں ——"

وہ صرف کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔
"یہ تمہارا وہم ہے —— تم اپنے گھر سے دور ہو نا!
—— ان لوگوں کی یاد نے تمہیں پاگل کر دیا ہے۔ زندگی
میں پہلی بار ان سے دور ہوئے ہو۔
ایسی بات نہیں ——"
وہ بولا۔
"رخسانہ بی بی ہم لوگوں کے دل صاف ہیں۔ ہم سچی
بات کرتے ہیں۔ اور خواب بھی سچے دیکھا کرتے ہیں ——
یہ خواب سچا ہے ——"
"اچھا اب سو جاؤ ——"
وہ ایک دم سے غصے میں آ گئی ——
"سچے خواب دیکھتا ہے —— میں تسلی دے رہی ہوں
اور وہ اپنے صاف دل کی باتیں بتا رہا ہے ——"
وہ چپ رہا اور رخسانہ چلی گئی۔
وہ سوچنے لگا۔
"ضرور قبیلے والے کسی مشکل کا شکار ہو گئے ہوں گے۔
میرے بھاگ آنے کے بعد سادن پر ضرور کوئی مصیبت پڑی ہوگی۔
وہ لوگ میرا بدلہ میرے بھائی سے بھی تو لیں گے۔
میں نے بلاوجہ بھائی کو مصیبت میں پھنسا دیا —— نہ جانے

وہ اس سے کیا سلوک کر رہے اور شاید اسے ہلاک ہی کر دیا
مجھے واپس جانا ہوگا۔ تاکہ بھائی کے سر سے یہ عذاب دور ہو۔
میں اپنے جرم کی سزا اپنے بھائی کو نہ ملنے دوں گا۔ وہ بے گناہ
ہے اس کا کوئی اور نہیں ——"

ذہن نے پھر کہا ——
"اگر تم وہاں گئے تو وہ لوگ تمہیں بھی ہلاک کر دیں اور
بھائی کے ساتھ تم بھی اپنے آپ کو کھو دو ——"
اس کا ذہن فیصلہ نہ کر رہا تھا —— سر گھوم رہا تھا ——
وہ بے چارہ عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا ——
حالات نے عجیب رنگ بدلا تھا —— اس نے
سے کہا۔
"میں نے جزیرے سے بھاگ کر بہت بڑا جرم کیا ہے۔
سب لوگوں کا مجرم ہوں۔ مجھے خود کو جزیرے کے بڑوں کے
اور دینا ہوگا —— تاکہ مجھے میرے جرم کی سزا ملے۔ ان غریب لو
پر تو پہلے ہی عرصۂ حیات تنگ ہے ——"
وہ سوچتا رہا —— مگر پھر وہ اپنے ہی فیصلے کو رد کر
ایک دم سے اس کے سامنے سونیا کا ہولیہ آ گیا وہ کہہ رہی تھی
"ساون تم تو کشتی لینے آئے ہو —— تاکہ مجھے لا
سکو۔ اب کیا تم جزیرے میں واپس آنے کا فیصلہ کر کے اپنا

ارمانوں کا گلا دبا رہے ہو،
یہ بزدلی ہے اور گناہ بھی —— تم اپنا وعدہ پورا کرو —— ہم
یہاں نمٹ لیں گے۔
ہماری تو زندگی ہی مصائب کے لئے ہے۔ تم اپنا کام کرو۔
ہم اپنے مصائب جھیلیں گے ——"
اور پھر اس نے کشتی ملنے تک وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا ——
وہ خود سے بولا۔
"سونیا —— انتظار کرنا —— میں جلد آؤں گا۔ تمہارے لئے موٹر
والی کشتی لے کر —— اور پھر تم میری دلہن بنو گی ——"

جمع ہو گئی۔

اس روز نہ تو کوئی کام پر گیا —— اور نہ ہی کسی جھونپڑی سے
دھواں اٹھا۔

یہ گویا ایک احتجاج تھا ——

ان لوگوں کو ساون نے بہتر مستقبل کی روشنی دکھائی تھی اور
جزیرے کے بڑے ان کے مستقبل کے راستے میں رکاوٹ بن
رہے تھے ——

صبح ہی صبح وہ سب ساون کے گھر کے سامنے جمع ہو گئے

جھونپڑی خالی پڑی تھی۔ ہر شے موجود تھی —— اور ویسے ہی اپنی
مقررہ جگہ رکھی تھی۔ صرف جھونپڑی کے مکین موجود نہ تھے۔

شیرو بابا نے نوجوانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"دوستو اور بھائیو —— بستی کے ایک بہادر اور ہمارے
بھائی ساون کی زندگی کی حفاظت اور اس کے ساتھ ساتھ اس عہد کی
حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے میں آپ لوگوں سے استدعا
کرتا ہوں کہ آپ اسی مسئلے پر متحد ہو جائیں اور ابھی ابھی ہم
جزیرے کی پہاڑیوں میں ساون کی تلاش کرنے جائیں گے ——
یقیناً وہ ان ہی پہاڑیوں میں چھپا ہو گا —— ہم اسے واپس
لائیں گے اور اس کے بعد جزیرے کے ان ظالم حکمرانوں سے
ہماری کھلی جنگ ہو گی۔ ساون شہر جائے گا —— اور پار پہنچے گا۔
یہ اس کا حق ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکے گا ——"

"ساون شہر جائے گا ——"

"ساون شہر جائے گا ——"

سبھی جوش میں چلانے لگے ——

شیرو بابا نے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ تاکہ ہم ساون کو تلاش کر سکیں۔ اور پھر ہم
اسے شہر بھیجنے کا انتظام کریں گے ——"

اور سبھی نوجوان۔ عورتیں مرد بچے اور بوڑھے شیرو بابا

کے ساتھ چل پڑے — وہ بڑی تیزی سے اور جوش کے
عالم میں بلند آوازوں میں وہ لوگ گیت گاتے بڑھ رہے تھے
جس کے بول تھے۔

"ظالم ظلم کرتا ہے — ہم ڈریں گے نہیں —

"آزادی ہمارا حق ہے — اور ہم آزادی کے لئے مر جائیں
گے —"

جزیرے پر ایک تحریک شروع ہو چکی تھی۔ آزادی کی۔
مگر کن لوگوں سے آزادی —

جنہوں نے ان لوگوں کو ناجائز طور پر اپنا محکوم بنا رکھا تھا۔
یہ سرمایہ داروں سے آزادی حاصل کرنے کی تحریک تھی —
تاکہ وہ بھی اس سرزمین پر اور ملک میں اپنا حق حاصل کرنے
کی تحریک تھی — تاکہ وہ بھی اس سرزمین اور ملک میں اپنا
حق حاصل کر سکیں جس پر انہوں نے جنم لیا ہے۔ اور جس کا انہیں
حق تھا —

وہ سبھی چٹانوں میں جا پہنچے —
اور پھر سب چونک کر رک گئے۔

مولوی — جاگیر دار — دکاندار اور ٹھیکے دار — وہ سبھی
اپنے گماشتوں کے ساتھ بندوقیں لئے ان پہاڑیوں میں گھوم رہے
تھے۔ نوجوانوں نے چپو بلند کئے اور گویا ان پر پل پڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔

— مگر دور اندیش اور زمانہ شناس شیرو بابا ان کے سامنے
آ گیا —

اس نے کہا۔

"پہل ہماری طرف سے نہیں ہو گی —"

"مگر وہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں — ؟"

ایک نوجوان بولا۔

"وہ جو سادن کو تلاش کر رہے ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ سادن انہیں
نہیں ملا۔ ورنہ ہمارے یہاں آنے سے پہل کھیل ختم ہو چکا ہوتا —"

شیرو بابا نے کہا۔

اچانک ٹھیکے داران کے سامنے آ گیا۔ وہ غصے سے پھنکار کر بولا۔

"تم لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہو — ؟"

"اور میں یہی سوال تم سے کرتا ہوں —"

شیرو بابا بھی گرجا —

"تم — تم معمولی کیڑے مکوڑوں کی زندگی گزارنے والے —
میرے سامنے اس انداز سے بات کر رہے ہو —"

وہ چلایا۔

"تمیز سے بات کرو۔ نہ تم آقا ہو نہ ہم غلام —"

شیرو بابا بھی چلایا۔

"یہاں سے بھاگ جاؤ — ورنہ تم میں سے کچھ کم ہو جائیں

گئے ــــ "

اس نے دھمکی دی۔

"اور تم میں سے شاید ایک بھی زندہ نہ رہے ـــ چاہے اس کے لیے ہم سبھی کی جان چلی جائے۔"

شیرو بابا کا چہرہ غصے سے تمتا رہا تھا ـــ

"ٹھیکے دار نے اپنے گماشتوں کو اشارہ کیا اس سے پہلے کہ وہ فائر کر کے ان لوگوں کو ختم کر دیتے ـ مولوی جو بزدل شخص تھا. سامنے آ گیا ـــ وہ آہستہ سے بولا۔

"لڑائی اچھی چیز نہیں ـــ کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے ـــ"

"لے جاؤ اپنی کتابوں کو اور انہیں سمندر میں پھینک دو ـــ اگر کتابوں میں وہ سب باتیں لکھی ہوئی ہیں جو تم یہی بتاتے ہو تو ہمیں ایسی کتابوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ـ یہاں سے بھاگ جاؤ اور ہمیں آئندہ کتابوں کی باتیں مت بتانا ـــ"

شیرو بابا گرجا ـــ

مولوی نے دوسرے لوگوں کے چہروں کی جانب دیکھا۔

سبھی کے چہروں پر سختی تھی اور گویا یہ اس بات کا نشان تھا کہ وہ سب مولوی سے متفق ہیں ـــ اس نے کہا ـــ

"اب کیا چاہتے ہو ـــ؟"

"ہم ساون کو تلاش کریں گے ـــ وہ ہمارا آدمی ہے تم یہاں

سے بھاگ جاؤ ـــ"

شیرو نے کہا ـــ

انہوں نے کچھ مشورے کئے مولوی نے ان لوگوں سے کہا

"یہ لوگ ساون کو تلاش کر لیں تو زیادہ بہتر ہے۔ وہ بھاگ کر کہاں جائے گا۔ ہم تمام راستے بند کر دیں گے"

دوسروں نے اس سے اتفاق کیا اور چلے گئے۔

جزیرے والے ادھر اُدھر پھیل گئے۔ اور چٹانوں کی دراڑوں تک میں ساون کو تلاش کرنے لگے ـــ

ساون ـــــ اور ببلو اپنے بچے ساتھ ایک پہاڑی کھوہ میں چھپے ہوئے تھے انہوں نے اپنے آپ پر گھاس پھوس ڈال رکھا تھا اور خود کو چھپایا ہوا تھا ۔

قبیلے والے ان کو ڈھونڈتے رہے مگر وہ انہیں تلاش نہ کر سکے سبھی لوگ ایک ایک کر کے وہاں سے گذر گئے ایک بار جب سونیا ان کے قریب سے گزری ببلو نے ساون سے کہا ـــ

" اسے ہم بلا کر حالات سے باخبر ہو سکتے ہیں ـــــ سونیا ہمارا

دشمن نہیں بن سکتی ـــ "

" نہیں ۔ "

سختی سے ساون نے اسے منع کر دیا ۔ اور اس کے کان کے پاس منہ لے جا کر بولا ۔

آہستہ بات کرو ۔ اور اس بات کو نظر انداز نہ کرو کہ میں نے ایک قتل کر دیا ہے اور یہ لوگ قاتل سے نفرت کرتے ہیں ۔ سونیا بھی تو اسی قبیلے سے ہے ۔ وہ بھی اب مجھ سے نفرت کرے گی اور ہمیں دیکھتے ہی شور مچا دے گی ۔ اور ایسی حالت میں اگر ہم قابو آگئے تو یہ لوگ ہمیں جان ہی سے مار دیں گے ـــــــــ

" تو اب ہم کیا کریں ـــــ "

وہ فکر مند سے بولی ۔

" جب یہ چلے جائیں گے تو رات کو ہم کوئی اقدام کریں گے ابھی مشکل ہے ـــ ابھی تم بھی کوشش کرو کہ کسی صورت پرویز چپ رہے اور رونہ پڑے ـــ اگر یہ رونے لگا تو ہم زیادہ مصیبت میں پڑ جائیں گے ـــــ "

ساون نے جواب دیا ـــ

اپنی چھاتی کو اس نے اتنے زور سے بچے کے منہ میں دبا کہ جیسے اس کی آواز ہمیشہ کے لئے بند کر دینا چاہتی ہو ـــ

وہ زرد سے سورج کو دیکھ رہے تھے ـــــ

دوپہر تک وہ لوگ ساون کی تلاش کرتے رہے اور پھر واپس لوٹ گئے۔ انہیں ساون اور جبو نہ ملے تھے۔۔۔

شیرو بابا نے کہا۔۔۔

"وہ یہاں سے چلا گیا ہے۔۔۔"

"کہاں جا سکتا ہے۔۔۔ کوئی کشتی بھی تو غائب نہیں۔۔۔"

ایک نوجوان نے کہا۔

"وہ تیر کر تو جانے سے رہا اور میں نے خود دیکھا ہے۔ ان لوگوں نے ساون کی کشتی میں سوراخ کر کے اسے سمندر میں چھوڑ دیا تھا اور وہ ڈوب گئی تھی۔۔"

"پھر وہ کہاں گیا۔۔۔؟"

عالم کہتے کہتے رک گیا۔۔۔

"ہاں ہاں کہو تم کیا کہنے والے تھے۔۔۔؟"

شیرو بابا آگے بڑھا۔

"کیا ان لوگوں نے ساون کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دیا ہے"

اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

سبھی کے رنگ زرد پڑ گئے۔۔۔ شیریں سینہ کوٹنے لگی۔ اسے بھائی کی موت کا یقین ہو گیا تھا۔۔۔ سونیا بھی رونے لگی۔

شیرو بابا نے کہا۔۔۔

"یہ ہو سکتا ہے۔۔۔ ورنہ ساون کہاں گیا۔۔۔؟"

"اس کا مطلب ہے انہوں نے ہار بھی چھین لیا۔۔"

لیکن اور شخص نے کہا۔۔۔

"یقیناً۔۔"

شیرو بابا کا چہرہ غصے سے تمتا اٹھا وہ چلایا۔

"اگر کل صبح تک ساون نہ آیا تو ہم بڈھوں کی پہ حملہ کر دیں گے اور ان کے گھروں کو تباہ کر دیں گے۔۔۔ ان کو حق حاصل نہیں کہ وہ ہماری زندگی اور ہر چیز سے کھیلتے رہیں۔"

"ہم ابھی حملہ کر دیں گے۔۔"

نوجوانوں نے کہا۔

"نہیں۔۔۔ پھر۔۔"

شیرو بابا نے انہیں روکا۔۔۔ "ابھی وقت سازگار نہیں۔"

عالم کہہ رہا تھا۔۔۔

"ساون اور ان لوگوں میں جھگڑا ہوا ہوگا۔ اس جھگڑے میں ڈاکٹر مارا گیا ہوگا۔ اور انہوں نے ساون بیلو اور پرویز کو ہلاک کر کے سمندر میں پھینک دیا۔۔۔ جہاں اب تک انہیں مچھلیاں کھا چکی ہوں گی۔۔"

سب افسردہ تھے اور شیریں بین کر رہی تھی۔ مگر وہ بے بس تھے وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔

۵

انور اپنے کمرے میں موجود تھا ـــــ وہ بیکار بیٹھا ہوا تھا کوئی
کام بھی نہ تھا اسے وہ بیکار رہنے کا عادی نہ تھا ۔ اس کا دل چاہ رہا
تھا کہ وہ ابھی چاتے اور باورچی خانے میں برتن صاف کرنا شروع کر
دے مگر یہ مالکان کا حکم نہ تھا ۔ صاف رہنا اور بیکار رہنا بھی اس
کے فرائض میں شامل تھا ـــــ کمرے میں میز پہ بہت سے اردو۔
انگریزی اور بنگالی رسالے رکھے تھے ـــــ مگر وہ ان پڑھ تھا لہٰذا
وہ ضرور رسالے پڑھتا ـــ
اچانک اسے ساتھ والے کمرے سے جاندار اور مترنم قہقہے

سنائی دیئے ـــ یہ رخسانہ اور اس کی سہیلی کے قہقہے تھے
وہ دروازے کے قریب گیا اور کان لگا کر ان کی باتیں سننے
لگا ۔ رخسانہ کی ایک سہیلی کہہ رہی تھی ـــ
"سنا ہے تم نے ایک جانور پالا ہے ـــ"
"ہاں ـــ"
رخسانہ نے شوخی سے جواب دیا ـــ
"مگر میں نے اس جانور کو انسان بنا دیا ہے ۔ تم نے قاضی کے
اس گدھے کی کہانی سنی ہوگی ۔ جس کو اس نے انسان بنانے بھیجا تھا
اور مولوی صاحب نے اسے انسان بنا کر کسی شہر کا قاضی بنوا دیا تھا"۔
وہ کھلکھلا کر ہنس دی اور بولی ـــ
"تو کیا یہ بھی ویسا ہی گدھا ہے ـــ؟"
"اس سے بھی دلچسپ ـــ"
رخسانہ نے جواب دیا ـــ
"مگر تم ایسا کیوں کر رہی ہو ـــ؟"
وہ بولی ـــ
"میں اسے اپنے ناول کا ایک کردار بنا رہی ہوں اور ابو کا یہ
اندازہ غلط ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ غیر مہذب انسانوں کو مہذب بنانا
بہت مشکل ہوتا ہے ۔ میں ابو کو اسے انسان بنا کر دکھاؤں گی"
رخسانہ نے بتایا ـــ

"کیا اس ناول کا تم بھی کوئی کردار ہو ۔۔۔؟"
سہیلی نے پوچھا ۔
"ہاں ۔۔"
بے خیالی میں وہ کہہ گئی ۔۔۔
وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی اور بولی ۔۔۔
"تو کیا ارادہ ہے اب ۔۔۔؟"
"کیسا ارادہ ۔۔۔؟"
رخسانہ نے حیرانی سے پوچھا
"اسے دولہا بناؤ گی ۔۔۔؟"
وہ بولی ۔۔
"تم بنا لو ۔۔"
رخسانہ چڑ گئی ۔۔۔
"میں کیوں بناؤں ۔ میری جوتی بناتی ہے ۔ میرا دولہا تو لندن
میں خوبصورت اور سمارٹ نوجوان ہے ۔۔"
اس نے بتایا ۔۔
"میں اسے بھی لندن کا ٹور لگوائے دیتی ہوں ۔۔"
رخسانہ نے طنز کی ۔۔
"سچ ۔۔"
وہ شوخی سے بولی ۔۔

"ہاں ۔۔ تمہاری خاطر ۔۔"
رخسانہ نے جواب دیا ۔۔
"میری خاطر کیوں ۔۔۔ اپنی خاطر اسے لندن بھیجو ۔۔۔ اس
صورت میں وہ تمہارا شایانِ شان شریکِ زندگی بنے گا ۔"
سہیلی بولی ۔۔
"پروین ۔۔"
وہ غصے سے بولی ۔۔۔
"ایسی غلط باتیں کر کے تم میرا موڈ خراب کر رہی ہو ۔۔۔ میں تو صرف
ایک تجربہ کر رہی ہوں ۔۔"
"اللہ یہ تجربہ کامیاب رہا تو تم بھی اس تجربے پر فخر کیا کرو گی ۔"
"۔۔۔ منظور تجربہ ۔۔"
سہیلی نے جواب دیا ۔۔۔
"اف اللہ ۔۔"
وہ سر پہ ہاتھ مار کر بولی ۔۔۔
"کیوں بنتی ہو ۔۔۔؟"
سہیلی نے اسے پھر چھیڑا ۔۔۔
رخسانہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ۔۔۔
"پروین وہ غریب ضرور ہے ۔ مگر بے حد خلوص ۔ نیک نیتی اور سچائی
کا مالک ، وہ بہت اچھا نوجوان ہے ۔۔۔ اس کا جرم صرف اس قدر

ہے کہ ایک تو وہ غریب ہے۔ دوسرے وہ ان پڑھ ــــ مگر یہ
دو جرائم اس کی انسانیت کو ختم نہیں کر سکتے۔ وہ بھی انسان ہے شادی
اس کا بھی حق ہے ـــــ اگر میں یہ فیصلہ کر لوں کہ میں اس سے
شادی کر دوں گی تو مجھے کوئی نہ روک سکے گا ــــ مگر میں تو احمد کو
اپنا چکی ہوں ــــ احمد کے بغیر میں کسی اور مرد کا اپنی زندگی میں سایہ
بھی نہ پڑنے دوں گی ــــ
رہا یہ نوجوان تو جب میرا تجربہ ختم ہو جائے گا ـــ میں اسے
چھٹی دے دوں گی ـــ"

"یہ تب کہاں جائے گا بے چارہ ـــ؟"
سہیلی نے پوچھا ـــ
"اسی جزیرے پر جہاں سے یہ آیا ہے۔ وہاں کی ایک رسم ہے
کہ جس کے پاس کشتی ہو۔ اس کی شادی ہو سکتی ہے ورنہ نہیں ــ
میں اسے کشتی لے دوں گی۔ وہاں دور جزیرے پر ایک ایسی بھولی
دیہاتی لڑکی اس کا انتظار کر رہی ہو گی جس کا نام سونیا ہے ـــ"
رخسانہ نے بتایا ـــ
"تو کیا یہ سب اس نے خود تمہیں بتایا ہے ـــ"
سہیلی نے پوچھا ـــ
"ہاں ـــ"
رخسانہ نے جواب دیا ـــ

"بڑی ظالم ہو ـــ کیوں دونوں کے درمیان اپنے تجربے کی دیوار
کھڑی کر رہی ہو ـــ انہیں کشتی لے دو ـــ تاکہ انہیں ان کی منزل مل
جائے ـــــ"
سہیلی نے مشورہ دیا ـــ
"میں نے دل میں اسے کشتی لے کر دینے کا عہد کر رکھا ہے اور اس
عہد کو ضرور پورا کروں گی ـــ مگر ابھی نہیں، ابھی ماحول بھی سازگار
نہیں اور کچھ ایسی باتیں بھی ہیں۔ جو تم سمجھ نہیں سکتیں ـــ"
رخسانہ نے کہا ـــ
اس کے لئے اتنا سن لینا کافی تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا اور خود کو
اس نے قد آدم آئینے میں دیکھا۔ اور بولا ـــ
"سونیا ـــ انتظار کرنا۔ میں کچھ دنوں بعد کشتی لے کر آ رہا ہوں
تم قسمت کی دھنی ہو ـــ قدرت نے ہمارے لئے کشتی کا انتظام
کر دیا ہے ـــ"
اور پھر اسے یوں لگا۔ جیسے سونیا اس کے پیچھے کھڑی مسکرا
رہی ہے ـــ
اس نے مسکرا کر دیکھا ـــ
وہ رخسانہ اور اس کی سہیلی تھیں ـــ
وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں ـــ
انہوں نے اس کی باتیں سن لی تھیں ـــ

۵

سونیا بے حد اداس تھی —

اسے نہ جانے کیوں اس روز انور شدت سے یاد آیا — وہ دونوں دور پہاڑیوں میں ملا کرتے تھے۔ اور گھنٹوں چٹانوں پر بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے — اسے اس جگہ سے پیار تھا۔

اس روز بھی اس کا دل انہیں پہاڑیوں پر جانے کو چاہا جو ان کے پیار کی گواہ تھیں — اور جہاں کی فضا میں اب تک ان کی قسموں کا رس گھلا ہوا تھا —

وہ سیدھی چٹانوں پر گئی اور ایک چٹان پر بیٹھ گئی مگر انور

وہاں موجود نہ تھا۔

اچانک اسے اپنے پیچھے سرگوشی سنائی دی —

"سونیا"۔

آواز ساون کی تھی — وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی — اور پھر اسنے ایک کھوہ سے ساون کو باہر جھانکتے دیکھ لیا۔

"ساون بھیا تم —"

وہ حیرانی سے بولی —

"ہاں —"

آہستہ سے اس نے کہا —

خوشی سے سونیا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ زور سے بولی —

"میں ابھی بستی والوں کو بتاتی ہوں کہ تم زندہ ہو۔ بیچاری بہن کو تو سینہ کوبی کر رہی ہیں۔ بستی والوں نے تو تمہیں مردہ جان لیا ہے — مگر جب ہم تلاش کر رہے تھے تو تم کہاں تھے —؟"

"میں یہیں تھا — میں سمجھ رہا تھا۔ بستی والے اگر مجھے پالیں گے۔ تو ڈاکٹر کے قتل میں ہلاک کر دیں گے۔ اس لئے چھپا رہا"

ساون نے بتایا —

"بستی والے تمہارے لئے لڑنے مرنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ اور انہوں نے بڑوں سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر رکھا ہے — وہ تو تمہیں حفاظت کے لئے تلاش کرنے آئے تھے"

سونیا نے بتایا ـــ

"یہ بات ہے ـــ"

وہ سوچتے ہوئے بولا ـــ

"میں قسم کھاتی ہوں۔ وہ تمہارے دوست ہیں دشمن نہیں،
چلو بستی میں چلو ـــ"

وہ ضد کرنے لگی ـــ

ساون نے کہا۔

"سونیا ـــ میں بستی میں گیا تو وہاں خانہ جنگی شروع ہو جا
گی۔ وہ لوگ ضرور لڑیں گے۔ ان کے پاس بندوقیں ہیں۔ ان
میں سے بہت سے لوگ ہلاک ہو جائیں گے ـــ اور یہ راز بھی
چھن جائے گا ـــ"

"تو کیا تم یہیں رہو گے ـــ؟"

وہ حیرانی سے بولی۔

"ہاں"

اس نے فیصلہ کن بات کی ـــ

"میں تب تک یہاں رہوں گا۔ جب تک میری شہر روانگی کا
انتظام نہیں ہو جاتا ـــ میں شہر جاؤں گا ـــ اور وہاں سے جا کر
کمک اور مدد لاؤں گا ـــ پھر ہم اس جزیرے کے مالک ہوں گے
تو ـــ تو ـــ"

وہ نہ جانے کیا کہنا چاہتی تھی مگر اس سے بات نہ بن سکی ـــ

ساون نے کہا ـــ

"تم ہماری ایک مدد کرو ـــ"

"بتاؤ ـــ؟"

وہ قریب سرک آئی ـــ

"شیریں کو بتاؤ کہ ہم زندہ ہیں ـــ ہم بھوکے اور پیاسے ہیں
اس سے کچھ کھانا لاؤ اور ہمیں یہاں پانی بھی پہنچا دو ـــ"

ساون نے کہا ـــ

"بہتر ـــ"

وہ بولی ـــ

"مگر دیکھو تمہارے علاوہ اور کسی بھی شخص کو یہ علم نہ ہو کہ ہم
کہاں چھپے ہوئے ہیں ـــ ورنہ ہم یہاں چھپے نہ رہ سکیں گے ـــ"

ساون نے مشورہ دیا ـــ

"میں اسے راز رکھوں گی ـــ"

وہ بولی ـــ

اور پھر وہ بھاگتی ہوئی ادھر چلی گئی اور بستی میں داخل ہو کر
وہ سیدھی شیریں کے ہاں پہنچی ـــ
جب اس نے شیریں اور عالم کو ساری بات بتائی تو عالم ضد
کرنے لگا کہ وہ خود جائے گا ـــ اور کشتی کا انتظام بھی کرے گا۔

مجبوراً اسے ہتھیار ڈال دینے پڑے — اور وہ عالم کے ساتھ
کھانا اور پانی لے کر وہاں پہنچی —

ساون عالم سے ملا — انہوں نے پروگرام بنایا کہ عالم اپنی
کشتی انہیں دے دے گا۔ اور ایک دو دن چھپے رہنے کے بعد جب
بات آئی گئی سی ہو جائے تو وہ جزیرے سے فرار ہو جائیں۔

بات معقول تھی — وہ دونوں لوٹ آئے اور عالم نے
وعدہ کیا کہ وہ شیریں کو تسلی دے گا اور سونیا کے ہاتھ ان کا کھانا
پانی بھیج دیا کرے گا — وہ مطمئن سے ہو گئے۔

اور پھر سونیا اور عالم واپس لوٹ آئے —

ساون نے بیلو سے کہا —

"اب حالات ہمارے حق میں ہیں — ہم ضرور کامیاب ہو جائیں
گے —"

"سرتاج —"

اس نے التجا کی —

"یہ ہار ان کو دے دو — یہ زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں
وہ لوگ ہمیں اس ہار کے لئے ہلاک کر دیں گے —؟"

مگر ساون نے اسے زور سے جھڑک دیا —

خود مہذب ہوتا جا رہا تھا —

اور رخسانہ کا ناول اپنے آخری باب میں داخل ہونے والا
تھا۔ جہاں ناول کا ہیرو ایک پڑھے لکھے اور مہذب نوجوان
کے روپ میں جزیرے میں جائے گا۔ اور پھر وہ خود اس غیر
مہذب جزیرے کو مہذب دنیا کے قوانین بنائے گا — اور انہیں
جہالت کی روشنی سے نکالے گا —

وہ اسے پڑھائی کرانے لگی تھی —

وہ دن میں دو بار کئی کئی گھنٹے اس پر محنت کرتی اور اسے کتابیں

پڑھاتی۔ وہ انور سے زیادہ محنت کرنے لگی تھی۔ اور انور کو
بھی اب پڑھنے کا شوق ہو چلا تھا ــ وہ عمر کے اس حصے میں
تھا جہاں وہ سکول یا کالج نہ جا سکتا تھا ــ

ایک دن اس نے انور سے کہا ــ

"انور گاڑی چلانا سیکھو گے ــ"

"جی ــ میں کیسے گاڑی چلا سکتا ہوں ــ مجھے تو خوف
آتا ہے۔ میں گاڑی کبھی نہیں چلا سکتا۔ یہ تو آپ کا کام ہے"

وہ خوفزدہ سا ہو گیا۔ کیونکہ وہ ایک بار کار کے نیچے آ کر زخمی
ہونے کا مزا چکھ چکا تھا ــ

رخسانہ نے کہا ــ

"میں عورت ہو کر کار چلا سکتی ہوں اور تم مرد ہو کر ڈرتے ہو خود
کار چلاؤ گے تو بڑا مزا آئے گا ــ سیکھو گے ــ"

"کتنے دنوں میں سیکھ جاؤں گا ــ"

وہ بولا ــ

"کوشش کرو گے تو چند دنوں میں ــ"

اس نے شہ دی ــ

وہ بے دلی سے بولا ــ

رخسانہ نے ایک اور تیر پھینکا ــ

"انور جب تم شہر سے جاؤ گے۔ تو میں تمہیں انجن والی کشتی

لے دوں گی ــ اگر تم کار چلانے کا فن سیکھ جاؤ تو وہ
کشتی بھی چلا سکو گے ــ"

"بی بی جی ایک بات کہوں ــ؟"

وہ لجاجت سے بولا ــ

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو ــ؟"

وہ بولی ــ

"آپ کے پاس انجن والی کشتی ہے ــ؟"

اس نے بڑی حسرت سے پوچھا ــ

"وہ کرائے پہ لی جا سکتی ہے ــ"

رخسانہ بولی ــ

"تو مجھے وہی چلانی سکھا دو ــ"

انور نے جواب دیا ــ

وہ ہنس دی اور بولی ــ

"چلو دونوں ساتھ ساتھ سکھائیں گے۔ ویسے تم پہلے ہی
دن انجن چلانی سیکھ جاؤ گے ــ وہ زیادہ مشکل کام نہیں ہے"

وہ خوشی سے تالی بجا کر بولا ــ

"پھر تو مزا آ جائے گا ــ ابھی چلیں کیا ــ؟"

وہ خوشی سے تالی بجا کر بولا ۔

"پھر تو مزا آجائے گا ۔۔۔ ابھی چلیں کیا ۔۔۔؟"

"چلو ابھی چلو ۔۔۔"

رخسانہ یوں بولی جیسے تیار بیٹھی ہو ۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ لباس پہنا اور بولا ۔

"چلئے ۔۔۔"

"چلئے ۔۔۔"

وہ مسکراتی ہوئی باہر نکلی اور ساحل سمندر کی جانب وہ چل دیئے ۔۔۔ کار پارک کر کے رخسانہ نے ایک لانچ کرایہ پر لی۔ اور دونوں اس میں سوار ہو گئے ۔۔۔

شرارت سے وہ بولی ۔۔۔

"ایسی ہی لانچ لو گے نا ۔۔۔"

"ہاں ۔۔۔"

وہ بولا ۔۔۔

"مگر آپ مجھے کب ایسی کشتی لے دیں گی ۔۔۔؟"

"جلد ۔۔۔ بہت جلد ۔۔۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی ۔

دونوں سمندر کی سیر کرتے رہے ۔۔۔ رخسانہ نے اسے کشتی چلانے کے ابتدائی سبق دیئے ۔ اسے شارٹ کرنے توڑنے

۔۔۔ اور رفتار گھٹانے بڑھانے کے طریقے بتائے اور پھر کشتی اس کے سپرد کر دی ۔۔۔

وہ خود کشتی چلانے لگا وہ بے حد مسرور تھا ۔۔۔ بار بار وہ ایک ہاتھ سے ایک چھڑی سمندر کے پانی میں ڈال کر کھیلتا یہ اس کا لاشعوری عمل تھا ۔ سمندر میں جدھر سے لانچ گزرتی بڑی اور چھوٹی مچھلیاں انہیں دکھائی دیتیں جو لانچ کے اردگرد ابھرتیں اور غوطہ لگاتیں ۔۔۔

اچانک وہ بولا ۔

"رخسانہ بی بی ایک تماشہ دکھاؤں ۔۔۔"

"دکھاؤ ۔۔۔"

وہ بھی شرارت کے موڈ میں تھی ۔۔۔ وہ شہری زندہ دل لڑکی سمندر کی سیر سے پورا لطف اٹھا رہی تھی ۔۔۔

اس نے لانچ کا گیئر رخسانہ کے سپرد کر دیا اور خود وہ چھڑی پکڑ کر لانچ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور بار بار وہ سمندر میں گردن جھکا کر دیکھتا رہا ۔۔۔

رخسانہ نے کہا ۔

"دیکھنا گر نہ جانا ۔۔۔"

"میں ماہی گیر ہوں ۔ گر بھی گیا تو تیرنا جانتا ہوں ۔۔۔"

وہ بولا ۔۔۔

وہ چپ ہو رہی واقعی وہ درست کہہ رہا تھا ——
اور پھر اس نے چھڑی سمندر میں ڈال کر اسے زور سے اڑا
اچھال دیا اور ایک زندہ مچھلی جو کافی بڑی تھی ـ لانچ میں تڑپ رہا
تھا ——

"ارے یہ کیا ——؟"
خوشی رخسانہ سے چھپائے نہ چھپی ——

اور وہ یوں رخسانہ کو دیکھنے لگا جیسے وہ مزید تعریف چاہتا ہو
رخسانہ نے خوشی سے تالی بجائی اور کہا ——
"یہ تو بہت بڑا فن ہے —— میں اپنی سہیلیوں کو مدعو کروں گی
تم ان کے سامنے انہیں اسی طرح سمندر سے زندہ مچھلیاں چھڑی
سے نکال کر دکھا سکو گے ——
بتاؤ دکھا سکو گے نا ——"
"جی ہاں کیوں نہیں ——"
وہ بولا ——
"رخسانہ بی بی —— جب ہم لوگوں کے پاس جال نہ ہو
تو ہم سمندر سے چھڑی کی مدد سے مچھلیاں پکڑتے ہیں" ——
وہ خوشی سے بولی ——
"بڑی شاندار تفریح رہے گی —— میں تمہیں اپنی

کے سامنے ہیرو بنا دوں گی —— بالکل ہیرو ——"
اور وہ بے چارہ کچھ نہ —— سمجھ کر بھی مسکراتا رہا ——
اس کے نزدیک یہ عام سی بات تھی ——

مسجد کے صحن میں جزیرے کے بڑے جمع تھے۔ وہ حالا
کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اور وہ بے
رنجیدہ تھے۔ ان میں سے ایک یعنی ڈاکٹر آج ان میں نہ تھا۔
ان لوگوں نے کام کرنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ گو وہ کام
کر کے زیادہ دنوں نہ رہ سکتے تھے۔ مگر موجودہ صورت حال
تشویش ناک ضرور تھی —

ان سب میں سے زیادہ غصہ میں ٹھیکیدار کو تھا وہ پہ
بھی اچھا آدمی نہ تھا۔ اور جزیرے والوں سے کینہ رکھتا ا

مشن تھا —

وہ پھنکار کر بولا —

"میں ان لوگوں کو ایسا سبق دوں گا کہ یہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔"

"سبق بعد میں دیں گے —"

مولوی صاحب نے الجھن کا اظہار کیا —

"پہلے تم لوگ یہ سوچو کہ ساون کہاں گیا —؟"

"ساون جزیرے سے باہر نہیں جا سکتا — میں اسی جزیرے
میں یا تو کسی گھر میں چھپا ہوا ہے اور یا کہیں اور —"

جاگیر دار نے بتایا —

"اس کا کیا ثبوت مثلاً وہ بھاگ گیا ہو —؟"

دوکان دار نے خدشہ ظاہر کیا —

"نہیں ایسا ممکن نہیں —"

ٹھیکے دار نے بتایا —

"میں آپ لوگوں کے غور کرنے سے پہلے اس بات کی تصدیق
کروا چکا ہوں —"

"مثلاً کیا —؟"

مولوی صاحب نے پوچھا —

"میں نے تمام کشتیاں چیک کروا لی تھیں — جزیرے میں جتنی
کشتیاں تھیں وہ موجود ہیں — اور ظاہر ہے وہ کشتی کے بغیر

جزیرے سے باہر نہیں جا سکتا ــــ"

مچھیرے وار نے بتایا ــــ

"انور بھی تو کشتی کے بغیر چلا گیا تھا ــــ"

مولوی نے گویا وار کیا ــــ

"مولوی صاحب آپ طنز کر رہے ہیں ــــ"

وہ غصے بولا ــــ

"ایک بار ایسا ہو چکا۔ ہر بار ایسا نہیں ہوگا۔ ہم لوگوں کی بے خبری سے اگر ایک شخص فائدہ اٹھا چکا ہے تو دوسرا کوئی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے گا۔ اور یوں وہ اب جو کشتیاں جزیرے سے باہر جاتی ہیں۔ میں ذاتی طور پر ان کی چیکنگ کرتا ہوں۔ ان تمام باتوں کے علاوہ خاص بات یہ ہے کہ ان دنوں کوئی کشتی جزیرے سے مال لے کر یا کسی اور سلسلے میں باہر نہیں گئی پھر وہ کیسے جا سکتا ہے ــــ یوں بھی وہ اکیلا تو غائب نہیں اس کی بیوی اور بچہ بھی غائب ہیں ــــ"

"میرا مطلب طنز نہیں تھا ــــ میں تو ایک ایسی بات کی نشان دہی کر رہا تھا۔ جو ممکن ہے ــــ"

مولوی صاحب نے کسی قدر نرم ہو کر کہا ــــ

"مگر اب یہ بات ناممکن ہے۔ مولوی صاحب ــــ"

وہ غصے سے چیخا ــــ

"بحث میں پڑنے سے کچھ حاصل نہیں ــــ"

جاگیردار بولا ــــ

"آپ اب اس مسئلے پر سوچیے کہ ساون کو تلاش کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے ــــ"

"اس مسئلے پر آپ بہتر اقدام کر سکتے ہیں ــــ"

دوکان دار نے کہا ــــ

"ہاں ہاں ــــ آپ کچھ کریں تاکہ وہ ہار کسی صورت ہاتھ آ سکے ــــ"

"اس مسئلے پر آپ بہتر اقدام کر سکتے ہیں ــــ"

دوکاندار نے کہا ــــ

"ہاں ہاں ــــ آپ کچھ کریں تاکہ وہ ہار کسی صورت ہاتھ آ سکے ــــ"

جوہری نے جواب دیا ــــ

وہ ہار کے لئے پریشان ہو رہا تھا ــــ

"میں کیا کر سکتا ہوں بھلا ــــ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

جاگیردار نے جواب دیا ــــ

"آپ کے پاس بستی کے کچھ ملازم ہیں۔ وہ مقامی لوگ مقامی لوگوں کے رازدار ہیں ــــ ان میں سے کسی کو جاسوس بنا دیجئے۔ وہ آپ کو ساون کے بارے میں اطلاع دے سکے گا ــــ"

مولوی نے سازش بتائی —

"ہاں یہ ممکن ہے —"

جاگیر دار کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی —

"تم ابھی جاؤ اور اس کا انتظام کرو۔ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا۔ معاملہ ہاتھ سے نکلتا چلا جائے گا —"

ٹھیکے دار نے جواب دیا —

"میں اس مسئلے کو کل تک ضرور سلجھا دوں گا — آپ لوگوں نے مجھے صحیح راستے بتا دیا ہے —"

جاگیر دار نے بتایا —

"اور ہاں —"

اچانک مولوی صاحب نے کہا — ان کی آنکھوں میں خاص چمک اور چہرے پر سختی تھی —

"بستی کا یہ احمق بوڑھا شیرو — نوجوانوں کو ہم سے باغی کر رہا ہے — اس نے ہمارے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا ہے۔ اور اسی نے ہی ساون کو پناہ دے رکھی ہوگی —"

"ہاں ہاں — اس کے ارادے واقعی اچھے نہیں — بہت دنوں سے وہ مجھے کھٹک رہا ہے —"

جوہری نے تائید کی —

"اس کا آخری وقت آ چکا ہے — تم لوگ مطمئن رہو۔

میں اس کی طرف سے بے خبر نہیں ہوں — میں اس کو جلد اور ضرور کچل دوں گا —"

بے رحمی سے دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا کر ٹھیکے دار نے زور سے دبا کر جواب دیا — جیسے وہ شیرو کو کچل رہا ہو —

اور وہ سب چلے گئے —

اپنی اپنی جگہ وہ سازش کر رہے تھے — بستی والوں کو غلام بنائے رکھنا اور ساون سے ہار چھیننا ان کا مقصد تھا —

انور ان لوگوں کی گفتگو کا محور بنا ہوا تھا —
جب رخسانہ نے کالج میں اپنی سہیلیوں کو اس کے فن کے
بارے میں بتایا کہ وہ صرف ایک چھڑی سے سمندر سے مچھلیاں
پکڑ لیتا ہے۔ تو وہ بہت حیران ہوئیں۔ اور انہوں نے دوسرے
ہی دن کا پروگرام بنایا — اتفاق سے دوسرے دن اتوار تھا
اور چھٹی کا یہ دن وہ اس دلچسپ تفریح میں بسر کرنا چاہتی تھیں۔
رخسانہ نے موقع غنیمت جان کر باپ سے کہا —
" ابو آپ کو کل کے واقعہ کا پتہ چلا۔ —

" کیا ہوا کل —؟"
باپ نے اخبار پر بدستور نظریں جمائے ہوئے پوچھا —
" ابو غور سے سنو نا" —
اس نے باپ سے توجہ اس جانب مبذول کرنے کو کہا —
" میں سن رہا ہوں بیٹے — بتاؤ کیا عجیب بات دیکھی تم نے؟"
باپ نے اخبار رکھ دی اور بولا —
وہ باپ کے قریب سرک آئی اور بولی —
" ابو کل میں انور کو سمندر پر لے گئی تاکہ اسے لانچ چلانی سکھا
سکوں — ابو وہ بنیادی طور پر ماہی گیر ہے — میرا تجربہ مکمل ہونے پر ہم
اسے واپس جزیرے میں بھیج دیں گے — اور آپ نے اسے کشتی
لے کر دینے کا وعدہ کر رکھا ہے — چنانچہ میں اسے پہلے پہل
کشتی چلانا سکھانا چاہتی تھی — اس لئے اسے سمندر پر لے گئی تھی"
" بات مختصر کرو بیٹے —"
باپ نے اکتا کر کہا —
" ابو بڑی دلچسپ بات ہے —"
وہ بدستور سناتی رہی —
" جب وہ سمندر میں کشتی چلا رہا تھا تو اس نے ایک دم
سے سٹیرنگ مجھے دے دیا۔ اور خود اس نے سمندر میں جھک کر
ایک چھڑی سے ایک مچھلی کشتی میں اچھال دی اور صرف ایک

چھڑی سے مچھلی کا شکار کیا —"

"اتفاق کی بات ہے —"

باپ نے یقین نہ کیا —

"سچ ابو — وہ کہتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ پرانا فن ہے
اور وہ ہر بار اللہ بہت سی مچھلیاں صرف چھڑی سے کشتی میں
اچھال سکتا ہے ۔ کمال کی پھرتی ہے ۔ ان ماہی گیروں میں ابو"

وہ بتاتی رہی —

"ہو سکتا ہے —"

باپ نے بات کو مختصر کر دیا —

"ابو ہم کچھ سہیلیوں نے کل کا پروگرام بنایا ہے اور ہم کل
ساحل سمندر پر جائیں گی ۔ اور پھر لانچ میں اس کا فن سب دیکھیں
گی — آپ بھی چلیئے نا — یوں بھی کل چھٹی ہے ۔ — انکار
نہ کرنا ابو —"

وہ منت سے باپ سے بولی —

سیٹھ صاحب سوچتے رہے ۔ پھر انہوں نے بیٹی کی معصوم خواہش
کو رد کرنا مناسب خیال نہ کیا ۔ اور بولے ۔

"بہتر میں چلوں گا —"

"مزا آجائے گا ابو —"

وہ خوشی سے تالی بجانے لگی — اور باپ نے دوبارہ

اخبار کا مطالعہ شروع کر دیا — امی اور ریحانہ کو بھی اس
نے منا لیا —

چنانچہ دوسرے دن سبھی سہیلیاں ۔ اور گھر کے سب فرد
سمندر پر جا پہنچے ۔ جہاں انور اپنا فن دکھانے والا تھا —
انہوں نے ایک بڑی کشتی کرائے پر لی — اور پھر اس کشتی
میں وہ سب سوار ہو کر سمندر میں دور نکل گئے —

اس کا اندازہ بڑا درست تھا — وہ کشتی کو اس جانب
لے گیا جدھر سمندر میں چٹانیں پانی سے سر اوپر اٹھائے کھڑی
تھیں —

سیٹھ صاحب نے کہا —

"بھئی خطرناک علاقے میں جانے کی بجائے یہیں شکار کر لو"
"نہ سرکار —"

وہ ادب سے بولا —

"اس جانب پانی کم گہرا ہے — اور مچھلیاں ادھر انڈے
دیتی ہیں ۔ چنانچہ بڑی مچھلیاں ان بچوں کو جو ابھی پیدا ہوتے ہیں
چٹ کرنے کے لئے اس جانب زیادہ تعداد میں جمع رہتی
ہیں —

اور یوں بھی اس جانب سمندری گھاس موجود ہے ۔ جسے
مچھلیاں کھاتی ہیں ۔ اور جس میں رہنا وہ پسند کرتی ہیں —"

وہ چپ رہے —

انور نے ایک لمبی سی چھڑی پکڑ رکھی تھی اور بار بار وہ سمندر میں دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے رخسانہ سے جو کشتی چلا رہی تھی۔ رفتار آہستہ کرنے اور تھوڑی سی جگہ میں چکر لگانے کو کہا —

سمندر میں سبھی مچلتی مچھلیوں کو دیکھ رہے تھے جو لانچ کے ارد گرد سر اٹھاتی اور پھر غوطہ لگا دیتی تھیں —

اچانک وہ جھکا اور اس نے اتنی تیزی سے چھڑی پانی میں ڈال کر گھمائی کہ دوسرے دیکھ بھی نہ سکے اور زندہ مچھلی سیٹھ صاحب کے پاؤں میں تڑپ رہی تھی —

وہ اچھل کر دور ہٹ گئے اور لڑکیاں خوشی سے تالیاں بجانے لگیں — رخسانہ یوں خوش تھی۔ اور یوں اس کا چہرہ تمتا رہا تھا۔ جیسے یہ فتح اسی کی ہو —

اچانک ایک لڑکی نے کہا —

"اب کے میں تصویر لوں گی —" اور وہ کیمرہ تیار کر کے کھڑی ہو گئی —

کئی بار اس نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا — اور بہت سی مچھلیاں پکڑیں — اور اس کی بہت سی تصاویر بنائی گئیں —

ایک تصویر تو بہت صاف اور خوبصورت بنی۔ جب وہ مسکراتا ہوا سمندر سے مچھلی اچھال رہا تھا — مچھلی فضا میں بلند تھی اور اسی حالت میں کیمرے میں عکس لے لیا —

جب بہت سی مچھلیاں پکڑی جا چکیں — تو لڑکیوں کا شوق کم ہوا۔ سیٹھ صاحب تھک سے گئے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں کو واپس چلنے کو کہا — اور لانچ واپس ہو گئی —

ریحانہ اور بیگم صاحبہ بھی اس کی تعریف کر رہے تھے — ساحل پر واپس آ کر — اس نے کشتی سے مچھلیاں اتار کر ان کے سامنے رکھ دیں — اور سمندر کے پانی سے ہاتھ منہ دھویا — اور خاموشی سے آ کر وہ ان لوگوں کے قریب کھڑا ہو گیا —

وہ لوگ کھانا وغیرہ نکال کر کھانے والے تھے —

اس سے قبل کبھی شیخ صاحب نے اسے اپنے مقابل بیٹھنے یا ساتھ کھانے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس روز وہ بولے —

بیٹھ جاؤ انور — تم بھی کھاؤ —؟

وہ جھجکا مگر پھر رخسانہ کے اشارے وہ بھی بیٹھ گیا — اور کھانا کھانے لگا۔ رخسانہ نے اپنی سہیلیوں کو اس کی داستان سنائی اور وہ بھی کہ جب اسے کشتی مل جائے گی۔ وہ وطن جائے گا اور سونیا سے شادی کرے گا —

ایک لڑکی نے کہا —

"چچا جان — آپ اگر اس غریب آدمی کو کشتی لے دیں تو اس کی زندگی بن جائے گی — اور آپ کو اس کا اجر ملے گا — ورنہ ہم چندہ جمع کریں گی — اور ان کو کشتی لے دیں گی —"

قریب ہی وہ شخص کھڑا تھا. جس کی لانچ انہوں نے کرائے پر لی تھی — وہ بولا —

"سرکار کل ساحل پر سرکاری لانچوں کا نیلام ہوگا"

سیٹھ صاحب کچھ سوچتے رہے — بیگم صاحبہ نے کہا

"لے دیں نا اسے لانچ سبھی بچیوں کی خواہش ہے —"

"بہتر کل — ہم نیلام میں آئیں گے —"

وہ بولے —

"تو کل مجھے لانچ مل جائے گی —"

وہ شادی مرگ کے سے انداز میں بولا —

"ہاں —"

رخسانہ نے جواب دیا — وہ بھی خوش تھی — شاید اس تجربہ پورا ہو رہا تھا — اور انور کو سونیا یاد آگئی —

بھولی بھالی خوبصورت — اور لازوال پیار کرنے والی سونیا — دل ہی دل میں وہ بولا —

"سونیا اب ہم جلد ایک ہو جائیں گے —"

وہ رات بڑی ڈراؤنی تھی —

چاند کا کہیں پتہ نشان بھی نہ تھا — شاید بادلوں نے اس کے چہرے پر سیاہی مل دی تھی — تاکہ دنیا والے اسے غریبوں پر ظلم ہوتا دیکھ کر مسکرانے والا ظالم نہ کہہ سکیں —

ابھی رات کا پہلا پہر تھا — جب بستی کے کچھ نوجوان اور شیر دبابا بڑے درخت کے سائے میں بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے — ظاہر ہے ان کا موضوع صرف ساون اور اس کا واقعہ تھا

انہیں ابھی تک معلوم نہ تھا کہ ساون

کہیں جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے اور اس کا علم ساون کی ماں اور دوسرے رشتہ داروں کو ہو چکا ہے ۔۔۔

اچانک ایک نوجوان آیا اور اس نے شیرو بابا کو بتایا ۔

شیرو بابا ۔۔۔ میں نے ابھی ابھی چند اجنبی لوگوں کو بستی کے اردگرد گھومتے دیکھا ہے ۔۔۔۔ ٹھیکیداران کے ساتھ تھا ۔۔۔

کون ہو سکتے ہیں وہ ۔۔۔ ؟

شیرو بابا نے پوچھا ۔۔

"جہاں تک میرا خیال ہے ان میں سے دو آدمیوں کو میں نے دو آدمیوں کو پہلے بھی دیکھا ہوا ہے ۔ یہ دونوں ٹھیکیدار کی لانچوں میں چھپایا ں منہ لے جانے والے تھے ۔۔۔۔

اس نے بتایا ۔۔۔

"اوہ یہ بات ہے ۔۔۔"

شیرو بابا نے کہا ۔۔۔

"تو وہ ابھی تک اس چکر میں ہے ۔۔۔"

"کس چکر میں بابا ۔۔۔"

دوسرے نوجوان نے کہا

"وہ ساون کی تلاش میں ہیں ۔۔۔ اور رشتہ داران کا خیال ہے کہ ساون بستی میں ہے ۔۔

ہماری طرح وہ بھی ساون کی تلاش میں ناکام رہے ہیں ۔"

شیرو بابا نے کہا ۔

"ہم لوگ انہیں گھیر کر تنگ کر سکتے ہیں ۔۔۔۔"

نوجوان نے کہا ۔

"نہیں ۔۔"

شیرو بابا بولا ۔

"اس کی ضرورت نہیں ۔ وہ خود بخود واپس چلے جائیں گے ۔۔۔ ہم ساون کو تلاش نہیں کر سکے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ یہاں نہیں ۔ کسی نہ کسی صورت وہ بستی اور جزیرے سے چلا گیا ۔۔۔ اپنے بھائی کی طرح وہ بھی ہوشیار شخص تھا اور میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور شہر سے مدد لے کر آئے گا ۔۔۔"

سبھی نوجوان چپ رہے ۔۔۔

شیرو بابا رکتے ہوئے بولا ۔

"میں تو اپنی جھونپڑی میں چلا ۔۔۔ تم بھی جاؤ اور آرام کرو ۔ بہت رات جا پہنچی ۔۔۔ ایک کھیل جس کا خاتمہ ہونے والا ہے ۔"

کسی نے شیرو بابا کے کھیل کے خاتمے کے بارے میں اس سے کچھ نہ پوچھا ۔۔۔

اور پھر ۔۔۔

سب اپنے اپنے گھروں میں جا کر سو گئے ۔۔۔۔

دوسری صبح ۔

ایسی ہی اداس تھی جیسے اس جزیرے پر اکثر صبحیں اداس اداس سی ہوتی ہیں۔ جزیرے والوں نے اپنی خاموش ہڑتال جس میں سراسر ان ہی کا نقصان تھا بدستور جاری رکھی۔ مگر شیرو بابا دکھائی نہ دے رہا تھا ——

گذشتہ دنوں سے ہر صبح نوجوان ساون کے خالی اور معبد نما سے گھر کے سامنے جمع ہو جاتے تھے اور پھر وہاں مشورہ کیا جاتا تھا شیرو بابا ان کی رہبری کیا کرتا تھا اور انہیں زندہ رہنے کا ڈھنگ سکھانے کے درپے تھا یہ الگ بات کہ باوقار زندگی گذارنے کا ڈھنگ اس سے پہلے خود اسے بھی نہ آیا ہو ——

مگر بہر حال وہ اب ضرور یہ بات دیکھ چکا تھا کہ اس نے زندہ رہنا ہے اور اپنے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کے مفاد کی بھی حفاظت کرنی ہے ——

اچانک ہانپتا ہوا ایک نوجوان آیا اس نے کانپتی آواز میں حاضرین سے کہا۔

"لوگو شیرو بابا —— شیرو بابا قتل ہو گئے ——"

"قتل —— ہو —— گئے ——

لوگوں نے یوں دہرایا جیسے سسکیاں بھری ہوں ——

"ہاں ——"

وہ بولا۔

میں ابھی ابھی ان کے ہاں گیا تھا —— وہ اپنی جھونپڑی میں مردہ پڑے ہیں اور ارد گرد خون ہی خون بکھرا پڑا ہے ——"

بھاگم بھاگ سبھی مرد۔ عورت۔ بچے اور بوڑھے شیرو بابا کے گھر کے سامنے جمع ہو گئے۔

شیرو بابا کا گھر بستی کے آخری کونے پر تھا ——

شیرو بابا سیدھے اور چیت پڑے تھے اور کسی بھی ظالم نے بڑی بے دردی سے ان کی شہ رگ کاٹ دی تھی ——

آگے بڑھ کر عالم نے ان پر اپنی چادر ڈال دی ——

سبھی لوگ رو رہے تھے ——

عورتیں اور بچے یوں بلک بلک کر رو رہے تھے جیسے ان کا باپ یا بھائی مر گیا ہو ——

نوجوان یوں کھڑے تھے کہ جیسے انہیں قاتل کا علم ہو جاتا تو وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کی بوٹیاں کر دیں ——

مگر قاتل لاپتہ تھا ——

کوئی نہ جانتا تھا قاتل کون ہے —— ایک نوجوان نے کہا ——

"شیرو بابا کا قاتل ضرور ٹھیکیدار ہے ——"

"ٹھیکیدار نہیں ——"

غصے سے مٹھیاں بھینچ کر عالم بولا ——

اس کے گماشتے اس قتل کے ذمہ دار ہیں۔ رات ہم لوگوں
نے جن اجنبی لوگوں کو بستی کے گرد منڈلاتے دیکھا تھا وہی
اس کے قاتل ہیں۔ — ہم شیرو بابا کو دفن کریں پھر ہماری ان
سے کھلی جنگ ہے —"

"ہاں کھلی جنگ ہے۔"

نوجوانوں نے عزم کیا —

بات بستی کے بڑوں تک جا پہنچی —— عجیب بات تھی کہ
جب بھی بستی میں کوئی مر جاتا تھا۔ مولوی صاحب ضرور اس
کی خبر گیری کے لئے آیا کرتے تھے۔ وہ چند سکوں کے لئے اس کی
نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے۔ اور اس کی مغفرت کے لئے دعا
کیا کرتے تھے —

مگر شیرو بابا جیسے شریف اور عوامی انسان کے لئے کوئی بھی
نہ آیا —— نہ چوہدری۔ نہ دوکان دار نہ ٹھیکے دار نہ جاگیر دار
اور نہ ہی مولوی جس کا وہاں آنا فرض تھا ——

اس بات کی گویا گواہی تھی کہ قتل ان کی مرضی سے ہوا ہے
اور اس سازش میں دوسروں کے ساتھ مولوی صاحب بھی
شریک ہیں —

لوگ آنسو بہاتے رہے —— روتے رہے اور اپنے بابا
کا ماتم کرتے رہے —— مگر سب بیکار تھا —— ظالموں کا

وار کاری تھا ——

پیر عالم نے کہا —

"ہمیں سب سے پہلے شیرو بابا کے کفن دفن کا انتظام کرنا
ہوگا۔ اس کے بعد ہم بھی شیرو بابا کے ساتھ جانے کے لئے
تیار ہو جائیں گے۔ ہمیں جزیرہ ان ظالموں سے خالی کرانا ہوگا
—— اور اس کے لئے ہمیں طاقت کا استعمال کرنا ہوگا چاہے
ہم سب تباہ ہو جائیں —"

اور نوجوان سوچ رہے تھے —

انہیں شیرو بابا کے آنکھیں بند کرتے ہی نئی قیادت ہاتھ
آ گئی ہے —

دوسرے دن ساحل سمندر پر سرکاری لانچوں کا نیلام تھا اور سیٹھ صاحب حسب وعدہ لانچیں خریدنے وہاں پہنچ گئے بے شمار لوگ وہاں موجود تھے — اور وہ ان پرانی مگر کار آمد لانچوں کو خریدنے کے خواہشمند تھے۔ یہ سبھی صاحب ثروت لوگ تھے — جن میں سے بہت سے تو لانچوں کو تفریحی مقاصد کے لئے خریدنا چاہتے تھے — کچھ انہیں کرائے پر چلانا چاہتے تھے —

اور کچھ ایسے بھی تھے۔ جن کا مقصد لانچیں خرید کر انہیں

سمگلنگ کے لئے استعمال کرنا تھا —

اس سے پہلے بھی اکثر یہاں لانچوں کا نیلام ہوتا رہا تھا۔ اور یہی لوگ انہیں خریدتے رہے تھے —

مگر اس بار وہ ایک نئے خواہش مند سیٹھ نفیس کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور ان میں سے ایک سیٹھ صاحب کے پاس آیا — وہ ان کی دولت مندی اور اثر و رسوخ سے واقف تھا۔ اس نے بڑے ادب سے سیٹھ صاحب سے رازدارانہ لہجے میں پوچھا —

"کیا آپ لانچوں کو کرائے پر دینے کا دھندا کریں گے؟"

"نہیں —"

سیٹھ صاحب نے مسکرا کر جواب دیا —

"مجھے ذاتی ضرورت کے لئے ایک لانچ خریدنی ہے —"

وہ مسکرایا اور بولا —

"یہ اوپن آکشن ہے یہاں اگر ہم نے ضد بازی سے کام لیا تو لانچوں کی قیمت بڑھ جائے گی — جبکہ ہم نے لانچیں بانٹ رکھی ہیں — اور اونے پونے بولی دے کر انہیں تھیا لیں گے — — آپ کو جس لانچ کی ضرورت ہے۔ آپ بتا دیں — اس کی بولی آپ کے علاوہ اور کوئی نہ دے گا —"

سیٹھ صاحب اس فراڈ پر مسکرائے مگر ہر بے حس دولت مند

انہوں نے ایک لانچ کی طرف اشارہ کیا اور بولے ——
"میں نے وہ لانچ پسند کی ہے"
تمام خریداروں کو اس کا علم ہو گیا ——— اور ایک خاموش معاہدے کی صورت میں سب نے اس کی بولی نہ دینے کا فیصلہ کر لیا ———

سب سے پہلے وہ اسی لانچ کی بولی دی گئی ——— سرکاری بولی کے بعد سیٹھ صاحب پہلی بولی دی اور پھر وہ حیرانی سے سبھی کو دیکھنے لگے ——— سبھی حاضرین خاموش تھے۔

مجبوراً بولی سیٹھ صاحب کے نام ختم ہو گئی ———
طے شدہ شرائط کے تحت رقم آکشن ختم ہوتے ہی جمع کروانی تھی چنانچہ سیٹھ صاحب نے رقم ادا کر کے رسید حاصل کر لی ——
انہوں نے رسید انور کے نام سے حاصل کی ——
"انور"

وہاں موجود کچھ لوگ چونکے ——— انہیں جزیرے سے مفرور وہ نوجوان یاد آیا ——— جو سیٹھ صاحب کے ساتھ تھا۔ ہر چند وہ بڑے اچھے اور مہذب لباس میں تھا۔ مگر وہ انور ہی تھا ——— اور اب اس کی تصدیق ہو چکی تھی ———
اور اب جبکہ سیٹھ صاحب نے اسے لانچ لے کر دے دی تھی۔ تو اس کا زندہ سلامت رہنا ان کی سلامتی کے لئے خطرہ

تھا ——— وہ شہر سے لانچ اور شاید پولیس یا کوئی اور امداد لے کر جزیرے میں جا سکتا اور ان کے سارے کاروبار کا خاتمہ کر سکتا تھا ——— ان میں سے ایک نے کہا ——
"باس کو اطلاع دینی ہو گی ——— اور لانچ کو جزیرے پر پہنچنے سے پہلے انور سمیت سمندر میں ڈبو دینا ہو گا ——
"نہیں"
دوسرے نے جواب دیا ——
"ہمیں باس کو اطلاع دے کر اس کے احکامات کا انتظار کرنا ہو گا۔ اور جیسا وہ کہے اس پر عمل کرنا ہو گا"
"ہاں یہ بھی ایک صورت ہے"
دوسرے نے جواب دیا ——
چنانچہ ان میں سے ایک فوری طور پر جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ اس سنگین واقعہ کی اطلاع باس کو دی جا سکے ——— وہ ٹھیکے دار کے آدمی تھے ———
سیٹھ صاحب نے انور سے کہا ——
"نوجوان اب تو تمہیں لانچ مل گئی ——— اب کیا ارادہ ہے"
"جو حکم سرکار"
وہ ادب سے بولا ———
"تم چند دنوں بعد جب لانچ کا لائسنس اور دیگر کاغذات

تمہارے نام سے بن جائیں۔ اسے لئے کہ جزیرے میں چلے جاؤ اور پھر شادی کروا لو۔"

سیٹھ صاحب نے مشورہ دیا۔

"جی بہتر حضور۔"

وہ بولا۔

"میرا خیال ہے۔ تم لانچ چلانا پوری طرح جان گئے ہو گئے۔"

انہوں نے پوچھا۔

"جی سرکار۔ میں رخسانہ بی بی کی مہربانیوں کے باعث لانچ چلانا سیکھ چکا ہوں۔"

اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

اور پھر وہ بڑے پیار بھرے انداز میں لانچ کو دیکھنے لگا۔ جیسے لانچ اس کا ایسا محبوب ہو۔ جس سے وہ اب زیادہ دنوں دور نہیں رہ سکتا۔

اسے لانچ میں سونیا بیٹھی دکھائی دی۔ جو مسکرا رہی تھی اور اس سے کہہ رہی تھی۔

"انور ہم جزیرے کے سب سے خوش قسمت میاں بیوی ہیں۔ ہم نے لانچ حاصل کر کے شادی کی ہے۔ بلکہ جزیرے بھر بلکہ ہمارے قبیلے کے کسی فرد نے آج تک لانچ حاصل کرنے یا اس

میں سوار ہونے کا تصور بھی نہیں کیا۔"

وہ مسکرا دیا۔

اچانک سیٹھ صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

"چلو۔ گھر چلیں۔"

اور خاموشی سے ان کے ساتھ چل دیا۔

غم سے سونیا بھی نڈھال تھی —
یوں جیسے اس کا اپنا باپ مر گیا ہو —
یا یوں —
جیسے اس قتل میں خود اس کا بھی ہاتھ ہو —
وہ یہ افسوسناک خبر جلد سے جلد ساون کو سنانا چاہتی تھی اور بہت بے صبر تھی — وہ موقعہ کی تلاش میں تھی — جب سبھی لوگ شیرو بابا کے سوگ میں مصروف تھے اور انہیں نہلانے دھلانے کا بندوبست ہو رہا تھا — اسے موقعہ

مل گیا اور وہ بستی سے نکل کر ان پہاڑیوں کی جانب چل دی جدھر ساون چھپا ہوا تھا —

بستی کے باہر درختوں کے جھنڈ میں چھپے ہوئے چند نوجوانوں نے اسے دیکھا اور ان میں سے ایک نے کہا —

"باس نے درست کہا تھا۔ کہ سونیا یہ خبر سنانے ساون کو جائے گی۔ میرا خیال ہے۔ یہ ساون کے پاس جا رہی ہے — میں اس کا پیچھا کرتا ہوں۔ اور پتہ چلا کر آتا ہوں۔ تم باس کو اطلاع دے دو —"

"بہت بہتر —"

دوسرے نے جواب دیا —

اور وہ نکل کر مخالف سمت چل دیئے —

جب سونیا کافی دور چلی گئی تو وہ نوجوان درختوں کے جھنڈ سے نکلا اور سونیا کے پیچھے پیچھے چلنے لگا —

وہ جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں چھپ چھپ کر چل رہا تھا۔ تاکہ سونیا یا ارد گرد کا کوئی شخص اسے دیکھ نہ لے — وہ جزیرے کا باشندہ نہ تھا — بلکہ لانچ کا ڈرائیور تھا۔ جو ٹھیکے دار کی ملکیت تھی —

دونوں آگے پیچھے فاصلہ چھوڑ کر چلتے رہے اور پھر سونیا ایک چٹان کے قریب رک گئی —

اس نے ارد گرد غور سے دیکھا اور وہ نوجوان جو اس کا پیچھا کر
رہا تھا۔ ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر چھپ گیا ۔

ہولے سے سونیا بولی ۔

"ساون بھیا ۔"

پہاڑی کی کھوہ سے وہ نکلا اور سونیا کو خالی ہاتھ دیکھ کر
حیران اور اضطراب کے عالم میں بولا۔ کیونکہ اس کے خیال میں
سونیا کھانا اور پانی لائی تھی ۔

"کیا بات ہے ۔ تمہارا چہرہ اترا اترا سا کیوں ہے اور تم
کیوں اداس ہو کیا انہوں نے تمہیں کچھ کہا ہے ۔؟"

"نہیں بھیا ۔"

وہ بولی ۔

"انہوں نے شیرو بابا کو قتل کر دیا ۔"

"قتل ۔ کر ۔ دیا ۔"

"ہاں بھیا ۔"

وہ رونے لگی ۔

بیلو بھی اندر سے آگئی تھی۔ وہ بھی سن کر رونے لگی جیسے
یہ افسوسناک خبر خود اس کے کسی عزیز رشتہ دار کی موت کی ہو۔

ساون نے کہا ۔

"مگر قتل کس نے کیا ۔؟"

"میں نہیں جانتی ۔ اور نہ کسی اور کو علم ہے ۔"
وہ بولی ۔

پھر اس نے سارا واقعہ سنایا ۔ ساون کا رنگ غصے سے
سرخ تھا۔ اس نے دکھی آواز میں کہا ۔

"شیرو بابا ہم لوگوں کی خاطر مر گیا۔ وہ بے گناہ بھی تھا۔ اور
اس بستی کا ایک عظیم اور غریب انسان بھی ۔ اس کا خون ضرور
رنگ لائے گا ۔ میں اس کے قاتلوں کو معاف نہیں کروں گا۔
میں اس کا انتقام لوں گا ۔"

"بستی والے شیرو بابا کے کفن دفن میں مصروف ہیں ۔؟"
وہ بولی ۔

"کاش میں اس کے کفن دفن میں شریک ہو سکتا ۔"

وہ بولا ۔

پھر وہ کچھ سوچتا رہا ۔ تب وہ بولا ۔

"یہ سب میری اور انور کی وجہ سے ہے۔ میں آج ہی رات
یہاں سے فرار ہو جاؤں گا۔ آج ہی رات اور پھر میں شہر سے امداد
دلاؤں گا ۔ ان لوگوں نے ہمارے خون کا ذائقہ چکھ لیا
ہے۔ اب بستی والوں کی خیر نہیں ۔ ہمیں اپنی اور اپنے لواحقین
کی حفاظت کرنی ہے ۔"

بندوق پر اس نے اپنی گرفت سخت کر دی ۔

"اب میں کیا کروں ـــ؟"

وہ بولی ـــ

"تم جاؤ سونیا ـــ ورنہ ان میں سے کسی کو شک ہو جائے گا۔ تو ہمارا حشر بھی شیرو چاچا جیسا ہو گا ـــ"

ساون نے مشورہ دیا ـــ

"بہتر بھیا ـــ"

اداسی سے وہ بولی ـــ

اور تیزی سے وہ بستی کی جانب لوٹ گئی ـــ

چھپا ہوا نوجوان بھی تیزی سے مخالف راستے پر چل پڑا وہ لمبا راستہ کاٹ کر باس کے پاس جانا اور اسے حالات سے باخبر کرنا چاہتا تھا۔ ساون کو پا کر وہ بے حد خوش ہوا تھا۔ اس نے خود ساون کو دیکھا تھا۔ اور اس کا خیال تھا۔ کہ جب وہ یہ خبر باس کو سنائے گا تو وہ بہت خوش ہو گا۔ اور ضرور اسے انعام دے گا ـــ وہ خوشی سے تیزی سے چل رہا تھا ـــ چند سکوں کے انعام کے لالچ میں وہ ایک انسان کی جان گنوانے پر بھی تیار تھا۔

سونیا بستی میں جا پہنچی جہاں سبھی لوگ بڑے درخت کے نیچے جمع تھے اور شیرو بابا کے دفنانے کا انتظام کر رہے تھے ـــ وہ سب دوکان دار کے پاس گئے اور شیرو بابا کے کفن کے لئے ادھار کفن مانگا ان کے پاس کفن خریدنے کو پیسے نہ تھے ـــ مگر دوکاندار نے کفن کے لئے کپڑا دینے سے انکار کر دیا اس نے چلا کر اور نفرت سے کہا ـــ

"وہ ساون حرامی ـــ وہ میرا ادھار لے کر چلا گیا۔ میں نے بڑی فراخ دلی سے اسے دوکان سے بہت سی قیمتی چیزیں دے دی تھیں ـــ"

ادھار لینے کے لئے وہ دوکاندار کو مجبور نہ کر سکتے تھے ـــ چنانچہ انہوں نے عام کی چادر میں شیرو بابا کو لپیٹ کر دفنانے کا فیصلہ کر لیا ـــ

دوسری طرف ـــ

وہ نوجوان جس نے ساون کا پتہ چلایا تھا۔ ٹھیکے دار کے پاس جا پہنچا۔ اس نے ٹھیکے دار سے کہا ـــ

"باس میں نے ساون کو خود دیکھا ہے ـــ وہ زندہ ہے اور جزیرے میں چھپا ہوا ہے ـــ"

ٹھیکے دار مسجد میں مولوی صاحب اور جوہری کے ساتھ بیٹھا تھا ـــ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا ـــ

"کہاں ہے وہ ـــ؟"

اور اس نے ساری بات بتا دی ـــ

اس نوجوان نے ساری بات بتا کر خاموشی اختیار کر لی ـــ

اور جھٹکے دار اس کا مطلب سمجھ کر بولا —

"اگر یہ اطلاع درست ہوئی تو تمہیں بہت سا انعام دیا جائے گا —"

"شکریہ باس —"

اس نے جواب دیا —

مولوی صاحب نے کہا —

"ابھی جاؤ اور گرفتار کر لاؤ —"

"نہیں —"

فیصلہ کن انداز میں جھٹکے دار نے کہا —

"بیٹھو۔ بابا قتل ہو چکا ہے — ان لوگوں میں جوش اور اضطراب پھیلا ہوا ہے — اگر ہم نے ابھی ساون کو گرفتار کر لیا۔ تو ہو سکتا شاید ہم سے اتنے بدظن ہو جائیں کہ ہم پر حملہ کر دیں —"

"وہ کیا کر سکتے ہیں —"

نفرت سے جوہری نے کہا —

"ہاں یہ درست ہے وہ کچھ نہیں کر سکتے —"

جھٹکے دار نے جواب دیا —

"مگر یہ بھی تو ضروری نہیں کہ خواہ مخواہ بات کو طول دیا جائے — تم یہ مت بھولو کہ ساون کے پاس قیمتی ہار

موجود ہے — اور ہم نے اس سے وہ ہار چھیننا ہے جب تک وہ ہار ہمیں نہ دے گا۔ ہم اسے ہلاک نہ کریں گے۔ اگر اس نے ہار کہیں چھپا دیا ہو تو ہم اسے ساون کے مرنے کے بعد تلاش نہ کر سکیں گے — ہمیں ساون کو زندہ رکھنا ہے۔ اس ہار کے لئے —"

"ہاں یہ تو ہے —"

مولوی صاحب نے شاطرانہ انداز میں کہا —

"پھر کیا پروگرام رہا —؟"

جوہری نے جلدی سے پوچھا —

"ہم رات کو کسی وقت اسے گھیر لیں گے — اس وقت بستی والے سو رہے ہوں گے — اور ہمیں ساون کو گرفتار کرنے میں زیادہ آسانی ہو گی —"

"یہ بات درست ہے —"

مولوی نے کہا —

"اور میری مزید سکیم بھی سنو —"

وہ بولا —

"ہم اسے کسی بھی گھر میں قید کر دیں گے اور پھر اس پر تشدد کر کے ہار اس سے ہتھیا لیں گے اور بعد میں اسے بھی —"

اور اس نے گلے پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے اسے کاٹ رہا ہو —

ٹھیکے دار کی اس صفائی پر سبھی مسکرا دیئے ——

جوہری نے کہا ——

"تم بشیرو بابا کی نماز جنازہ نہیں پڑھاؤ گے —"

"نہیں —"

جوہری نے کہا —

"یہ تو تمہارا فرض ہے اور اسلام نے اس کی تاکید کی ہے"

"بشیرو بابا کی نماز جائز نہیں —"

وہ بولا —

حیرانی سے ٹھیکیدار اور جوہری اسے دیکھنے لگے — مولوی کی آنکھوں میں خاص چمک تھی — جیسے بلی کے شکار پر جھپٹتے ہوئے ہوتی ہے اور چہرے پر تناؤ موجود تھا — وہ بولا۔

اس نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی تھی — اور جو شخص ایسا کرے — وہ منافق ہوتا ہے — بشیرو بھی منافق تھا۔ اور منافق کی نماز جنازہ جائز نہیں ہے

ان دونوں نے یوں سر ہلایا جیسے انہیں مولوی کی باتوں سے پورا پورا اتفاق ہو حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اصل مجرم وہ خود ہیں۔ چلتے چلتے ٹھیکے دار نے کہا —

"رات کے دوسرے پہر تم لوگ تیار رہنا — آج ہم سالا یہ اس کی زندگی کی سب سے کاری ضرب لگائیں گے —"

ادھر ——

بیلو ساون سے کہہ رہی تھی ——

"سرتاج — یہ سب قتل و غارت — مصائب اور تکالیف کیا ہیں۔ ہم کتنے سکھ کی زندگی بسر کر رہے تھے — روکھی سوکھی کھاتے تھے — اور چین سے رہتے تھے — مگر دولت نے اور اس کے ملنے کی صرف خواہش اور امید نے ہمیں تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے —

دوسرا قتل ہو گیا ہے — سرتاج اب جانے کیا ہوگا —!"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو —"

وہ غصے سے بولا —

"ان تمام مصائب کا ذمہ دار یہ ہار ہے — دولت نے انسانوں کے درمیان ہمیشہ نفرت پیدا کی ہے — سرتاج — اس ہار کو ان لوگوں کو دے کر ان سے صلح کر لو — یا اسے کہیں پھینک دو — واپس سمندر میں پھینک دو ہمیں ایسی زندگی نہیں چاہیئے۔ جس میں ہر وقت ڈر اور خوف موجود ہو —

یہ ہار منحوس ہے —

"یہ منحوس نہیں —"

وہ آہستہ سے بولا —

"یہ مقدس ہے — یہ ہم سب کی زندگی بدل دے گا —

صرف ایک دن اور ہے۔ اس کے بعد ہماری خوشحالی کا
زمانہ شروع ہوگا —"

اور وہ بے چاری چپ ہوگئی —

جیسا کہ سونیا نے بتایا تھا۔ شیرو بابا کا کٹا ہوا گلا اور مردہ
جسم اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے —

اور اسے یوں لگا جیسے ڈاکٹر کا بھوت وہاں موجود ہو
اور خوفناک آوازیں قہقہے لگا کر انہیں ڈرا رہا ہو —

اس نے اپنے بچے کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا —

انور —

گھر آیا تو بے حد خوش تھا —

اس سے پہلے وہ سوچا کرتا تھا کہ سیٹھ نذیر کا گھر اس
کا اپنا گھر ہے — اور نہ جانے وہ کب تک وہاں رہے گا۔
مگر آج اسے یہ گھر اجنبی سا دکھائی دیا۔ اور اسے
یوں لگا۔ جیسے وہ خود اس گھر میں اجنبی ہو اور مہمان کی
حیثیت سے رہ رہا ہوں —

رخسانہ اس کے کمرے میں آئی — اس نے کہا۔

"انور ــــ"

"جی بی بی جی ــــ"

وہ پیار سے بولا جیسے وہ رخسانہ کا بے حد مشکور ہو۔ اس نے رخسانہ کے چہرے پر ایسا تقدس دیکھا جیسے بہن کے چہرے پر بھائی کے لئے ہوتا ہے ــــ

"مبارک ہو ــــ"

رخسانہ نے کہا ــــ

"مبارک تو آپ کے لئے ہے بی بی جی ــــ"

اس نے یوں کہا جیسے وہ اس کا ادنیٰ سا ملازم ہو۔

"بھلا میری اتنی ہمت کہاں تھی کہ میں زندگی بھر کبھی انجن والی کشتی کا تصور بھی کر سکتا۔ میری تو پوری نسل میں کسی نے انجن والی کشتی میں سفر نہ کیا ہو گا" ــــ

"اب تم خوش ہو نا ــــ"

رخسانہ نے ایسے کہا جیسے اس نے پہلے کبھی انور کو تکلیف دی ہو۔ حالانکہ اس کو اس مقام تک پہنچانے میں رخسانہ ہی کو دخل تھا ــــ

اس نے کہا ــــ

"رخسانہ بی بی ــــ زندگی میں بعض حادثات کتنے اہم ہوتے ہیں ــــ اور کس قدر دلچسپ بھی ــــ یہ حادثہ بھی

بہت دلچسپ اور اہم تھا۔ اگر میں آپ کی کار کے نیچے نہ آ گیا ہوتا۔ اور زخمی نہ ہوتا۔ تو شاید آپ لوگوں تک نہ پہنچ سکتا۔

میں نے سنا تھا کہ شہری لوگ ریاکار ــــ مکار ــــ اخلاقی اقدار سے عاری اور گناہ کے دیوتا ہوتے ہیں ــــ

مگر میرے تمام خیالات اور سنی ہوئی باتیں غلط نکلیں ــــ جن شہروں میں آپ جیسے لوگ ہیں ــــ آپ لوگوں نے مجھے زندگی دی اور زندہ رہنے کا حوصلہ بھی دیا اور سہارا بھی ــــ"

بات کاٹ کر رخسانہ نے کہا ــــ

"اب کیا ارادہ ہے ــــ؟"

"میں اپنے قبیلے میں واپس جاؤں گا ــــ اور وہاں سونیا کے والدین کو کشتی دکھا کر سونیا سے شادی کر لوں گا۔"

"شادی کے بعد سونیا کو ہم سے ملانے لاؤ گے ــــ"

وہ بولی ــــ

انور کچھ سوچتا رہا پھر بولا ــــ

"بی بی جی ــــ اگر اس نے آنے پر رضامندی ظاہر کی تو لاؤں گا ــــ ورنہ وہاں سے کوئی شہر نہیں آتا ــــ"

اچانک رخسانہ کو ایک خیال آیا ــــ اس نے کہا ــــ

انور ــــ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جب تم جزیرے پر

پہنچو تو وہ لوگ تمہیں چور خیال کریں اور سوچیں کہ تم کشتی چوری کر کے لائے ہو ـ"

"نہیں بی بی جی ـ"

وہ جلدی سے بولا ـ

"میں قسم کھا لوں گا کہ کشتی چوری کی نہیں ہے ـ"

"اگر ان لوگوں نے تمہاری قسم پر اعتبار نہ کیا تو ـ؟"

وہ بولی ــــ

"نہیں بی بی جی ایسا نہیں ہو گا ــــ"

اس نے یوں کہا جیسے رخسانہ نے بھی یہ بات کر کے گناہ کیا ہے ــــ"

"ہمارے ہاں کوئی بھی جھوٹی قسم نہیں کھایا کرتا ـ ہمارے ہاں جھوٹی قسم کھانا سب سے بڑا گناہ خیال کیا جاتا ہے ــــ وہ لوگ میری قسم پر اعتبار کریں گے ـ"

"مگر وہ پوچھیں گے تو سہی نا کہ تم نے اتنی جلدی اتنی قیمتی لانچ کیسے حاصل کر لی ـ جبکہ تمہیں شہر آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ــــ"

وہ بولی ــ

"بی بی جی میں آپ لوگوں کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گا ـ اور یہ بھی کہ میں دوبارہ آپ کو ملنے آؤں گا ـ"

انور نے بتلایا ـ

وہ مسکرا دی ــــ پھر وہ بولی ــــ

"تم نے کہا تھا نا کہ وہ لوگ تمہارے دشمن ہو گئے ہیں اور بڑے ظالم ہیں ـ وہ شہر آنے والوں اور بھاگنے والوں کو زندہ نہیں چھوڑتے ـ اب جبکہ تم واپس جزیرے پہنچو گے تو ان کا تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو گا ـ"

ایکدم سے وہ اداس ہو گیا اور فکرمندی سے بولا ـ

"ہاں بی بی جی ــــ میں اس پر تو غور ہی نہ کیا تھا ــــ وہ لوگ تو واقعی مجھے زندہ نہیں رہنے دیں گے ــــ"

"پھر تم نے کیا سوچا ــــ"

وہ بولی ــ

سر جھکائے وہ سوچتا رہا پھر بولا ـ

"میں رات کو وہاں جاؤں گا اور سوتیا کو لے کر یہاں آ جاؤں گا ـ"

"یہ تو اغوا ہو گا اور اغوا بری بات ہے ــــ"

رخسانہ نے اسے جھنجھوڑ دیا ــــ

"غلطی ہو گئی بی بی جی ــــ"

اس نے یوں کہا جیسے اس نے بہت بڑی بات کہہ دی ہو ــــ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا ــــ وہ بے حد اداس تھا ایکدم سے اس کا رنگ زرد ہو گیا ـ جیسے لانچ بھی اس کے لئے بیکار ہو ــــ

وہ بولی ــــ

"ہم تمہارے ساتھ چلیں گے ــــ"

"تم ـــــ تم سب ـــــ"

وہ خوشی اور بے اعتباری کے ملے جلے جذبات سے بولا۔

"ہاں ـــــ"

آہستہ سے وہ بولی ـــــ

ایکدم سے اسے نہ جانے کیا خیال آیا ـــــ اس نے کہا۔

"ان لوگوں کے پاس بندوقیں تھیں ـــــ وہ آپ کے بھی دشمن بن جائیں گے ـــــ اور میرے ساتھ آپ کو بھی کچھ تکلیف دیں گے!"

"یہ بات نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ـــــ"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولی ـــــ

"ہم لوگ پولیس کو ساتھ لے جائیں گے ـــــ اور ان سب کو گرفتار کروا دیں گے ـــــ اگر انہوں نے کوئی بات کی تو ان کی خیر نہ ہو گی ـــــ"

خوشی سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اور اسے کچھ نہ آیا کہ وہ شکریہ ـــ ادا کیا کرے ـــ

پھر دعا نہ چلی گئی ـــــ اور اس نے خود سے کہا۔

جب میں جزیرے میں جاؤں گا تو سب کچھ وہی گا ـــــ حسب معمول کے مطابق ہو گا مگر میرا جانا ان کے معمولات بدل دے گا ـــ اور انہیں شاید خوشیوں کا پیغام دے۔ میں انہیں جزیرے سے اپنی لانچ میں بھر بھر کر شہر لے آؤں گا۔

شہر میں جو کچھ اس حقیقت سے زیادہ خوبصورت ہے۔ جس تذکرہ ان لوگوں نے مولوی صاحب سے سن رکھا ہے۔

اور پھر وہ خود بخود مسکرانے لگا۔

ہر آنکھ پرنم تھی۔
ہر دل — شیرو بابا کی دردناک موت پر رو رہا تھا —
وہ بے گناہ تھا —
اس نے بستی والوں کے لئے بہتر مستقبل کی ضمانت چاہی تھی —
اس نے بستی والوں کو — سرمایہ داروں کے چنگل سے نکالنے اور ان پر بلاوجہ ظلم کرنے کے خلاف آواز بلند کی تھی۔
اور — —

دولت مندوں کے نزدیک اس جرم کی سزا موت تھی۔
چنانچہ شیرو بابا کو موت کا مزا چکھنا پڑا تھا —
اور اس پر مزید ظلم یہ تھا کہ انہیں کے ایک گماشتے نے شیرو بابا کے سفرِ آخر کے لئے کفن کا کپڑا دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور وہ وہی شخص تھا جو ان لوگوں کو کپڑا دے سکتا تھا —
بستی والے افسردہ اور غم زدہ تھے۔ اور ان کے دل میں نفرت کا ایک ایسا لاوا بھی پک رہا تھا جو بستی کے بڑوں کے لئے خطرناک تھا — "
وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔
"اگر وہ بستی کے بڑوں کے خلاف متحد ہو جاتے تو وہ لوگ اپنی پوری سے ان کو روک نہ سکتے تھے — اور خود اس طوفان میں ان بڑوں کو بہہ جانا پڑتا — یا وہ الجھنوں میں جزیرے کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے — "
مگر اس وقت ان کا سب سے بڑا مسئلہ تھا کہ شیرو بابا کو اس کے آخری گھر میں پہنچایا جائے —
اور وہ کون تھا جسے شیرو بابا سے پیار نہ تھا — وہ تو گویا پوری بستی کا باپ تھا اور بستی والے اپنے باپ کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ چل دیئے — "
بستی سے دو فرلانگ دور ان لوگوں کا قبرستان تھا — جب

شبرو بابا کا جنازہ لے جایا گیا تو وہ سبھی سر جھکائے شبرو بابا کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

عورتیں رو رہی تھیں — بچے سہمے ہوئے تھے — مرد غم سے نڈھال تھے اور نوجوانوں کی حالت ابتر تھی — یہ ان سب کا مشترکہ المیہ تھا — انہوں نے بڑی عقیدت سے شبرو بابا کو لحد میں اتارا —

رات ہونے والی تھی اس لئے وہ جلدی جلدی سب کام سرانجام دے رہے تھے تاکہ اندھیرا پوری طرح پھیلنے سے پہلے وہ واپس لوٹ آئیں —

اس سانحہ کے بعد کسی کو بھی ساون کا خیال نہ آیا — نہ تو کوئی اسے پانی دینے گیا اور نہ کھانا — کیونکہ بستی کے کسی بھی گھر نہ کھانا نہ پکا تھا —

سوہنا نے اعظم کو بتا دیا تھا کہ اسنے شبرو بابا کی موت کی خبر ساون کو پہنچا دی ہے — چنانچہ وہ کسی قدر مطمئن تھا کہ ساون اسے الزام نہ دے سکے گا کہ کیوں وہ اسے ملنے نہ آیا —

جب بستی کے سبھی لوگ شبرو بابا کو دفن کرنے چلے گئے۔ تو بستی میں کوئی بھی نہ تھا —

صرف دو بیمار بوڑھے اور ایک اندھی بڑھیا تھی — جو بستی اپنی جھونپڑیوں میں آنسو بہا رہے تھے — وہ بھی منصور شبرو

بابا کو الوداع کہنے جاتے مگر وہ اپاہج تھے اور ان کا ساتھ نہ دے سکتے تھے —

نے مولوی سے کہا —

"واپسی پر وہ لوگ شاید ساون کے پاس جائیں —"

"ہاں یہ ممکن تو ہے —"

مولوی نے جواب دیا —

"ایسی صورت میں تو ہمارا سارا پروگرام خراب ہو جائے گا۔"

وہ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میں اس کا انتظام کر لیتا ہوں —"

"تم کیا کرو گے —"؟

مولوی نے اشتیاق سے پوچھا —

"میں وہ کام کروں گا جسے دیکھ کر تم بھی چونک اٹھو گے اور بستی والے بھی — لیکن اس سے انتظام یوں ہو گا — وہ ساون کو بھول جائیں گے اور انہیں اپنی اپنی پڑ جائے گی —"

اس نے بتایا —

مولوی دیکھتا ہی رہ گیا اور پھر وہ تیزی سے وہاں سے چلا گیا — اس نے اپنے ہاتھوں سے نہ جانے کیا کیا کہ وہ جھلملا کر ہنس دیئے — اور پھر وہ سب شعلوں میں لپٹے بستی کی جانب جا رہے تھے —

قبرستان ہی میں اچانک ایک نوجوان چلایا۔

"آگ ـــ"

"آگ ـــ کہاں ـــ"؟

کئی لوگوں نے بیک زبان پوچھا۔

"ادھر ـــ"

اس نے بستی کی جانب اشارہ کیا

سبھی نے گھوم کر ادھر دیکھا اور حیران کہ پاؤں تلے سے زمین نکل گئی وہ جہاں تھے ساکت رہ گئے

بستی سے آگ کا بہت بڑا الاؤ بلند ہو رہا تھا ـــ

کسی کو معلوم نہ تھا کہ آگ کس جھونپڑی سے ـــ اپنا گھر بھی تو وہ محل ہو یا گھاس پھوس کی جھونپڑی کسے عزیز نہیں ہوتا ـــ ہر شخص کو اس سے پیار ہوتا ہے ـــ اور ان لوگوں کو بھی تو اپنے گھروں سے پیار تھا ـــ وہ شیرو بابا کا المیہ بھول گئے۔

خود ان کا المیہ بھی کم سنگین نہ تھا ـــ

گرتے پڑتے وہ سبھی اس جانب دوڑے جدھر آگ لگی ہوئی تھی ـــ اور بہت جلد وہ بستی کے پاس تھے ـــ

حسرت سے وہ اپنے گھروں کو دیکھ رہے تھے ـــ سبھی گھروں کو آگ لگی ہوئی تھی یوں جیسے کسی نے تیل چھڑک کر ان سب گھروں کو آگ لگی ہو ـــ

بستی میں موجود تین اپاہجوں میں سے دو کو بچایا جا سکا ـــ مگر اندھی خاتون بری طرح زخمی ہو گئی تھی ـــ

ـــ نے بتایا کہ وہ کچھ نہیں جانتے کہ آگ کیسے لگی۔ آگ اچانک لگی اور ان کے شور مچانے پر بھی کوئی ان کی امداد کے لئے نہیں آیا ـــ

پوری بستی تباہ ہو گئی ـــ

غریب ـــ مفلوک الحال لوگوں کا کل اثاثہ آگ کی نذر ہو گیا اور وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں وہاں کھڑے بجھتے ہوئے انگاروں کو دیکھ رہے تھے جیسے ان انگاروں پر ان لوگوں کی بربادی کا افسانہ درج ہو۔

کوئی یارا کار نہ تھا ـــ وہ کسی سے فریاد نہ کر سکتے تھے۔ آسمان کی طرف سر بلند کر کے اعظم نے کہا۔

"اے خدا ـــ تیرا وجود واقعی موجود ہے تو کیا تو اتنا ظالم ہے کہ اپنے بندوں کی اکثریت کو اقلیت کے ظلم کا نشانہ بننے سے نہیں بچا سکتا ـــ اے خدا ـــ بتا ہمارا قصور کیا ہے ـــ اگر بقول مولوی صاحب ـــ تو اپنی کتاب میں خود کو مظلوم کا ساتھی بتایا ہے تو آ ہماری مدد کر ـــ ہم بے بس تھے ـــ تیرے کھلے آسمان تلے ہم انصاف طلب کرتے ہیں۔

یا ہمیں بتا کہ ہم نے کیا گناہ کیا ہے جس کا اس قدر کفارہ ہم نے

ادا کیا ہے اگر تو سبھی کا خدا ہے تو پھر — کیوں ہم پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھاتے — کیوں ہمیں ظلم کے خلاف آواز بھی بلند نہیں کر سکتے۔ اگر تو واقعی انصاف کرنے والا ہے — تو پھر ظلم کرنے والے کیوں اپنے پختہ اور آرام دہ مکانوں میں صاف ستھرے بستروں پر بیٹھے ہماری بربادی پر جشن منا رہے ہیں — اور تو خاموش ہے —

اے خدا —

بتا تو کہاں ہے — تیری کوئی زنجیرِ عدل بھی ہے کیا۔ ایسی ہی زنجیرِ عدل جیسی افضل مولوی صاحب ایک بادشاہ نے اپنے دربار میں لٹکا رکھی تھی جسے ہر مظلوم ہلا کر اپنا دکھ رو سکتا تھا۔ اور انصاف طلب کر سکتا تھا — کیا تو اس بادشاہ سے بھی کم اختیار کا مالک ہے — بتا میں کونسی زنجیرِ عدل ہلاؤں۔

یہ اتنے بہت سارے لوگ — جو بھوکے ہیں — لاچار ہیں غریب ہیں — ان کا لباس پھٹا ہوا ہے — اور یہ معصوم بچے جو خوف سے سہمے ہوئے ہیں — یہ کہاں جائیں

اس بستی کے سرے پہ تیرا ایک گھر ہے — مگر ہمارے لئے تیرے گھر کے دروازے بھی بند ہیں — وہ بھی دولت مندوں ظالموں کے قبضے میں ہے — ہم کہاں جائیں — ؟

مگر تو کیا بتائے گا — تو نبیوں کو پیغام دیا کرتا ہے — عام

ان سے تو تو بھی بات کرنا مناسب نہیں کرتا —"

"ہم انسان —"

ایک بوڑھی عورت نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا

"ہوش کرو بیٹے ہوش کرو — تم خدا سے ہمکلام ہو — تم کفر بک رہے ہو — خدا کے لئے ایسے الفاظ ادا نہ کرو —"

وہ چپ ہو گیا اس نے گھوم کر پوری بستی والوں پر ایک نگاہ ڈالی اور دیکھا —

ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو تھے —

وہ چلایا —

اے خدا — میں مسلمان ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ تو انصاف کرتا ہے — ہم سب نے تم پہ چھوڑ دیا ہے — ہم کچھ بھی نہیں کریں گے — ہم اپنے بچے اور اپنی عورتیں لے کر سڑک پر بیٹھیں گے — کل شام تک کل رات تک ہم تیرے انصاف کا انتظار کریں گے — اور اگر تو نے انصاف نہ کیا تو میں پھر تمہیں خدا نہیں مانوں گا — اور اس کے بعد ہم لوگ خود ان ظالموں سے انتقام لیں گے —"

سبھی لوگ چپ رہے — جیسے انہیں اس کے فیصلے سے پورا پورا اتفاق ہو —

وہ چپ چاپ زمین پر بیٹھ گئے۔ اپنی چادریں ڈالی

ہوئی جھونپڑیوں سے کچھ دور عورتوں نے زمین پر بچھا دیں اور اس
پر بھوکے بچوں کو لٹا کر سلا دیا —

اور خود سبھی رات بھر — اداس اور خاموش آسمان کو
دیکھتے رہے —

جیسے اوپر سے کوئی فرشتہ اترے گا اور جزیرے پر اپنی عدالت
سجا کر مجرم کو جرم کی سزا دے گا —

— — —

رخسانہ نے باپ کے اس موضوع پر بڑی تفصیل گفتگو کی تھی کہ وہ
انور کو اس کے جزیرے ہی واپس بھجوانے کے لئے مناسب بندوبست
کریں — اور چونکہ وہ وہاں سے فرار ہو کر آیا ہے اور اس کا شہر
آنا قانون کی نظر میں غیر قانونی نہیں ہے۔ اس لئے کسی بھی صورت
اسے پولیس کی امداد دے دیں تاکہ وہ جزیرے میں واپس جائے تو جزیرے
کے ظالم لوگ اس پر ظلم نہ کریں — اور ایسا نہ ہو کہ ان کی ساری
محنت اکارت چلی جائے اور وہ انورسے کشتی بھی چھین لیں اور اسے قتل
بھی کر دیں — ایسی صورت میں ان لوگوں سے باز پرس کرنے والا بھی کوئی

بند ہو گا ۔۔۔

اور اس کے ابو نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے دوست پولیس آفیسر کو شام کو چائے پر بلا کر اس موضوع پر تفصیلی بحث کریں گے ۔۔۔

رخسانہ مطمئن ہو گئی ۔۔۔

اس شام رخسانہ نے انور سے کہا ۔۔۔

" انور ۔۔۔ آج ہمارے ہاں پولیس آفیسر آئے گا اور وہ اس بات پر ابو سے مشورہ کرے گا کہ تمہیں حفاظت سے جزیرے پر پہنچانے کے لئے تمہاری مدد کرے ۔۔۔ اگر انہوں نے رضامندی ظاہر کر دی تو تم بخیریت وہاں پہنچ جاؤ گے ۔۔۔ اور پھر سونیا سے تمہاری شادی بڑے اچھے طریقے سے ہو جائے گی ۔۔۔ شادی کے بعد تم اگر چاہو تو یہاں آ جانا ۔۔۔"

مگر انور کچھ اور سوچنے لگا اس نے کہا ۔۔۔

" پولیس کیا شے ہے ۔ آپ نے کئی بار اس کا ذکر کیا ہے ۔۔؟"

" حکومت نے عوام کی خدمت کے لئے ایک محکمہ بنا رکھا ہے ۔ اور اس کا نام پولیس ہے جس طرح تمہارے بتانے کے مطابق جزیرے کے مالکان کے پاس بندوقیں تھیں ۔ اس طرح ان کے پاس بھی ہیں ۔۔۔ مگر وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے ۔ وہ مظلوم کی معاونت کرتے ہیں اور انہیں ظالموں سے بچاتے ہیں ۔۔۔

اگر وہ جزیرے پر چلے گئے تو وہ ان کو گرفتار کریں گے ۔ اور نہ صرف تمہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی جن سے وہ لوگ زیادتیاں کرتے ہیں ان سے نجات دلائیں گے ۔ پھر تمہاری زندگی پرسکون گزرے گی ۔"

رخسانہ بتاتی رہی ۔

" سچ بی بی جی ۔۔۔"

وہ خوشی سے بولا ۔۔۔

" ہوں "

رخسانہ نے جواب دیا ۔۔۔

" اور ہاں ۔۔۔ میں تمہیں یہ کہہ رہی تھی کہ وہ جو کچھ تم سے پوچھیں تم صاف صاف اور سچ سچ بتا دو گے ۔۔۔ تاکہ وہ مناسب اقدام کریں اور تمہیں تمہاری منزل سے نزدیک پہنچانے میں تمہاری مدد کریں ۔۔"

خوشی سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور وہ بولا ۔۔۔

" میں ان کو سب کچھ بتا دوں گا ۔۔۔"

اتفاق سے اسی وقت پولیس جیپ اندر داخل ہوئی اور اس میں سے ایک پولیس آفیسر نکلا ۔۔۔

سیٹھ منیر نے اس کا استقبال کیا اور اسے ڈرائنگ روم میں لائے ۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد پولیس آفیسر نے کہا ۔

" وہ نوجوان کہاں ہے اسے ہم سے ملاؤ ۔۔۔"

" بہتر ۔۔۔"

سیٹھ صاحب نے کہا ۔

اور پھر انہوں نے اسی ملازم سے جو چائے لایا تھا کہا۔

"انور کو بلا لاؤ —"

ملازم نے انور سے جا کر کہا۔

"آپ کو صاحب بلا رہے ہیں —"

"رخسانہ بھی وہاں موجود ہیں —" اس نے کہا۔

"شاید — وہ پولیس آفیسر آ گئے۔ چلو میں بھی چلتی ہوں —"

چنانچہ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے —

سیٹھ صاحب نے پولیس آفیسر سے ان کا تعارف کروایا۔ اور بتایا کہ یہ انور ہے اور یہ میری بیٹی رخسانہ جس کی وجہ سے انور انسان بن گیا ہے —

پولیس آفیسر صرف مسکرائے اور بولے

"ویسے رخسانہ بی بی یہ ٹھیک کام ہے —"

"وہ کیسے"

وہ شرم سے زمین گھورتی ہوئی بولی —

"دراصل جب میں نے اس نوجوان کے واقعات کو سنا تو مجھے یہ عجیب سے لگے اور میں نے اس دلچسپ واقعہ کو ناول کی شکل دینے کا فیصلہ کر لیا —"

سیٹھ صاحب نے بات کاٹی —

"ہاں میں یہ بتانا تو بھول گیا کہ رخسانہ — ایک اچھی ادیبہ بھی ہیں۔

بڑے خوبصورت افسانے اور ناول لکھتی ہیں —"

"ارادہ"

وہ خوشی سے بولے —

"اچھا شوق ہے بیٹی — ہاں تو تم نے اس کی پوری سٹوری افسانے کی شکل میں لکھی —؟"

"جی ہاں —"

وہ جوش اور خوشی سے بولی —

"میں نے اس نوجوان کی کہانی کو افسانے کا رنگ دیا۔ اور ناول کے روپ میں لکھا۔ میں نے اس سے اس جزیرے کے پورے واقعات سنے اور انہیں بڑے اچھے انداز میں قلم بند کیا —"

پھر مجھے اس نوجوان پر بھی بہت محنت کرنی پڑی — میں چونکہ حقائق پر مبنی حالات لکھنا زیادہ پسند کرتی ہوں، اور نوجوان ناول کا اہم ترین کردار تھا اور میں نے سوچا کہ جب میں ناول میں یہ اقرار کروں گی کہ یہ نوجوان مصیبت زدہ حالت میں شہر میں آیا اور ہماری کار سے زخمی ہونے کے بعد سب سے پہلے ہم سے متعارف ہوا۔ اور ہم نے اسے اپنے جھوٹے برتن دھونے کے کام پر لگا دیا — تو پڑھنے والے ہم سے نفرت کرنے لگیں۔ اس لئے میں نے اسے گھر کا ایک فرد بنا رکھا اور اسے شہری آداب اور تہذیب سے آشنا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

اور اب یہ نوجوان آپ کے سامنے ہے —"

پھر میں نے یہ بھی سوچا ——"

کہ میرے ناول کے قارئین یقیناً سوچیں گے کہ کیوں نہ ہم نے اسے ایک کشتی سے دی تاکہ یہ نوجوان اپنی منزل پا سکے —— کشتی ہمارے لئے معمولی بات تھی اور اسکی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ — چنانچہ میں نے ابو کو مجبور کیا کہ وہ اسے کشتی لے دیں — اور میں ابو کی مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے مایوس نہیں کیا اور ایک عقلمند باپ کی طرح میرے شوق کی تکمیل میں میرا ساتھ دیا ——

اور یہ بھی کہ ابو کی اور میری یہ شرط لگی تھی کہ میں اس نوجوان کو مہذب دنیا سے روں گی —— مگر میں جیت گئی —— ابو کو اس کا افسوس نہ ہوگا کیونکہ والدین کی اصل فتح تو اولاد کی فتح ہوتی ہے — اولاد والدین کا ایک روپ بھی تو ہے ——

اب یہ نوجوان آپ کے سامنے ہے اسے آپ نے جو بھی پوچھنا ہے پوچھ لیجئے ——"

"آپ کا ناول مکمل ہو گیا کیا ——؟"

پولیس آفیسر نے پوچھا ——

"جی ابھی نہیں ——؟"

وہ بولی ——

"مگر کیوں نہیں ——؟"

اس نے حیرانی سے پوچھا ——

"تم تو کہتی تھیں کہ یہ آخری سین ہوگا ——؟"

"ہاں ابو ——"

رخسانہ نے جواب دیا ——"

"مگر ابھی ایک سین باقی ہے اور اس میں آپ کے دوست پولیس آفیسر بھی ایک کردار ہوں گے ——"

"میں ایک کردار ہوں گا"

حیرانی سے وہ بولا ——

"جی ہاں ——؟"

رخسانہ نے کہا ——"

"ابھی انور کے جزیرے میں واپس جانا وہاں اس کا سونا بیچنا اور اس کی اولاد کے بعد انور کی کامیابی —— اس ناول کا اختتام ہوگا —— اور یہ واقعات ابھی وقوع پذیر ہوں گے کہ"

"عجیب بات ہے ——"

وہ بولے ——

"ابھی تم اسے مکمل کر لو —— یہ تو اب طے شدہ بات ہے سارے حالات کا خود تمہیں معلوم ہے پھر تم کیوں اسے نہیں لکھ لیتیں —— تاکہ جونہی اس کہانی کا خاتمہ ہو وہ تمہارا ناول مارکیٹ میں فروخت کیلئے موجود ہو ——"

"وہ —— ؟

وہ بولی ـــ

"آپ بھی کتنے بھولے ہیں ـــ ناول کا پلاٹ دراصل اختلافات کا مجموعہ ہوتا ہے اور اختلافات نہ ہوں تو ناول چاشنی کھو دیتا ہے ـــ میری کہانی کا دلچسپ پہلو انور کا ہم سے ملنا ہے جہاں سے کہانی کا کلائمکس شروع ہوتا ہے اور یہ ایک اتفاق ہی تو تھا ـــ اور ممکن ہے اس کے بعد بھی کوئی ایسا حادثہ ہو جائے جس سے کہانی درخ بدل لے ـــ میں سارے حالات ہونے تک انتظار کروں گی یوں بھی مجھے اب زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا ـــ"

سیٹھ صاحب اور پولیس آفیسر مسکرائے ـــ سیٹھ صاحب نے کہا

"میری بیٹی بڑی حقیقت پسند ہے ـــ اور میں اس پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرتا ہوں ـــ"

"ٹھیک ہے ـــ"

پولیس آفیسر نے کہا ـــ

"تم حالات کو اسی وقت قلم بند کرنا جب حالات سے باخبر ہو جاؤ اور میں تمہیں تمام حالات سے باخبر رکھوں گا ـــ"

"تو آپ اس نوجوان کی امداد کا وعدہ کرتے ہیں"

وہ بولی ـــ

"ہم نے ابھی اس نوجوان سے کچھ بھی تو نہیں پوچھا اور نہ ہی میں اس جزیرے سے واقف ہوں ـــ میں تو اس نوجوان سے ملنے

اور حالات پوچھنے آیا تھا ـــ

خیر ـــ

پھر وہ انور سے مخاطب ہوئے ـــ

"تم مجھے بتاؤ کہ تم کن حالات میں وہاں سے آئے ـــ اور اب واپسی میں تمہیں کیا خدشات ہیں ـــ"

انور ان لوگوں کی باتیں نہ سمجھا تھا ـــ وہ بونگوں کی طرح انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے گلا صاف کیا اور بولا ـــ

"میں آپ کو اپنے حالات سے باخبر کرتا ہوں ـــ"

کچھ دیر چپ رہ کر اس نے ایک ایک کر کے سارے حالات بڑے سادہ اور ایسے انداز میں سنائے کہ پولیس آفیسر بھی اس کی باتوں سے بے حد متاثر ہوا اور اسے انور سے ہمدردی پیدا ہو گئی

سیٹھ نعیم نے کہا ـــ

"اب کیا خیال ہے"

"دراصل پولیس ضابطے کے مطابق پولیس کے ہر آفیسر کا ایک حلقہ اختیار ہوتا ہے ـــ

اور اس سے باہر اسے فرائض سرانجام دینے کے لئے خاص اجازت نہیں ہوتی ہے ـــ"

اس نے وضاحت کی ـــ

"تو اجازت لیجئے نا ـــ"

رخسانہ نے درخواست کی ــــ

"ہاں بیٹی ــــ "

وہ بولے ــــ

"میں یقیناً اجازت لے لوں گا ــــ مگر اس میں دو چار دن لگیں گے اس دوران تم انتظار کرو ــــ اس کے بعد انشاء اللہ سب درست ہو جائے گا ــــ "

"جی بہتر ــــ "

وہ بولی ــــ

پھر پولیس آفیسر نے انور سے کہا ــــ

"نوجوان تم فکر نہ کرو ــــ میں تمہاری ضرور مدد کروں گا ۔ اور تمہیں تمہاری منزل تک پہنچانے کے لئے اور رخسانہ بیٹی کو اس کا ناول مکمل کرنے کے لئے جو میری ڈیوٹی ہوئی اسے سرانجام دوں گا ــــ "

"شکریہ انکل ــــ "

مسکرا کر رخسانہ نے کہا ــــ

وہ صرف مسکرائے ۔ اور بولے ــــ

"اب مجھے اجازت دیجئے ــــ "

چنانچہ اجازت لے کر وہ چلے گئے ــــ

گھر کے سبھی افراد خوش تھے ــــ

انور کی زندگی کا مسئلہ تھا ــــ اور ان لوگوں کے لئے یہ دلچسپ تفریح تھی ــــ

کسی کا زندہ رہنا بھی تو دولت مندوں کے باعث تفریح ہے

ٹھیکے دار اور اس کے گماشتے بھی اپنے ساتھیوں یعنی جزیرے
کے بڑوں کے ہمراہ اس مقام تک جا پہنچے جہاں ساون چھپا ہوا
تھا —

رات اندھیری تھی — اور بادل چھائے ہوئے تھے۔ جنہوں
نے چاند کی روشنی سے جزیرے والوں کو محروم کر رکھا تھا۔
ان لوگوں کی راہبری وہ نوجوان کر رہا تھا جو اس سے قبل
سونبا کا پیچھا کر کے ساون کو وہاں دیکھ کر آیا تھا — اور جس نے
ٹھیکے دار کو باخبر کیا تھا۔ کہ ساون زندہ ہے اور فلاں جگہ چھپا ہوا
ہے —

دن بھر کا جاگا ہوا اور شبرو بابا کے غم میں دن بھر سے نڈھال
ساون ابھی سویا تھا —"

اس نوجوان نے اس پہاڑی کھوہ کی جانب اشارہ کر کے
بتایا —

"ساون وہاں ہے —"

بزدل مولوی نے کہا —

"پہلے ہمیں ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لینا چاہیے تاکہ ہم دیکھ

سکیں کہ ساون وہاں ہے یا نہیں — اور کوئی دوسرا تو وہاں چھپا
ہوا نہیں —"

"اس کی کیا ضرورت ہے —"

ٹھیکے دار نے جواب دیا —

"وہ بہرحال جرأت مند آدمی تھا —؟
اس کے پاس بندوق بھی ہے —"

مولوی نے خدشہ ظاہر کیا —

"ہاں بات البتہ سوچنے والی ہے —"

وہ بولا —

اور پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو اس انداز سے ارد گرد چھپایا
کہ ساون اگر وار کرنا بھی چاہیے تو نہ کر سکے — اور پھر وہ دبے پاؤں
ساون کے پاس جا پہنچا —"

گرما کا موسم — دور کھلے آسمان تلے رات کے اس وقت ساون اور
بیلو بے خبر سو رہے تھے — بیلو کی گود میں اس کا بچہ بھی سو رہا تھا
وہ کچھ دیر اس کے ارد گرد گھورتے رہے — ان سب کے چہرے پر بلا کی
سفاکی تھی —

اگر ساون سے انہوں نے وار برآمد کرنا ہوتا تو اسے
ہلاک کر دیتے — ساون کی بندوق جو اس نے ٹکڑا کر سے چھینی تھی اس
کے سرہانے پڑی تھی —

ٹھیکے دار نے سب سے پہلے بندوق اٹھائی اور پھر اس نے بندوق
کی نالی ساون کے سینے پر رکھ کر اس کے چہرے پر ٹھوکر ماری
"اٹھو ۔۔۔۔"

وہ سفاکانہ لہجے میں بولا ۔۔۔

مرا بڑا کر وہ اٹھا ۔ اور فوری طور پر اسکا ہاتھ اسی مقام
پر پہنچا جہاں بندوق رکھی ہوئی تھی ۔۔۔"
مگر بندوق وہاں نہ تھی ۔۔۔ آنکھیں مل کر اس نے ان سب
کو دیکھا وہ ان میں گھیرا ہوا تھا ۔۔۔ موت اسے سر پر ناچتی دکھائی
دی ۔۔۔ اور وہ عجیب انداز میں منہ پھاڑے کھڑا ہو گیا ۔
"ہاں کہاں ہے ۔۔۔"
ٹھیکے دار نے پوچھا ۔۔۔۔
ایکدم سے اسے نہ جانے کیا خیال آیا ۔۔۔ وہ اس حالت
میں قہقہہ لگا کر ہنس دیا اور بولا ۔۔۔"
ہار کا پوچھتے ہو ۔۔۔ تم مجھ سے ہار نہ لے سکو گے ۔ میں نے
چھپا دیا ہے ۔ اور اس کا پتہ صرف میں جانتا ہوں ۔۔۔"
زور کا طمانچہ اس کے منہ پر پڑا اور مولوی چلایا ۔۔۔"
بتا دو ۔۔۔ ورنہ جان سے مار دوں گا ۔۔۔۔"
نفرت سے اس نے مولوی کے منہ پر تھوک دیا اور بولا ۔۔۔
"تم مولوی نہیں بلکہ فراڈ ہو ۔۔۔ میں جانتا ہوں ۔ جب تک تم

مجھ سے ہار نہ لے لو مجھے ہلاک نہیں کرو گے ۔۔ اور یہ بھی میں محسوس
کر رکھا ہے کہ چاہے تم میری بوٹیاں بھی علیحدہ کر دو میں تمہیں ہار کے
بارے میں ایک لفظ بھی نہ بتاؤں گا ۔۔۔"
بلو بھی اٹھ گئی اور اس نے جب خود کو ان لوگوں کے پاس گرفتہ
پایا تو وہ خوف سے کانپنے لگی ۔۔۔ وہ گڑگڑا کر بولی ۔۔۔
"خدا کے لیے سرتاج ہار ان کو دے دو ۔ ہمیں زندگی چاہیے
اگر زندگی نہ رہی تو یہ ہار کس کام کا ۔ ہمیں ہار نہیں چاہیے
ہاں ۔ اسے سمجھاؤ ۔ ہار ہمارے حوالے کر دے ہم اسے
اور تمہیں چھوڑ دیں گے ۔۔"
مولوی نے جھوٹ بولا ۔۔۔
"سرتاج ہار انہیں دے دو ۔۔۔"
بلو نے پھر کہا ۔۔۔۔
"بلو ۔۔۔۔"
وہ اتنے زور سے گرجا کر بلو کانپ گئی ۔۔۔
"ہار لینے کے بعد بھی یہ لوگ ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے ۔
ہمیں ہار لینے ہی قتل کر دیں گے ۔۔۔ اور اول تو تمہیں پتہ نہیں
ہو کہ ہار میں کہاں دبا یا ہے اور اگر تم نے اس کے باوجود بتا دیا
میں تمہیں طلاق دے دوں گا ۔۔۔ سمجھ گئیں ۔ میں تمہیں کبھی
معاف نہیں کروں گا ۔۔۔"

اس نے ہار واقعی زمین میں دبا دیا تھا — یا کسی اور جگہ تھا
اس بارے میں ہیلو کو علم نہ تھا۔ مگر ساون نے وہ ہار اپنے موٹے
لباس کی تہوں میں اتنی چابک دستی سے چھپایا تھا کہ بار بار
تلاش کرنے سے بھی تلاش کرنے والوں کو وہ ہار نہ مل سکا —
غصے سے ٹھیکے دار نیم پاگل ہو گیا — اسے ٹھوکریں، مکوں
اور چانٹوں سے ساون کی خوب مرمت کی اور اسے مجبور کیا کہ
وہ ہار کا پتہ بتائے — مگر ساون کسی بھی حالت میں بتانے
کو تیار نہ تھا —

اچانک انہوں نے ایک اور حربہ اختیار کیا —
انہوں نے ہیلو کو بالوں سے پکڑ لیا۔ اور ٹھیکے دار نے کہا۔
"اگر تم اپنی بیوی کی عصمت کی حفاظت چاہتے ہو تو بتا دو۔
ورنہ میرے [illegible] اس ضمن میں بھی کافی ہوشیار ہیں —
"میں نہیں بتاؤں گا —
اس نے یوں کہا جیسے وہ فیصلہ کن انداز میں بات کر رہا ہو۔
انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا —
مولوی نے کہا —
"ہار کسی جگہ کہیں چھپا دیا گیا ہے۔ اگر ابھی اس سے معلوم نہ
کیا گیا تو شاید یہ آپ نے کسی ساتھی کو بتا دے اور ہم ہار سے
محروم رہ جائیں —"

"مگر ہار پر تمہارا حق کیوں ہے —"
وہ تلخی سے بولا —
"ہار پر صرف ہمارا حق ہے۔ اس لیے کہ ہم اس جزیرے کے
مالک ہیں اور تم سب ہمارے ملازم ہو —"
ٹھیکے دار نے منطق پیش کی —
"ہم تمہارے غلام نہیں ہیں — تم جابر ہو اور دولت مند بھی۔
تم دولت کے بل پر ہم پر ظلم چلاتے ہو — مگر اب ایسا کبھی نہ ہوگا
ساون نے کہا —
"اس کی باتوں سے شدید بغاوت کی بو آتی ہے۔"
ٹھیکے دار کی طرف دیکھ کر مولوی بولا —"
"دور ہو جائے گی —"
معنی خیز انداز میں ٹھیکے دار نے کہا —
"میرا خیال ہے ہم اسے لے جائیں اور اپنے گھر میں بند کر دیں
وہاں ہم اسے بہتر طریقے سے پوچھ سکیں گے کہ ہار کہاں ہے
کیا خیال ہے آپ لوگوں کا —؟
"میرا خیال ہے اسے مسجد کے حجرے میں بند کر دیں —"
مولوی نے کہا —
وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ساون کو ٹھیکے دار کے حوالے کر دیا گیا تو
ٹھیکے دار اس سے ہار خود لے گا —

اور ان کو ان کا حصہ نہ ملے گا — وہ خود بھی شاطر شخص تھا اور
اپنے ہی جیسے دوسرے کی چال سمجھ سکتا تھا —
"ور مسجد میں بند کرنے کی کیا ضرورت ہے —"
ٹھیکے دار نے کہا —
"میں اسے اپنے ہاں بند کر دوں گا — وہاں کسی کو اس کا
علم بھی نہ ہوگا —
میرا گھر یوں بھی ان لوگوں کی بستی سے دور ہے — مسجد سے
تو یہ شور مچا کر دوسروں کو اپنی موجودگی سے باخبر کر سکے گا
اور میری یہاں سے گمشدگی کا جلد ہی ساری بستی کو علم ہو جائے
گا — اور وہ لوگ مجھے ضرور تلاش کریں گے —"
ساون نے انہیں گویا دھمکایا —
"انہیں اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ تمہارے بارے میں سوچیں
ہم نے تمہاری بستی کا نشان بھی نہیں چھوڑا — وہ لوگ مدتوں
اپنے مسائل سے نہ نکل سکیں گے —"
جوہری نے بتایا —
"کیا کیا تم نے ہماری بستی کو —؟"
وہ فکرمندی سے بولا —
"جلا کر خاک کر دی —"
مولوی نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا جیسے یہ بھی کر کی نیکی

کا کام کیا ہو — اچانک ٹھیکے دار بولا —
"یہاں رکنا درست نہیں — کوئی نئی مشکل نہ آن پڑے — اسے
تو بہرحال جو ہم پوچھیں گے بتانا پڑے گا — پھر ہم لوگ اسے
لے جائیں —"
"ہاں ہاں — یہ ٹھیک ہے —"
جوہری نے تائید کی —
اور مجبوراً مولوی صاحب کو بھی بات ماننی پڑی —
ٹھیکے دار نے اپنے آدمیوں سے کہا —
"ان کے ہاتھ پاؤں باندھ لو — اور ان کو میرے تہہ خانے
میں لے جاؤ —"
چنانچہ ساون اور ہیلو کو باندھ دیا گیا اور وہ لوگ انہیں ٹھیکے
دار کے ہاں لے چلے —
وہ باوجود کوشش کے بھی اس سے ہار کا پتہ معلوم کرنے میں
ناکام رہے تھے —"
راستے بھر انہوں نے کوشش جاری رکھیں اور اسے یقین
دلاتے رہے کہ اگر وہ ہار کا پتہ بتلا دے تو وہ اسے چھوڑ دیں
گے — مگر ساون نے ہار کا پتہ نہ بتلایا —"
پھر انہیں ٹھیکیدار کے تہہ خانے میں لے جایا گیا —
اور وہاں انہیں بند کر دیا گیا —"

یہ ایک غلیظ سا کمرہ تھا جو بھوسے اٹا ہوا تھا اور پرانے سامان سے
بھرا ہوا تھا —
انہوں نے ایک جانب اپنے لئے جگہ بنائی اور صبح کے انتظار میں
بیٹھ گئے — "
رات بھر جاگنے کے باعث ٹیکو والا اور اس کے آدمیوں کو
نیند آ رہی تھی اس لئے وہ سونے چلے گئے —
"ذرا سا سکون پا کر برٹے پیارے سے اور اپنائیت سے بلاٹ
سادن سے پوچھا — "
"مسز تاج — آخر تم وہ ہار کیوں ان لوگوں کو نہیں دے
دیتیں — وہ ہم سب کو ہلاک کر دیں گے — وہ اس ہار کے لئے
پاگل ہو گئے ہیں — انہوں نے اپنا ایک آدمی ہلاک کر دیا ہے
اور اب جبکہ انہوں نے ہمیں پکڑ کر یہاں ایسی جگہ قید کر دیا
جہاں ہماری فریاد سننے والا بھی کوئی نہیں تو وہ ہمیں معاف نہ
کریں گے —
مسز تاج اپنے بچے کی زندگی کی خاطر ہار ان کو دے دو —
ہار ہمارے بچے سے زیادہ قیمتی چیز نہیں ہو سکتی — "
"وہ بولا —
سادن نے آہستہ سے کہا —
"کیا تم سمجھتی ہو میں ہار کے لئے تمہیں یا بچے کو قربان کر دوں

یہ تمہارا خیال ہے — میں کبھی بھی ایسا نہ کرتا — مگر یقین رکھو وہ
لوگ تب تک ہماری حفاظت کریں گے جب تک ہم ان کو ہار
نہیں دے دیتے — وہ ہار لیے بغیر ہمیں ہلاک نہیں کریں گے
مگر جونہی ہار ان کو مل گیا وہ ہمیں مار ڈالیں گے تاکہ اپنے ظلم پر
پردہ ڈال دیں — دراصل ہماری زندگی اسی ہار میں ہے
اسے چھپائیں گے تو زندہ رہیں گے اور اگر اس کا پتہ بتا دیا اور
ہار ان کے حوالے کر دیا تو ہم جان سے گئے —
اور تم امبکا دان کے فلسفے سے چھوڑ رہی ہو — بیلو یاد رکھو
اوپر ایک طاقت ہے محبت بڑی طاقت جسے خدا کہتے ہیں —
اس مولوی سے کتابوں سے پڑھ پڑھ کر سنایا ہے کہ وہ بڑا
زبردست ہے — طاقت والا ہے اور مظلوم کا حامی بھی ہے
وہ ضرور ہماری مدد کرے گا کیونکہ ہم سچائی پر ہیں — ہم پر ظلم
ہو رہا ہے — تم خدا سے دعا کرو کہ وہ انصاف کرے — "
بات بیلو کی سمجھ میں آ گئی — اس نے کہا —
"واقعی مسز تاج تم عقلمند ہو — ہار ان کو کسی بھی حالت
میں نہیں دینا چاہیے —
ورنہ — ورنہ وہ ہمیں مار دیں گے — اور میں خدا سے
کروں گی کہ ہماری امداد کرے اور ہمیں مشکل سے نجات
دے — "

بات کرنے کا اور کوئی موضوع نہ تھا ۔۔۔ وہ جزیرے کے
بڑوں کی قید میں تھے جہاں سے ان کا بچ نکلنا مشکل تھا۔
عیار لوگوں نے اپنی عیاری سے انہیں قابو میں کر لیا تھا۔
اور بیلوبے چاری سجدے میں گر کر خدا سے دعائیں مانگتی
اسے امید تھی کہ خدا اس کی دعا ضرور سن لے گا ۔۔۔

اور ۔۔۔

جزیرے کے سیاہ دل بڑے ۔ آپنے ہاں آرام دہ بستروں
پر پڑے ان جانی سوچوں میں گم تھے ۔۔۔
ہار ان کے ذہن کا ناسور بن کر رہ گیا تھا ۔۔۔ حالانکہ ہار پر
ان کا کوئی اہل حق نہ تھا ۔۔۔

انور اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا کہ وہی نوجوان کار میں ان
کے بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا اور اس نے ہارن دیا ۔۔۔
یہ جاوید تھا ۔۔۔ جسے رخسانہ نے ریحانہ کا منگیتر بتایا تھا۔
وہ خاموشی سے دیکھتا رہا ۔۔۔
جاوید نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اور اسی لمحے ریحانہ بھی آگئی تھی
دونوں نے مسکرا کر انور کی طرف دیکھا اور نہ جانے انور کے بارے
میں ریحانہ نے کہا کہا جسے وہ سن بھی نہ سکا ۔۔۔
مگر اسے ان حالات سے دلچسپی نہ تھی ۔۔۔ وہ ریحانہ کا منگیتر تھا

اور سنہری زندگی میں جیسا کہ رخسانہ نے بتایا تھا کہ منگیتر کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ہونے والی رفیقہ حیات سے ملے اور وہ کوئی بھی پروگرام بنا لیں —

اچانک — سیٹھ نذیر وہاں آن پہنچے — انہوں نے انور کے پیچھے جا کر کھنکارا — انور نے مڑ کر دیکھا اور ادب سے انہیں سلام کیا — سیٹھ صاحب نے کہا —

"کیا دیکھ رہے تھے —"

"جی سرکار —"

اس نے آہستہ سے کہا —

"وہ — وہ جاوید صاحب آئے تھے نا — ان کو دیکھ رہا تھا

وہ جاوید —"

سیٹھ نذیر نے حیرانی دہرایا —

"کون جاوید —"

"صاحب وہ ریحانہ بی بی کے منگیتر —"

اس نے کہہ دیا —

"وہ منگیتر —"

سیٹھ صاحب مزید حیران ہوئے —

"نہیں کس نے بتایا — ریحانہ کی منگنی کب ہوئی — وہ کون ہے"

"سرکار مجھے تو یہ سب رخسانہ بی بی نے بتایا تھا —"

انور نے صفائی پیش کی —

"اور میں نہیں جانتا وہ کون ہے — مگر رات کو یا دن کے وقت اکثر میں نے انہیں ریحانہ بی بی سے ملنے آتے دیکھا ہے — ابھی ابھی اس کی کار میں ریحانہ بی بی گئی ہیں میں نے اس بارے میں ایک دن جبکہ وہ اچھی حالت میں نہ تھے انہیں سرزنش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا — کیونکہ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے سرکار مگر ریحانہ بی بی نے مجھے منع کر دیا تھا —"

وہ بتاتا رہا اور سیٹھ صاحب سوچوں کی وادیوں میں کھو گئے

انہوں نے خود سے کہا —

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے لڑکیوں کو جو آزادی دے رکھی تھی اور ان پر جو اعتماد کیا تھا اس کا انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور وہ عشق کے چکر میں پھنس گئی ہیں —"

پھر انہوں نے ملازم کو آواز دی

"جی سرکار —"

وہ آ گیا — اور ادب سے بولا —

"رخسانہ کو اس کے کمرے سے بلا لاؤ —"

سیٹھ صاحب نے حکم دیا —

"جی بہتر سرکار —"

وہ چلا گیا — اور اس نے رخسانہ کو بتایا کہ انہیں اس کے والد

بلا رہے ہیں ـــــ"

وہ بے خبر تھی کہ بات کیا ہے ـــــ وہ بھاگی چلی آئی ـــــ مگر باپ کا موڈ خراب دیکھ کر وہ ٹھٹھکی ـــــ

"ریحانہ کہاں ہے ـــــ؟"

انہوں نے کسی تمہید کے بغیر پوچھا ـــــ

"جی ـــ مجھے نہیں معلوم ابو ـــ کسی سہیلی کے ہاں گئی ہو گی ـــ؟"

رخسانہ نے اس کی صفائی پیش کی ـــــ

"شاید تم نہیں جانتی ہو ـــــ؟"

سیٹھ صاحب نے سختی سے کہا ـــــ"

"مجھ سے کوئی بات مت چھپاؤ رخسانہ ـــ مجھے انور کی زبانی سب معلوم ہو گیا ہے ـــــ

بتاؤ یہ جاوید کون ہے ـــــ؟"

"جی ـــ میں نہیں جانتی ـــ شاید ریحانہ باجی جانتی ہوں ـــــ"

وہ بولی ـــــ

"رخسانہ ـــــ"

وہ غصے میں چیخے ـــــ اور رخسانہ کانپ گئی ـــــ"

"صاف صاف بتاؤ ـــ تم سب جانتی ہو ـــ تم نے کیا انور کو نہیں بتایا کہ جاوید نامی کوئی نوجوان جو ریحانہ سے ملنے آتا ہے اس کا منگیتر ہے ـــــ"

غصے سے رخسانہ کا ذہن کھول اٹھا ـــ اس نے سوچا ـــ

"تو اس جاہل اور احسان فراموش نے ـــــ ہمارے ہی باپ سے ہماری شکایات شروع کر دی ـــــ"

مگر پھر وہ سنبھل اور اس نے کہا ـــــ

"ابو اگر میں صحیح بات بتا دوں تو آپ ناراض تو نہ ہوں گے ـــــ"

"صاف بات کرو ـــ بات کرنے سے پہلے چوروں کی طرح شرائط نہ بتاؤ"

سیٹھ صاحب نے کہا ـــــ

بیگم صاحبہ گھر پر نہیں تھیں اس لیے رخسانہ باپ کے عتاب سے اور بھی گھبرا رہی تھی ـــــ

اس نے کہا ـــــ

"ابو وہ کوئی نوجوان ہے ـــ خوبصورت سا ہے ـــ امیر سے خاندان کا لگتا ہے اور شریف بھی ـــــ

وہ ریحانہ باجی کے ساتھ پڑھتا رہا ہے اور دونوں ایک دوسرے سے کافی مانوس ہیں ـــــ ابو انہوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے وقت آنے پر آپ سے اجازت لیں گے ـــ بس اتنی بات ہے ـــــ"

"اوہ ـــــ"

انہوں نے ہاتھ مل کر کہا ـــــ

"گھر میں کیا تماشہ ہوتا رہا اور میں دیکھتا رہ گیا ـــــ"

"تو ابو اب کیا ارادہ ہے ؟"

وہ دبے لفظوں میں بولی ——

"تم آئندہ کبھی اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہ بولو گی —— میں نے ریحانہ کی شادی اس کے چچازاد وسیم سے کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے —— میں خاندان سے باہر شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا —— اور ہاں آئندہ تم اس پر نظر رکھو گی اور اسے میری اجازت کے بغیر کہیں جانے نہ دو گی ورنہ خود جاؤ گی ——" انہوں نے حکم دیا ——

خوف کی شکل کر وہ بڑی مشکل سے بولی ——

"جی اچھا ابو ——"

اور پھر وہ وہاں سے چل دی ——

جب بھی وہ انور کے کمرے میں آئی —— وہ گھبرایا ہوا تھا رخسانہ نے کہا ——

"تم نے ابو سے باجی کی شکایت کی ہے نا ——"

چہرے سے زبردست غصہ اور نفرت ظاہر تھا ——

"جی —— نہیں تو ——"

وہ بوکھلایا ہوا بولا ——

"رخسانہ بی بی میں نے صاحب سے کوئی شکایت نہیں کی انہوں نے ایک بات پوچھی اور میں نے وہ بات صاف صاف بتا دی

میں نے اتنا جرم ضرور کیا ہے کہ جھوٹ نہیں بولا — اور یوں بھی مجھے معلوم نہ تھا کہ اصل بات کیا ہے —— آپ نے ہی تو بتایا تھا کہ شاہد ولید ہے —— اور ریحانہ بی بی کا منگیتر اور یہ بھی کہ ان کا آپس میں ملنا بری بات نہیں —— کیا آپ نے جھوٹ بولا تھا —— ور ایڈیٹ ——

وہ پیر ٹپک کر غصے سے چلائی —— اور وہاں سے چل گئی —— وہ خود سے کہہ رہی تھی ——

"ایک جاہل واقعی جاہل ہی رہتا ہے —— اسے لاکھ انسان بنانے کی کوشش کرو وہ کبھی انسان نہیں بن سکتا ——"

بیگم صاحبہ بھی آگئیں —— جب انہیں اصل حالات کا علم ہوا تو وہ بھی سخت غصے میں آگئیں —— کوئی والدین نہیں چاہتے کہ ان کی اولاد کسی غیر سے عشق کی پینگیں بڑھائے —— چنانچہ وہ ڈرائنگ روم میں ریحانہ کا انتظار کرنے لگیں ——

دو گھنٹے بعد اسی کار میں ریحانہ آگئی ——

جاوید تو ریحانہ کو ڈراپ کر کے چلا گیا —— مگر جو ہی وہ ڈرائنگ روم کے راستے اپنے کمرے میں جانے لگی اس نے ماں باپ دونوں کو بڑے غصے میں دیکھا ——

سیٹھ صاحب نے کہا ——

"ٹھہرو ریحانہ ——"

وہ رک گئی —

"ادھر آؤ —"

ماں نے اسے قریب بلایا —

وہ سمجھ گئی کہ ضرور اس کا پردہ فاش ہو گیا ہے یا یہ کہ ان کو شک ہو گیا ہے۔ انہوں نے پوچھا —

"کہاں گئی تھی —"

"جی۔ میں — میں یاسمین سے ملنے گئی تھی —"

وہ بوکھلانے لگی اور اس نے بہانہ بتایا —

"اور یہ جو تجھے چھوڑنے آیا تھا کون تھا —؟"

ماں نے پوچھا —

"یہ — یہ اس کا بھائی تھا امی — یاسمین کا بھائی —"

اس نے اور بہانہ بنایا —

ماں نے اسے بالوں سے پکڑ لیا اور ایک دھول جما دی اور بولی

"جھوٹ بھی کام کا نہ بولنا آیا تجھے — یاسمین تمہاری سہیلی ہے میں واقف ہوں —

اور اس کی ماں سے بھی — اس کا کوئی بھائی نہیں ہے —"

وہ بوکھلا گئی۔ شاید وہ کوئی اور جھوٹ بولتی مگر سیٹھ صاحب نے بیگم سے کہا —

"چھوڑو بیگم — مجھے اس سے بات کر لینے دو —"

بیگم نے اسے چھوڑ دیا — سیٹھ صاحب بولے —

"بیٹھ جاؤ ریحانہ —"

کانپتی ہوئی وہ صوفے پر بیٹھ گئی — باپ نے پوچھا —

"یہ جاوید کون ہے —"

"جی — جی کون سا جاوید —"

وہ بوکھلا کر بولی — اس سے فوری جواب نہ بن پڑا —

"میں پوچھتا ہوں جاوید کون ہے — مجھے انور اور رخسانہ نے سب بتا دیا ہے —"

سیٹھ صاحب نے غصے سے پوچھا —

"جی — آپ کو سب معلوم ہو گیا — تو پھر آپ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں — آپ کو اس بارے میں جو بھی پتہ چلا ہے وہ بالکل درست ہے —"

اس نے آہستہ سے جواب دیا —

"میں تمہاری شادی کا تمہارے چچا سے وعدہ کر چکا ہوں ان کا بیٹا بھی کسی سے کم نہیں — اپنا ہی خاندان ہے اور اپنا ہی خون — یوں بھی میں خاندان سے باہر شادی کرنے کا قائل نہیں اس لئے یہ میرا فیصلہ ہے کہ تم آئندہ کبھی اس نوجوان سے نہیں ملو گی — کبھی نہیں — اور نہ کبھی میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلو گی — یہ میرا آخری فیصلہ ہے —"

سیٹھ صاحب نے فیصلہ سنا دیا ——

" مگر ابو ....

اس نے کچھ کہنا چاہا ——

" اگر مگر کچھ نہیں ——

وہ بولے ——

" صاف اور سیدھی بات ہے جو کچھ میں نے کہا اس پر عمل کرو —— اور آئندہ تم اجازت لئے بغیر کہیں نہ جاؤ گی ——

" جی بہتر ابو —— "

وہ بولی ——

" اب اپنے کمرے میں جاؤ —— "

انہوں نے حکم دیا ——

وہ اٹھی اور جب وہ اپنے کمرے میں جانے لگی تو اس کے پاؤں کانپ رہے تھے —— ماں اور باپ دونوں کا موڈ سخت خراب تھا —— ماں نے کہا ——

" اب ہمیں اس کی شادی کر دینی چاہیے —— کہیں کچھ اور خرابی نہ ہو جائے —— زمانہ درست نہیں ہے —— "

" ہاں بیگم —— میں بھی یہی سوچ رہا ہوں —— وسیم جرمنی سے واپس آ جائے تو فوراً شادی کر دیں گے —— "

انہوں نے جواب دیا ——

ماں باپ نے اور کوئی بات نہ کی ——

اور ریحانہ غصے میں پیچ و تاب کھاتی جب انور کے کمرے کے سامنے سے گذری تو ذرا رک کر اس نے انور کو دیکھا —— اس کی آنکھوں سے غصے میں یہ الفاظ پڑھنا مشکل نہ تھا —— کہ

" تم نے میری شکایت کر کے میری بے عزتی کی ہے —— میں تم سے اس کا ضرور بدلہ لوں گی ——

مگر وہ بے چارہ بے گناہ تھا ——

اس سے یہ سب کچھ نادانستہ ہو گیا تھا ——

صبح ہو گئی —

ڈھلا ڈھلایا سورج۔ اس کی صاف اور چمکتی ہوئی دھوپ نے
زمین کو روشن کر دیا تھا جیسے دور میں کیا کرتا ہے —
کوئی خاص بات نہ تھی — فقط یہ کہ اس جزیرے کے مکینوں کے
سر چھپانے کی جگہ ویران ہو چکی تھی اور وہ اپنے جلے ہوئے
جھونپڑوں کے باہر اداس بیٹھے تھے۔ ان کے پاس نہ کپڑا تھا نہ
برتن — نہ کھانے پینے کی کوئی چیز تھی اور نہ ہی کوئی سامان
مگر ان کے دلوں میں غصہ ضرور تھا — وہ ظالم سے انتقام لینا
چاہتے تھے —

انہوں نے خدا پر انصاف چھوڑ دیا تھا — اور خدا سے کہا تھا اے
خدا کب تک تو ہمارا انصاف کر۔ ورنہ ہم تیری خدائی کو نہ مانیں گے
ہم تیرے مسلمان بندے تم سے انصاف مانگتے ہیں — اور تو نے
ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ہم بھی مظلوم
ہیں — ہماری امداد کر —

ورنہ ہم خود بدلہ لیں گے — اور ظلم کے خلاف جہاد کرتے
ہوئے ہلاک ہو جائیں گے —

سونیا اعظم کے قریب آئی آہستہ سے بولی —

اعظم بھیا — "

"کیا بات ہے سونیا —

" بولا —

"کل سے ہم نے نہ تو سادن بھیا کو کھانا پہنچایا ہے اور نہ ہی پانی
وہ بھوکے اور پیاسے ہوں گے — ہمیں ان کی خبر لینی چاہیے "

سونیا نے مشورہ دیا —

"ہاں سونیا — یہ ضروری تو ہے — "

اعظم نے فکر مندی سے جواب دیا —

"مگر یہاں بستی والوں کے پاس نہ تو کچھ کھانے کیلئے ہے اور نہ ہی پینے
البتہ تم پانی لے جاؤ —

اور سادن کو سارے حالات سے آگاہ کر دا سے بتا دینا کہ جو

مصیبت ہم سب پر آئی ہے اس میں خود ساون کا گھر بھی خاک ہو گیا
ہے ۔۔۔ "

اسے حوصلہ دینا اور کہنا ۔۔۔ میں کل اسے شہر پہنچانے کی پوری
کوشش کروں گا ۔۔۔

میں ابھی کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر سمندر سے مچھلیاں پکڑنے
جا رہا ہوں ۔ کیونکہ ہمیں اپنے بھوکے بچوں کے لیے کچھ نہ کچھ تو
کرنا ہوگا ۔۔۔ اس خوراک میں سے ساون کا حصہ اسے پہنچا دیا
جائے گا ۔۔۔ " اور اسے کہنا کہ فوری طور پر بھوک کا یہ علاج کر
سکتا ہے کہ ارد گرد سے کچھ جنگلی بیر توڑ کر کھائے ۔۔۔

یا اگر وہ سامنے آنا نہ چاہے تو تم ان کو جنگلی بیر چن دینا ۔ مچھلی
آنے تک بیر ان کو سہارا دیں گے ۔۔۔ "

وہ بتاتا رہا ۔۔۔ سونیا نے کہا ۔۔۔

" بہتر بھیا میں ابھی چلتی ہوں ۔۔۔ "

اور وہ چھپتی چھپاتی بستی سے باہر نکل گئی ۔۔۔

جونہی وہ بستی سے باہر نکلی وہ تقریباً بھاگنے لگی ۔ راستے میں
وہ عجیب عجیب باتیں سوچ رہی تھی ۔۔۔

تمام بری خبریں وہ ہی ساون کو سنا رہی تھی ۔ کیونکہ وہی اس سے
ملنے جاتی تھی ۔۔۔ اس نے سوچا ۔۔۔

خالی ہاتھ جانا درست نہیں کیوں نہ میں جاتے ہی جنگلی جھڑبیری

سے بیر چن لوں اور جاتے ہی ساون کو پیش کر دوں ۔۔۔ پانی کا
برتن اس نے کمر سے ٹکا رکھا تھا ۔۔۔

وہ رکی اور بیر توڑ توڑ کر اپنے پلو میں جمع کرنے لگی ۔۔۔ دس پندرہ
منٹ میں اس نے اتنے بیر جمع کر لیے کہ ساون اور بلو کے لیے
کافی تھے ۔۔۔

اب وہ کسی قدر مطمئن تھی ۔۔۔ وہ بے چاری مصیبت میں ان دونوں
کی خدمت کرنا چاہتی تھی مگر وہ بھلا کیا خدمت کرتی وہ تو خود مفلس
تھی ۔۔۔ البتہ وہ جو کچھ کر سکتی تھی وہ کر رہی تھی ۔۔۔

وہ اس کھوہ تک جا پہنچی جہاں ساون اور بلو چھپے ہوئے تھے ۔۔۔
پہاڑی کھوہ کے دروازے پر ہی اسے ایک کپڑے کا ٹکڑا دکھائی دیا
، ساون کے لباس کا پھٹا ہوا حصہ تھا ۔۔۔

اس کا دل کانپ اٹھا ۔ پورے زور سے وہ چلائی ۔۔۔

"ساون بھیا ۔۔۔ "

یہ آواز چیخ کی طرح نمایاں تھی ۔ اور اس سے اس کا خوف اور دلی
دکھ نمایاں تھا

"مگر کوئی جواب نہ آیا ۔۔۔

جھانک کر اس نے کھوہ میں دیکھا ۔۔۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا ۔
بیر اس کے پلو سے گر کر بکھر گئے ۔۔۔ اور پانی کا کچا برتن اس نے
زمین پر رکھ دیا اور رونے لگی ۔۔۔ وہ خود سے بولی ۔۔۔

تو وہ تمہیں پکڑ کر لے گئے ساون بھیا — وہ تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ ساون بھیا تم کتنے بدقسمت نکلے —"

اس کا سر چکرانے لگا جب وہ سنبھلی تو اس نے خود سے کہا —

"میں رات تو ساون بھیا سے مل کر گئی ہوں — انہوں نے رات کے کسی حصے میں یا صبح انہیں پکڑا ہے — مجھے قبیلے والوں کو ساری بات بتانی ہو گی —"

پھر دل نے کہا —

"شاید ساون بھاگ گیا ہو —"

مگر ارد گرد بکھری ہوئی بہت سی گھاس اور بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے پتھروں کے علاوہ ساون کے لباس کا پھٹا ہوا ٹکڑا اس بات کا غماز تھا کہ انہوں نے ساون کو پکڑ لیا ہے اور ہار بھی انہوں نے چھین لیا ہو گا صرف اس قدر نہیں بلکہ وہاں کی ہر شے بتا رہی تھی جیسے وہاں جھگڑا ہوا ہو — اور انہوں نے ساون پر تشدد بھی کیا ہو — وہ جلدی سے وہاں سے اٹھی اور بستی کی جانب بھاگ اٹھی —

گھبرائی ہوئی وہ اعظم کے قریب آئی —

دوسرے لوگوں نے بھی اسے اس حالت میں دیکھ لیا تھا — سبھی اس کے گرد جمع ہو گئے —

ان کے خیال میں وہ بہت اہم خبر لائی تھی — مگر ان میں سے کوئی بھی نہ جانتا تھا

کہ ساون کے بارے میں وہ اور اعظم باخبر ہیں —

"کیا ہوا سونیا —"

اعظم نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا —

"وہ — وہ ساون بھیا کو پکڑ کر لے گئے —"

اس نے بتایا —

سبھی پر بجلی سی گری — اعظم نے کہا —

"کیسے — کیسے —؟"

"میں نہیں جانتی — وہاں اعظم اور ہیلو نہیں ہیں اور ارد گرد کی چیزیں بتا رہی ہیں کہ ان پر انہوں نے تشدد بھی کیا ہے اور ساون بھیا کے لباس کا ایک ٹکڑا وہاں میں نے پڑا دیکھا ہے —"

وہ بتاتی رہی —

"ساون کہاں تھا — تم جانتے تھے —"

ایک نوجوان نے پوچھا —

وہ افسردگی سے بولا —

"ہاں میں جانتا تھا — اور میں نے خود اسے ایک جگہ چھپایا تھا — ہم اس کو جزیرے سے باہر بھیجنے کی فکر میں تھے —"

"اب کیا ہو گا —؟"

ایک اور نوجوان نے پوچھا —

شیریں۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچ رہی تھی۔ سینہ کوبی کر رہی تھی اور زور زور سے بین کر رہی تھی۔ کچھ اور عورتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اور وہاں اچھا خاصہ ہنگامہ ہو گیا۔

اعظم نے غصے سے اور افسوس کے ملے جلے جذبات سے چلا کر کہا۔

"تم اپنا واویلا ختم کرو۔ ہم اسے بچانے کی کوشش کریں گے مگر ہمیں علم نہیں انہوں نے اعظم کو مار دیا یا قید کر رکھا ہے۔"

"انہوں نے ہار بھی چھین لیا ہوگا۔"

ایک اور نوجوان نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ہار کے علاوہ ڈاکو کے خون کا بدلہ بھی تو انہوں نے ساون سے لینا ہے۔ اگر انہوں نے ساون سے ہار چھین لیا ہوگا تو وہ یقیناً اسے ہلاک کر چکے ہوں گے۔ ورنہ میرے خیال میں وہ اتنے احمق نہیں کہ وہ اسے ہلاک کر دیں۔ مجھے ساون نے خود بتایا تھا کہ اس نے ہار ایسی جگہ چھپا دیا ہے جہاں سے کوئی بھی اس کے علاوہ اسے تلاش نہیں کر سکتا ایسی حالت میں وہ اسے بچا کر رکھیں گے۔"

اعظم بتاتا رہا۔

"ہم ساون کو بچا لیں گے۔ جان پر کھیل کر بھی۔"

نوجوان چلائے۔"

بھائی کی محبت سے مغلوب ہو کر شیریں نے بھی نعرہ بلند کیا اور چلا کر بولی۔

"ہاں ہاں۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ چلو ہم ابھی ان لوگوں سے پوچھتے ہیں۔ ساون ان کے پاس ہوگا۔"

ایک عورت کا یہ عزم دیکھ کر نوجوانوں کے دل میں نیا ولولہ پیدا ہوا اور انہوں نے جو بھی چیز ایسی ہاتھ لگی جسے وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے ہوں۔ سنبھال لی اور چل دیئے۔ اعظم نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

ایک چپو سونیا کے ہاتھ میں تھا وہ بھی ساتھ تھی۔ بچے سہم گئے۔ اور عورتیں۔ وہ بھی کچھ نہ کچھ ہاتھوں میں لئے مردوں کے پیچھے پیچھے چل دیں۔ ان کے مرد خطرے میں جا رہے تھے ان کا ساتھ دینا عورتوں کا بھی فرض تھا۔

سب سے پہلے مسجد تھی جس کے ساتھ ہی مولوی صاحب کا گھر تھا اس کا ایک دروازہ سڑک کی جانب اور دوسرا مسجد کے اندر کھلتا تھا۔ مولوی صاحب کے گھر کے سامنے جا کر سبھی بستی والوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ انہوں نے چلا چلا کر مولوی صاحب کو باہر بلانا شروع کر دیا۔ کسی نوجوان نے چلا کر کہا۔

"مولوی صاحب اگر آپ باہر نہ آئے تو جس طرح تم نے ہماری بستی کو آگ لگائی ہے ہم بھی تمہارا مکان جلا دیں گے ــــ"

مولوی صاحب اندر موجود تھے ــ اور بالکل اکیلے جب انہوں نے یہ حال دیکھا تو وہ بہت ڈر سے بستی والوں کا وہ اکیلے مقابلہ نہ کر سکتے تھے ــ اور بستی والوں نے ان کو گھیر لیا تھا ان کی زندگی خطرے میں تھی ــــ

اور جب ان کے گھر کو آگ لگانے کی دھمکی دی گئی تو یہ انتہا ہو چکی تھی ــــ

انہوں نے لوگوں کی سادگی اور جہالت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور ان کو اپنی شاطرانہ چالوں سے زیر کرنے کا پروگرام بنایا ــ ہاتھ میں قرآن پکڑے وہ باہر نکلے ــ انہوں نے مسجد کی طرف کا دروازہ کھولا اور صحن مسجد میں آ گئے ــــ

جونہی چند نوجوان ان کی طرف بڑھنے لگے انہوں نے قرآن ان کے آگے کر دیا اور ہاتھ کے اشارے سے انہیں رکنے کو کہا۔

قرآن پاک کے احترام میں وہ لوگ رک گئے ــــ

بڑے دردناک انداز میں دھیمی آواز اور شیریں لہجے میں وہ بولے ــــ

"کیا چاہتے ہو تم ــــ"

"تم سب نے ہمارے گھر جلا دیئے ــ شیرو بابا کو قتل کر دیا ہم

رزق سے محروم کر دیا ــــ

اور اب تم نے ساون اور اس کے بیوی بچے کو اغوا کر لیا ہے ــ وہ کہاں ہے ہمیں بتاؤ ہم اسے لینے آئے ہیں ــ"

اعظم نے چلا کر جواب دیا ــــ

"میں کچھ نہیں جانتا ــــ"

وہ بولے ــــ

"اور تم لوگ اپنے گھروں کے بدلے میں خدا کے گھر کو آگ لگانے کی دھمکی دے رہے ہو اس گھر میں قرآن بھی ہے ــــ اگر تمہیں میری ضرورت ہے تو مجھے سزا دو ــ مگر اس گھر میں خون نہ بہاؤ اسے خاک میں نہ ملاؤ ــ اس کی توہین نہ کرو ــ"

سبھی چپ چاپ سے ہو گئے ــــ

مولوی صاحب نے قرآن مجید کھولا ــ اور پڑھ کر سنانے لگے

"اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے ــــ وہ مظلوم کی حمایت کرتا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ تم بھی مظلوم ہو ــ ان لوگوں نے تم پر ظلم کیے ہیں ــ مگر میں کیا کر سکتا ہوں یہ درست ہے میں نے شیرو کا جنازہ نہیں پڑھایا ــــ مگر یہ ان کا دباؤ تھا انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ اگر میں نے شیرو کا جنازہ پڑھایا تو وہ مجھے ہلاک کر دیں گے جان بچانا بھی تو عبادت ہے ــــ

میں تم میں سے ہوں ــ میں بھی غریب ہوں اور تمہارا ساتھی

ہوں — میں اب ان لوگوں سے نہیں ڈروں گا — میں یہاں مسجد میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا ساتھ دوں گا اور ابھی ان لوگوں سے جا کر بات چیت کرتا ہوں کہ وہ ساون کو چھوڑ دیں — ورنہ میں تمہارے شانہ بشانہ ان سے لڑوں گا — اور پھر ان لوگوں کا خاتمہ قریب ہے —"

لوگوں پر مولوی صاحب کی وعظ کا خاطر خواہ اثر ہوا — انہوں نے پہلو تہی کر لی اور گردنیں جھکا لیں — مولوی صاحب نے کہا —

"میں تمہارے نمائندے کی حیثیت سے ان لوگوں کے پاس جاتا ہوں اور اگر میں ساون کو لا نہ سکا تو پھر ہم ان سے زبردستی ساون کو چھین لیں گے — تم لوگ لوٹ جاؤ —

جاؤ — خدا تمہارا حامی و ناصر ہو —"

لوگوں نے جھک کر مولوی صاحب کو آداب کیا اور پھر وہ جب واپس لوٹے تو ان کی رفتار بڑی آہستہ تھی — اور ہر شخص سوچ رہا تھا —

مولوی ہم ہی سے ہے — اور ہماری طرح وہ بھی مظلوم ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ مسجد کے تقدس کے باعث لوگ اس پر کھل کر وار نہیں کرتے —

انور کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جاوید بڑا آدمی ہے اور اس کا رخسانہ سے ملنا اس خاندان کی بدنامی کے مترادف ہے اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ آئے تو وہ اسے روک دے گا — یا وہ سیٹھ صاحب کو اطلاع دے گا وہ خود اس کی خبر لیں گے اسے رنجیدہ یا رخسانہ کی اس معاملے میں ناراضگی کی پرواہ نہ تھی —

رخسانہ اس سے دور دور رہی — اس نے اس سے کوئی

بات نہ کی وہ اس سے ناراض تھی — مگر انور نے رخسانہ سے
معافی مانگ لینے کا فیصلہ کر لیا — وہ آخر اس کی محسن تھی۔
اتفاق کی بات کہ دوسرے ہی دن وہ کار لے کر آن پہنچا
اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے عشق کا گھر والوں کو پتہ چل چکا
ہے اور سیٹھ صاحب نے ریحانہ پر پابندی لگا دی ہے کہ
وہ نہ گھر سے نکلے اور نہ اس سے ملے — "

ہارن سن کر وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھنے لگا اپنے
کمرے کا پچھلا دروازہ کھول کر وہ ریحانہ باہر نکلی اور اس نے
جاوید کو تمام باتوں سے باخبر کیا — تشویش کے آثار اس کے
چہرے پر پیدا ہوئے — اور پھر اس نے کار ایک جانب
پارک میں کھڑی کر دی اور خود کار سے اتر کر وہ ریحانہ کے ساتھ
اس کے کمرے میں پچھلے دروازے سے داخل ہو گیا —
غصے سے انور کا ذہن کھول اٹھا — اس نے سوچا —
"مجھے ابھی سیٹھ صاحب اور بیگم صاحبہ کو باخبر کرنا چاہیے۔
وہ سیدھا ان کے کمرے میں پہنچا مگر وہ موجود نہ تھے —
ملازم سے اس نے پوچھا —
"بیگم صاحبہ اور سیٹھ صاحب کہاں ہیں —؟"
"وہ بازار گئے ہیں — "
ملازم نے جواب دیا —

"واپس آنے کا کب تک کہہ گئے ہیں —؟"
اس نے پوچھا —
"وہ کچھ بتا کر نہیں گئے — مگر میرا خیال ہے وہ شام سے
پہلے نہ آ سکیں گے — "
ملازم نے جواب دیا —
اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا — وہ سوچنے لگا اب
مجھے کیا کرنا چاہیے کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا — پھر اسے سیٹھ
صاحب کے الفاظ یاد آئے جب انہوں نے رخسانہ سے کہا تھا
"تم ریحانہ کی نگرانی کرو گی اور اسے گھر سے باہر جانے یا
اس نوجوان سے نہ ملنے دو گی — "
اس نے سوچا —
"مجھے رخسانہ بی بی کو اطلاع دینی چاہیے — "
چنانچہ وہ سیدھا رخسانہ کے کمرے تک پہنچا دروازہ بند تھا۔
اس نے دستک دی —
"کون ہے —؟"
اندر سے آواز آئی
"میں ہوں جی انور — "
اس نے ادب سے جواب دیا —
"کیا بات ہے —؟"

وہ اندر ہی سے بولی ـــ

" جی ایک بات کرنی ہے آپ باہر آئیں گی ـــ "

اس نے جواب دیا ـــ

" میں غسل کر رہی ہوں ـ نہا کر آؤں گی ـــ "

وہ بولی ـــ

اس کا مطلب تھا کہ رخسانہ ابھی آدھے گھنٹے سے پہلے اسے نہ مل سکے گی ـ کیونکہ وہ غسل کرنے میں ایک آدھ گھنٹہ لگا دیتی تھی ـــ غسل کے بعد وہ بال بنانے اور لباس تبدیل کرنے میں کافی وقت لیتی تھی ـــ

وہ اپنے کمرے میں پلٹ آیا ـــ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خود مجرم ہو اور اپنے محسنوں سے وہ زیادتی کر رہا ہو ـــ

پھر اس نے خود سے کہا ـــ

" کیوں نہ میں خود اس نوجوان سے دو ٹوک بات کروں اور اسے گھر سے چلتا کروں ـــ "

یقیناً سیٹھ صاحب اس سے خوش ہوں گے ـ اور مجھے شاباشی دیں گے ـــ آخر میں بھی تو اس گھر کا فرد ہوں ـــ

یہ سوچ کر وہ پچھلے دروازے سے گیا اور اس نے دروازے کو چھوا وہ کھلا ہوا تھا ـــ

اچانک دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہو گیا اور پھر اس نے چند لمحوں کے لئے آنکھیں بند کر دیں ـ اندر اس نے جو منظر دیکھا وہ اس کی عقل سے زیادہ شرمناک تھا ـــ وہ دونوں نیم برہنہ اور قابلِ اعتراض حالت میں تھے ـــ

غصے سے وہ پاگل ہو گیا ـ اپنی مالکن کی عزت کے سوداگر کو وہ اپنی عزت کا سوداگر خیال کرنے لگا ـــ اس نے چلا کر کہا

" تم یہاں کیوں آئے ہو ـــ "

سنبھل کر جاوید نے کہا ـــ

" تم ـــ ایک معمولی ملازم ـــ دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والے مجھ سے سوال کرتے ہو ـ جو اس گھر کا داماد بننے والا ہے ـــ بلکہ داماد ہے ـــ تم نے سیٹھ صاحب سے میری شکایت کی تھی ـــ میں تو تم سے خود بات کرنے والا تھا اچھا ہوا تم آ گئے ـ میں تمہیں جان سے مار دوں گا ـــ "

" جان سے مار دوں گا ـــ جان سے مار دوں گا ـــ "

انور کے ذہن میں فقرہ گونجا ـــ

اور پھر اس نے ایک کرسی اٹھا لی اور بولا ـ

" میں ابھی تمہیں مزا چکھاتا ہوں ـ تم مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو ـــ "

" ہا ہا ہا ہا ـــ "

جاوید قہقہے لگاتا ہوا اور بولا ـــــ

" تمہاری موت تمہیں یہاں لائی ہے "

اور پھر اس نے پستول نکال لیا ـــــ اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا ـــــ

" خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو یہ تمہارا آخری وقت ہے ـــــ "

وہ چند منٹ کے لئے سکتے میں رہ گیا ـــــ

پھر اس نے وہ کرسی پوری طاقت سے جاوید کی جانب اچھال دی۔ جاوید نے گولی چلائی مگر نشانہ خطا گیا ـــــ

مگر اس زور سے اسے کرسی لگی تھی کہ وہ زمین پر آ رہا اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا ـــــ

جھپٹ کر انور نے پستول اٹھایا اور اس نے جاوید کی جانب فائر کیا ـــــ وہ سنبھل چکا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا تھا ـــــ شاید وہ بھاگ اٹھتا مگر انور دروازے کی جانب گویا دروازہ روکے کھڑا تھا ـــــ

اس نے کہا ـــــ

" اب کیا خیال ہے ـــــ تم نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی اور میرے مالکان کی بیٹی کی عزت سے کھیلتے رہے ہو۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا ـــــ میں تمہیں مار دوں گا ـــــ تمہیں ہلاک

کر دینا ثواب ہے ـــــ تم مجرم ہو ـــــ "

" انور ـــــ "

اچانک ریحانہ جاوید کے سامنے آ گئی ـــــ وہ اب بھی نیم برہنہ تھی اور اس کا جسم لباس سے جھانک رہا تھا ـــــ

" اپنے کمرے میں جاؤ ـــــ تمہیں ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں ـــــ تم بھی تو سونیا کو چاہتے ہو ـــــ وہ بھی تو ـــــ "

" تم ـــــ تم سونیا کا نام لیتی ہو ـــــ "

انور غصے سے چلایا ـــــ

" اور کیا کیا سونیا اور تم نے کبھی ایسا نہیں کیا ـــــ "

وہ بولی ـــــ

" سونیا ـــــ "

وہ اسے یاد کر کے سانس لے کر بولا ـــــ

" وہ شبنم کی طرح پاک ـــــ اور ان باتوں کی طرح مقدس ہے جو کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں ـــــ وہ تو ـــــ حور ہے ـــــ پاکیزہ بھولی بھالی ـــــ اور بڑی پیاری ـــــ تم اس کی مثال دو "

شاید وہ انہیں چھوڑ دیتا مگر اس نے دیکھا ـــــ

جاوید کرسی اٹھا کر اسے مارنے والا تھا ـــــ

اس نے گولی چلا دی

اور گولی ریحانہ کے سینے میں لگی — ایک آہ کے ساتھ اس نے سینے پر ہاتھ رکھا اور اندھے منہ گر پڑی —

انور غصے سے نیم پاگل ہو گیا تھا — اس نے کہا — "

" تم نے یہ کیا کر دیا — مجرم تم ہو — میں تم کو نہ جانے دوں گا میں تمہیں ہلاک کر دوں گا — "

اور پھر اس نے جاوید پر گولیاں چلا دیں —

وہ لڑھکا اور زمین پر آ رہا —

انور نے اس کے سینے پر سبھی گولیاں خالی کر دیں اور پھر پستول پھینک کر اسے نفرت سے اس نے منہ پر تھوک دیا —

رخسانہ نے گولیوں کی آوازیں سنیں — جلدی جلدی اٹھی الٹا سیدھا لباس پہن کر وہ باہر نکلی اور سیدھی ریحانہ کے کمرے میں گئی —

اور پھر ایک تیز چیخ مار کر وہ بے ہوش ہو گئی —

گھر کے ملازم نے اسے دیکھا اور بولا —

" تم نے مالک کی بیٹی کو مار دیا — "

" یہ — یہ نوجوان — "

اس نے کہنا چاہا —

" بھاگ جاؤ — فوراً بھاگ جاؤ — ورنہ ابھی پولیس تمہیں پکڑے گی اور تمہیں پھانسی ہو جائے گی

جلدی بھاگ جاؤ — "

وہ گویا اس سے ہمدردی کرنے لگا —

اب انور کو ہوش آیا —

واقعی اس سے انتہائی جرم سرزد ہو گیا تھا — اور وہ اب پولیس سے خود کو بچا نہ سکتا تھا — اس نے خود سے کہا — "

" مجھے واپس جزیرے میں چلا جانا چاہیے — وہ جگہ بہر حال اس سے بہتر تھی — اور پھر —

وہ جدھر منہ اٹھا ادھر بھاگتا چلا گیا —

وہ جلد سے جلد وہاں سے دور چلے جانا چاہتا تھا —

جھنگے دار اور اس کے گماشتے تہہ خانے میں ساون پر تشدد کر رہے تھے وہ اس سے ہار کے بارے میں معلوم کر رہے تھے مگر وہ کسی بھی صورت ان کو بتا نہ رہا تھا۔

اچانک مولوی صاحب وہاں پہنچ گئے — انہوں نے جھنگے دار کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا —

غصے سے وہ چیخا —

"اس سے نمٹ کر میں ان لوگوں سے بھی نمٹ لوں گا۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اب اس جزیرے پر ہمیں نئے باشندوں کو لا کر

آباد کرنا پڑے گا — بہر حال —"

ان لوگوں سے اب جزیرہ خالی ہی کروانا بہتر ہوگا —"

"کیا تم ان لوگوں کو شہر بھیج دو گے —؟

مولوی نے پوچھا —

نہیں —

وہ ہونٹ بھینچ کر بولا —

"مچھلیاں ان کا گوشت زیادہ رغبت سے کھائیں گی —"

"تم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے "

غصے سے ساون بھی چلایا —

"اوہ تم ابھی اکڑ سے بولتے ہو —"

مولوی نے مکارانہ لہجے میں بڑے تلخ انداز میں کہا۔ اور اس کو بالوں سے پکڑ لیا — اور بولا —

"آج تیری قوم مجھے قتل کرنے آئی تھی۔ مگر وہ شاید نہیں جانتے تھے کہ ایک عقل مند کا دنیا کے تمام بے وقوف مل کر بھی بال بیکا نہیں کر سکتے —

"وہ وقت قریب ہے جب تمہاری پارسائی کا بھید کھل جائیگا — "

ساون نے ترکی بہ ترکی جواب دیا —

اور مولوی کے منہ پر تھوک دیا —

"تیری یہ ہمت ——"
وہ غصے سے چیخا اور پھر اس نے ٹھیکے دار کو مخاطب کر کے کہا
"اسے اس قدر کڑی سزا دو جس قدر تم دے سکتے ہو ——"
"میں اس کا جسم گرم سلاخوں سے داغوں گا ——"
ٹھیکے دار نے کہا ——
"نہیں — خدا کے لئے نہیں ہم بے گناہ ہیں ——"
بیلو نے ان کے پاؤں پکڑ لیے — مگر ٹھیکے دار نے اس کے پیٹ میں اس زور سے لات ماری کہ وہ دور جا گری، بچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا پڑا اور رونے لگا —
یہ سب کچھ ساون کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ غصے سے وہ اندھا ہو گیا اور بھول گیا کہ وہ اکیلا ان سب کا مقابلہ نہیں کر سکتا —— اس نے اچھل کر ٹھیکے دار کی ناک پر ٹکر ماری یہ اتنا اچانک حملہ تھا کہ سبھی بوکھلا گئے اور پھر ساون پے در پے ٹھیکے دار کو ٹکریں اور مکے مارنے لگا ——
ٹھیکے دار کے چہرے پر زخم آ گئے اور ناک سے لہو نکل نکل کر اس کی سفید قمیض کو داغ دار کرنے لگا —
بڑی مشکل سے ٹھیکے دار کے ساتھیوں نے اسے قابو میں کیا اور پھر انہوں نے ساون کو رسیوں سے باندھ کر زمین پر ڈال دیا ——

اندھا دھند ٹھوکریں مار مار کر اس نے ساون سے بدلہ لیا اور جتنا وہ خود زخمی ہوا تھا اس سے زیادہ اس نے ساون کو زخمی کر دیا ——
پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا — وہ دہکتے ہوئے انگاروں کا برتن اٹھا لائے جس میں انہوں نے دہکنے والی سلاخیں ڈال رکھی تھیں —
"نہیں —— نہیں —— خدا کے لئے نہیں ——"
بیلو نے پھر التجا کی ——
مگر کسی نے توجہ نہ دی —— مسکراتے ہوئے ٹھیکے دار نے اپنے ہاتھ سے ایک سلاخ اٹھائی اور ساون کے کندھے کے قریب لا کر بولا ——
"ہار کا پتہ بتاتے ہو یا داغ دوں تمہارا جسم ——"
"جیسے تم پاپی ہو —— تم کبھی مجھ سے ہار کا نہ پوچھ سکو گے اور میرے بعد ہار کا راز میرے سینے میں دفن رہ جائے گا۔"
ساون نے جواب دیا ——
"میں تمہیں تڑپا تڑپا کر مار دوں گا ——"
وہ آنکھیں نکال کر بولا ——
اور پھر اس نے دہکتی ہوئی وہ سلاخ ساون کے کندھے پر رکھ دی — تکلیف سے اس کی چیخیں نکل گئیں اور وہ

جلانے لگا۔ گوشت جلنے کی بدبو سارے کمرے میں پھیل گئی اور ساون گویا نیم بے ہوش سا ہو گیا۔

"پانی
وہ تکلیف سے چیخا۔"

ٹھیکے دار نے پانی کا پیالہ اٹھایا اور اس کے منہ پر گرا دیا مگر ساون ایک قطرہ پانی نہ پی سکا۔ وہ قہقہے لگاتے رہے
ساون نے کہا۔

"خدا کے لئے یہ ظلم نہ کرو۔ میں بے گناہ ہوں۔"

"تمہارا ہار کہاں ہے۔؟"

مونسی نے امید کی کرن دیکھ کر پوچھا۔

"میں نہیں بتاؤں گا۔"

عزم دوبارہ ساون کے چہرے پر لوٹ آیا۔

"تو ٹھیک ہے۔"

اس نے جواب دیا۔ اور ایک ملازم سے بولا۔

"اس کا جسم دوبارہ تم داغو گے۔"

وہ سفاک اور بڑی بڑی مونچھوں والا بے رحم انسان تھا۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے پہلی سلاخ کو کوئلوں پر رکھ دیا اور دوسری سلاخ اٹھالی اور اسے ساون کے قریب لے گیا۔
بیلو برداشت نہ کر سکی۔ وہ ان کے درمیان آگئی اور

بولی۔

"میرا جسم داغ لو۔ خدا کے لئے اسے چھوڑ دو۔ خدا کے لئے۔"

"اسے کہو یہ ہار کا پتہ بتا دے۔"

ٹھیکے دار نے کہا۔

اس نے یوں التجا آمیز نگاہوں سے ساون کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو مرنا ہی ہے تو اتنی تکلیف برداشت کر کے کیوں مریں۔ ہار ان کو دے دو۔ تاکہ جینا اگر آسان نہیں تو مرنا تو آسان ہو سکے۔"

مگر ٹھیکیدار کے چہرے پر پہلے جیسی سختی تھی۔ وہ بولا
یہ مر کر بھی ہار کا پتہ نہ بتائے گا۔"

اچانک ٹھیکے دار نے کہا۔

"اسے بھی باندھ دو۔"

"حقدار میں ہوں اس کی سزا بیلو کو مت دو۔"

وہ چلایا۔

مگر کسی نے بات نہ سنی اور بیلو کو بھی باندھ دیا۔
ٹھیکے دار نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا اور اس نے دہکتی ہوئی سلاخ ساون کی گال پر رکھ دی۔
تکلیف پہلے سے بھی زیادہ ہوئی اور وہ تڑپنے لگا۔ مگر

سلاخ بدستور گال پر رکھی رہی اور وہ یوں ہنستے رہے جیسے
یہ دلچسپ ترین کھیل ہو —

مگر ساون کی زبان پر ہار کا نام نہ آیا — وہ جانتا تھا کہ
جونہی ہار ملا — وہ اس کے بچے اور بیوی کو بھی ہلاک کر کے
سمندر میں پھینک دیں گے — جہاں وہ مچھلیوں کی خوراک
بن جائیں گے — اس دوران امید تو تھی کہ شاید کوئی غیبی
امداد مل جائے اور وہ اپنے بیوی بچوں کو بچا سکے۔ وہ
اپنی جان سے مایوس ہو چکا تھا۔ اور اب وہ اپنی قربانی
اپنے بیوی بچوں کو دینے والا تھا —

تشدد جاری رہا —

پھر انہوں نے بیلو کا جسم بھی داغا۔ مگر اسے ہار کا علم ہی
کہاں تھا۔ وہ بے چاری بھی تڑپتی رہی —

اچانک ٹھیکے دار نے کہا —

"اگر تم اب بھی ہار کا پتہ نہ بتاؤ گے۔ تو بھی تمہارے بچے کا
جسم داغوں گا —"

"نہیں — نہیں — نہیں —"

وہ ہانپنے لگا اور چلایا —

"تو بتاؤ ہار کہاں ہے —؟"

مولوی صاحب آگے بڑھے —

"بتاتا ہوں —"

وہ بولا —

"پہلے مجھے چند گھونٹ پانی پلاؤ —"

اسے پانی پلایا گیا۔ سبھی کو امید تھی کہ وہ ہار کا پتہ اب
ضرور بتا دے گا — مگر پانی پینے کے بعد وہ بولا —

"تم خبیث اور کتے ہو — اور تم خود کو مولوی کہتے ہو —
تم خود گمراہ ہو۔ تم جیسے ملاؤں نے دین میں رخنہ اندازی
کی ہے — میں اپنا سب کچھ تباہ کر دوں گا۔ تم بے شک
میرے بچے کو بھی مار دو۔ مگر میں ہار کا پتہ نہ بتاؤں گا"

"اولاد بڑی نازک چیز ہے — بچے کا جسم لوہے سے داغو
یہ پہلے ہی وار پر سب بک دے گا —"

مولوی نے مشورہ دیا —

ایک شخص نے بچہ بیلو سے اٹھا لیا۔ اور اسے ٹھیکیدار کے
پاس لایا۔ اس نے سلاخ اٹھائی اور اس کے جسم کے قریب لے آیا۔
— صرف تپش ہی سے بچہ رونے لگا۔ بیلو بے چین ہو گئی —
وہ چلائی —

"ساون — سرتاج ہار ان کو دے دو — ورنہ یہ
ہمارے بچے کو مار دیں گے —
ہار بچے سے زیادہ قیمتی نہیں —"

مگر اس سے پہلے کہ ساون کوئی جواب دیتا انہوں نے بچے
کے جسم کو گرم لوہے سے داغ دیا ـــ اور بچہ رونے چلانے
لگا ـــ

پھر بچے کی آواز دھیمی ہوتی چلی گئی - اور اس کی گردن
ڈھلک گئی ـــ جھک کر مولوی نے بچے کی نبض دیکھی اور بولا
"مرگیا ـــ"

"مرگیا ـــ میرا بچہ مرگیا ـــ"

ساون گویا پاگل ہو چکا تھا - اور بیلو صرف اس صدمے ہی
سے بے ہوش ہو گئی تھی ـــ اسے اپنی تکلیف کا احساس بھی نہ
رہا تھا ـــ بچے کے ساتھ کئے گئے ظلم ہی نے اسے نڈھال کر
دیا تھا ـــ

ساون ان لوگوں کو غلیظ گالیاں دینے لگا ـــ

اور بچے کی موت پر ان لوگوں کا موڈ بھی بدل گیا تھا - بچہ امیر
کا ہو یا غریب کا انسان کو اس سے پیار ضرور ہوتا ہے -
ٹھیکے دار نے کہا ـــ

"آج اتنا ہی بہت ہے ـــ ابھی یہ یہاں ہی ہے -
جب زخموں میں پیپ پڑے گی اور بھوک سے مرنے لگے گا -
تو ہمارے حوالے کر دے گا اب واپس چلو ـــ باقی پھر"

اور انہوں نے بچہ بیلو کی طرف اچھال دیا اور سبھی باہر آگئے

وہ اپنے کئے پر پشیمان نہ تھے ـــ

ساون اور بیلو کی چیخیں ادھر سے گزرنے والے چند
ساون کی نسل کے لوگوں نے سن لی تھیں - اور انہیں اندازہ
لگانے میں دیر نہ لگی کہ یہ ساون کی چیخیں ہیں اور بیلو کی بھی ـــ
انہوں نے بستی والوں کو اطلاع کر دی ـــ

مگر بستی والوں کو مولوی صاحب کی امید تھی کہ وہ ساون کو
لے آئیں گے ـــ اچانک مولوی صاحب بستی میں داخل ہوئے
بڑے شفقانہ انداز میں انہوں نے کہا ـــ

"وہ ٹھیکیدار کی قید میں ہے ـــ اور اس نے وعدہ کیا ہے
کہ وہ ساون بیلو اور ان کے بچے کو آج کسی وقت چھوڑ دے گا"

اعظم نے پوچھا -

"میں نے اس پر بہت زور دیا ـــ مگر وہ کسی صورت سے پہلے
تو مانتا ہی نہ تھا - بڑی مشکل سے وہ مانا ہے ـــ اور اب وہ کہتا
ہے - اس نے انہیں لانچ میں ڈال کر سمندر میں چھپا دیا ہے وہ
انہیں واپس منگوا دے گا ـــ"

"لیکن بستی کے لوگوں نے ساون اور بیلو کی چیخیں ٹھیکیدار کے
گھر سے سنی ہیں - وہ لوگ ٹھیکے دار کے گھر میں بند ہیں ـــ"
اعظم نے بتایا ـــ

"اگر ایسا ہے تو میں پھر جاؤں گا ـــ بہر حال اس نے جو کچھ

مجھے بتایا میں نے آپ لوگوں سے کہہ دیا ہے ــــ" مولوی نے بتایا ــــ

بستی والے چپ ہو گئے ــــ وہ مولوی کو ایک موقع اور دینا چاہتے تھے ــــ اسی شام مولوی نے دوکاندار سے کہا ــــ

"میں نے بستی والوں کو ٹھیکے دار کے خلاف بھڑکا دیا ہے ــــ جاگیردار اور ٹھیکے دار دونوں کو بستی والوں کے ہاتھوں مروا دوں گا ــــ جوہری کو ہم خود ہلاک کر دیں گے اور بارکے میں اور تم مالک بن جائیں گے ــــ بتاؤ کیسی سکیم ہے ــــ"

معنی خیز انداز میں دوکاندار نے مسکرا کر ہاتھ ملایا اور بولا ــــ "پورے استاد ہو ــــ"

اور واپسی پہ مولوی گویا خود بخود بڑبڑا رہا تھا ــــ "اس احمق دوکاندار کو ہلاک کرنا کون سا مشکل کام ہوگا"

اور بھاگتا چلا گیا ــــ

اور پھر اس نے رک کر سوچا کہ اس نے کدھر جانا ہے ــــ فوری طور پر اسے ساحل سمندر پر موجود اس لانچ کا خیال آیا جو اس کے نام رجسٹرڈ ہو چکی تھی ــــ اور جو اس کی ملکیت تھی ــــ

اس نے ساحل کا رخ کیا ــــ اور پھر اسے لانچ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی ــــ کچھ ہی عرصہ پہلے وہ یہ معلوم کر چکا تھا کہ جزیرہ کس جانب ہے ۔ اسے بتایا جا چکا تھا کہ وہاں سے بالکل سیدھے چلے جائیں تو جزیرہ آ جائے گا ۔ ورنہ لانچ بھٹک جائے گی ــــ اس

نے بہرحال اب جزیرے تک پہنچنا تھا۔ اس نے دو انسانوں کا خون
کر دیا تھا۔ ورنہ جس کی پاداش میں اس نے مرنا تھا —
اسے لانچ چلانی تو آتی ہی تھی — اور یہ بھی اس کی خوش قسمتی تھی
کہ اس نے وقت سے پہلے لانچ چلانی سیکھ لی تھی —
اس نے جاتے ہی لانچ پر قبضہ کیا۔ اسے کھولا اور کھلے سمندر
میں ڈال کر سٹارٹ کر دیا —
ساحل پر موجود ملاحوں نے اسے کوئی خاص اہم بات قرار
نہ دیا کیونکہ بہرحال یہ وہاں کا معمول تھا — اور انور جزیرے کی
جانب بڑھنے لگا —
وہ بڑھتا چلا گیا — اور پھر — وہ بغیر کسی مزید دشواری کے
جزیرے تک جا پہنچا —
دور سے جزیرہ دکھائی دیا تو شام ہونے والی تھی۔ اس نے
لانچ ایک جانب پہاڑی سلسلے میں جو سمندر کی سطح ابھرا تھا ڈال
دی اور خود رات کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا پروگرام تھا کہ
وہ رات کو جزیرے پر جائے گا۔ اور پھر وہاں سے سونیا سے فوری طور پر
نکاح کر کے کسی اور جزیرے پر چلا جائے گا — اول تو اس
دوران پولیس جزیرہ تلاش نہ کر سکے گی۔ اور اگر انہوں نے جزیرہ
تلاش کر لیا تو وہ ان لوگوں کو نہ مل سکے گا — اور یہ بچ نکلے گا —
دن کے وقت اس کے دیکھے جانے کا امکان تھا۔ اس لئے

رات کو وہ جزیرے میں داخل ہونا چاہتا ہے —
رات ہو گئی — اور وہ پھر جزیرے کے ایک کم آباد بلکہ ویران
حصے میں لانچ کو کھڑا کر کے رات کے وقت جزیرے پر اتر آیا —
ہر چیز دیکھی بھالی تھی — مگر اسے ہر چیز اجنبی اور اداس
اداس دکھائی دی۔ وہ بڑھتا رہا — بستی کی جانب —
اور پھر وہ بستی سے کچھ دور رک گیا —
رات کا پہلا پہر تھا — اور بستی میں کوئی دیا روشن نہ کیا
گیا تھا — وہ نہ سمجھ سکا کہ ایسا کیوں ہے —
بہرحال اس نے گھر جانا تھا۔ جہاں وہ ساون کو مل کر سارے حالات
بخیر و خوبی سلجھانا چاہتا تھا اسے امید تھی کہ اس کا بھائی اس معاملے میں
اس کی پوری پوری مدد کرے گا —
مگر جونہی وہ بستی کے قریب پہنچا۔ اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کا دل
مٹھی میں لے کر مسل دیا ہو —
پوری بستی راکھ کا ڈھیر بنی ہوئی تھی۔ وہ بستی کے مکینوں کو تلاش
کرنے لگا — اور پھر اسے بستی والے کچھ دور کھلی فضا میں گھاس پر بیٹھے
بیٹھے اور سوئے ہوئے دکھائی دیئے — اس نے دور سے بستی کے
جوانوں کو ایک جگہ جمع دیکھا —
وہ ان کے قریب گیا —
شہر کے اس لباس میں وہ انور کو دیکھ کر پہچان نہ سکے — وہ

کھڑے ہو گئے اور انہوں نے گویا بیک زبان پوچھا —

"کون ہو تم —؟"

"تم مجھے نہیں پہچانتے —"

وہ بولا —

آواز سن کر شیریں بھاگی آئی۔ پہلے تو وہ بھائی کو اس حال میں دیکھ کر ٹھٹکی مگر پھر وہ اس سے لپٹ کر رو پڑی اور بولی —

"کہاں تھے تم انور — کب آئے — میرے بھائی"

"یہ انور ہے — انور آگیا — انور آگیا —"

سبھی کہہ رہے تھے —

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سبھی اس کے گرد جمع ہو گئے — انور مسکرا رہا تھا — وہ حالات سے بے خبر تھا۔ اس نے کہا —

"میں لانچ لایا ہوں — انجن والی کشتی — اور میں شہری بن چکا ہوں —" پھر وہ اچانک چونک کر بولا —

"بھیا ساون اور بھابی کہاں ہیں — بستی کو کیا ہوا —؟"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا —

وہ پھر چلایا —

"بتاؤ — سب کیا ہے — میرا بھائی کہاں ہے —؟"

اعظم آگے بڑھا —

اعظم نے اسے سارا واقعہ بتایا — اور پھر اس نے یہ بھی

بتایا کہ ٹھیکے دار اور اس کے گماشتوں نے بستی کو جلایا ہے — اور اب ساون کو ٹھیکے دار پکڑ کر لے گیا ہے — وہ اسے اپنے گھر میں بند کر کے اس پر تشدد کر رہا ہے — بستی والوں نے ساون کی چیخ و پکار سنی ہے — اور یہی کہ اسے ہلاک کر دے گا —

"نہیں —"

وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا —

"میں اسے بچاؤں گا — میں اسے مرنے نہیں دوں گا۔ ساون بھیا — بیلو بھابی —"

وہ چلاتا ہوا ٹھیکے دار کے گھر کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔

"رک جاؤ انور رک جاؤ — تم اکیلے ان لوگوں کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے — وہ تمہیں بھی ہلاک کر دیں گے —"

اعظم اس کے پیچھے بھاگا —

مگر بھائی کی طرف سے بری خبر ملنے نے انور کو پاگل کر دیا تھا — وہ فوری طور پر ساون کی امداد کرنا چاہتا تھا — اور اسے اور بیلو کو ٹھیکے دار سے چھڑوانا چاہتا تھا —

وہ ٹھیکے دار کے گھر جا پہنچا —

ٹھیکے دار اکیلا ہی اپنے گھر کے صحن میں سویا ہوا تھا — یہ اتفاق ہی تھا کہ اس کا کوئی ساتھی وہاں موجود نہ تھا — اور ٹھیکے دار کی بندوق اس کے سرہانے رکھی ہوئی تھی —

انور نے بندوق اٹھائی ـــــ اور اس کا بٹ اس نے ٹھیکیدار کے سر پر اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا ـــــ

تڑپ کر وہ اٹھا ـــــ اور سر کو سنبھالا ـــــ خون جاری تھا۔

انور نے چلا کر کہا۔

"بتاؤ ساون کہاں ہے ـــــ بتاؤ ورنہ میں تمہیں اسی وقت گولی مار کر ہلاک کر دوں گا"

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ٹھیکیدار نے انور کو دیکھا اور پھر اسے پہچان لیا۔ فوری طور پر اسے اپنے آدمیوں کی باتیں یاد آئیں۔ جنہوں نے بتایا تھا کہ انور شہر جا کر بڑا آدمی بن گیا ہے ـــــ انور نے پھر چلا کر کہا۔

"بتاؤ ـــــ بولتے کیوں نہیں ـــــ"

"میں نہیں جانتا"

وہ خوف سے سہما ہوا بولا۔

اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جیسے ابھی کوئی شخص اس کی امداد کو جائے گا ـــــ انور تاڑ گیا اور بولا۔

"یہاں ادھر ادھر کوئی نہیں ہے اور جب تک کوئی آئے گا۔ تمہارا حساب ختم ہو چکا ہوگا ـــــ بتاؤ ساون کہاں ہے؟"

مگر ٹھیکیدار نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اسے مردہ بچہ یاد آیا۔ اور یہ بھی خیال آیا کہ جب انور اپنے مردہ بھتیجے کو دیکھے گا تو وہ غصے میں آ کر اسے ضرور ہلاک کر دے گا۔

انور نے اسے بندوق کی ہتھی سے اس قدر مارا کہ وہ موت کو قریب پا کر اس کے پاؤں پڑ گیا اور بولا۔

"اگر تم میری جان بخشی کا وعدہ کرو تو میں ساون کو تمہارے حوالے کر سکتا ہوں ـــــ"

"میں وعدہ کرتا ہوں"

بغیر سوچے سمجھے وہ بولا۔

"میرے ساتھ آؤ"

ٹھیکیدار نے کہا۔

اور پھر وہ اسے تہہ خانے میں لے گیا ـــــ ساون اور بیلو وہاں بندھے پڑے تھے اور پرویز کی لاش پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں ـــــ

جلدی جلدی انور نے انہیں کھولا ـــــ بیلو صرف اس قدر کہہ سکی

"انور ـــــ پرویز کو اس نے مار دیا ـــــ"

"ٹھیکیدار"

وہ غصے سے چیخا ـــــ اور بندوق کی نالی اس کے سینے پر رکھ دی ـــــ

مگر ٹھیکیدار نے کہا

"تم نے میری جان بخشی کا وعدہ کیا ہے"

"ہاں ۔ مجھ سے غلطی ہو چکی ہے ۔"

وہ بولا ۔

ادھر بیرا اس نے ٹھیکیدار کو وہاں باندھ کر ڈال دیا اور دروازہ باہر سے بند کر کے وہ پرویز کی لاش کے ساتھ ساون اور بیلو کو سہارا دے کر بستی میں لایا۔ جونہی وہ اس حالت میں بستی میں پہنچے۔ وہاں کہرام مچ گیا ۔ عورتیں رو رہی تھیں ۔ سونیا اور پریتی کا تو برا حال ہے ۔ کسی نے ساون سے کچھ نہ پوچھا ۔

دونوں کی حالت اور پرویز کی لاش اس بات کی گواہ تھی کہ ان کے ساتھ کیا بیتی ۔ انور نے بندوق کو مضبوطی سے تھام کر کہا ۔

"کل کا دن فیصلہ کن دن ہو گا ۔ میں ان لوگوں سے انتقام لوں گا ۔ جنہوں نے میرے بھائی اور بھابی سے اتنا برا سلوک کیا ہے ۔"

"ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔"

سبھی نوجوانوں نے عزم سے کہا ۔

مگر ساون اور بیلو کو اس سے دلچسپی نہ تھی ۔

بیلو پرویز کی لاش سینے سے چمٹائے فضاؤں میں گھور رہی تھی اور ساون لباس کے اس حصے کو ٹٹول ٹٹول کر آنسو بہا رہا تھا ۔ جہاں وہ قیمتی ہار چھپا ہوا تھا ۔

وہ سوچ رہا تھا ۔ یہ ہار زیادہ قیمتی ہے یا اس کا بچہ قیمتی ہے ۔

پولیس کو اطلاع دے دی گئی کہ سیٹھ نصیر کے ملازم نے ان کی بڑی بیٹی ریحانہ اور آشنا کو قتل کر دیا ہے ۔

ہر چند اس نے یہ اقدام مالکان کی نمک حلالی کے لئے کیا تھا اور یہ ایسا اقدام تھا جو باعث ستائش تھا کیونکہ جیسا کہ موقعہ واردات سے ظاہر تھا ریحانہ اور اس نوجوان کو جس حالت میں قتل کیا گیا تھا وہ قابل اعتراض حالت تھی ۔ مگر اس کے باوجود قانون قانون ہے اور وہ مجرم کو معاف نہیں کرتا ۔ اور انور نے بھی جرم کیا تھا ۔

وہ پولیس والے بھی آ گئے جنہوں نے گزشتہ روز ہی انور سے ملاقات کی تھی اور امداد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر شاید قسمت ابھی انور اور اس کے جزیرے والوں پر مہربان نہیں تھی۔

ابھی تک سیٹھ صاحب اور بیگم صاحبہ نہ آئی تھیں۔۔۔۔ وہ کسی رشتے دار کے ہاں گئے تھے۔۔۔۔ جبھی جگہ رخسانہ نے فون کیا تھا مگر ان کا پتہ نہیں رہا تھا غم سے رخسانہ نڈھال تھی۔

اور پھر اچانک سیٹھ صاحب اور بیگم صاحبہ گھر میں داخل ہوئیں گھر میں داخل ہوتے ہی جب انہوں نے بہت لوگ اور پولیس کو دیکھا۔۔۔ تو لاشعوری طور پر انہوں نے بیگم سے کہا۔

"آج پھر انور نے کچھ کام کر دکھایا ہے۔۔۔"

"مصیبت ہے یہ نوجوان بھی۔۔۔ جو لوگ جو پکڑنے کے لئے پھرتے ہیں آ گئے ہوں گے۔ آپ اسے بچا لیجئے۔"

بیگم نے سفارش کی۔

"کچھ کرنا ہی پڑے گا۔۔۔"

اور جونہی وہ کار پارک کر کے نکلے چیختی اور روتی ہوئی رخسانہ ان سے لپٹ گئی اس کی حالت بہت خراب تھی جیسے وہ بے حد غم زدہ ہو۔

"کیا بات ہے بیٹی۔۔۔؟"

سیٹھ صاحب نے حیرانی سے پوچھا۔

"ابو۔۔۔ ابو۔۔۔ وہ۔۔۔"

"انور۔۔۔ نے۔۔۔ انور نے باجی کو قتل کر دیا۔"

"قتل۔۔۔ کر دیا۔۔۔"

سیٹھ صاحب اور بیگم صاحبہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں ابو۔۔۔ ہاں امی۔۔۔"

وہ ماں سے لپٹ گئی۔

ماں باپ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور بیگم صاحبہ اچانک صدمے کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئیں۔

سیٹھ صاحب نے انہیں سنبھالا اور اندر آئے۔ بہت جلد بیگم ہوش میں آ گئیں اور جب سیٹھ صاحب کو اصل حالات کا علم ہوا اور انہوں نے جاوید کو بھی قابلِ اعتراض حالت میں مردہ پڑا دیکھا تو وہ بولے۔۔۔

"شاید انور نے ٹھیک کیا ہے۔۔۔"

"کیا ابو۔۔۔؟"

رخسانہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"تم کچھ مت بولو اس کیس میں۔۔۔"

سیٹھ صاحب نے رخسانہ سے کہا۔

اور پھر انہوں نے پولیس کو بیان دیئے۔۔۔ پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"سیٹھ صاحب مجرم فرار ہو چکا ہے اور ہمارا خیال ہے۔ وہ اسی روانیتی جزیرے میں گیا ہے۔ جس کا وہ اکثر ذکر کرتا ہے ـــ ہمیں وہاں جانا ہوگا ابھی اور اسی وقت ورنہ مجرم قابو نہ آ سکے گا ـــ اور وہاں مجرم کی شناخت کے لئے آپ کے گھر کا ایک فرد ساتھ ہونا ضروری ہے ـــ میں جانتا ہوں یہ صدمہ آپ کے لئے بہت شدید ہے مگر پولیس کارروائی ضروری ہے۔ بہر حال صبح ہی لاشیں پوسٹ مارٹم کے بعد ملیں گی ـــ اور اس وقت تک مجرم گرفتار ہو چکا ہوگا ـــ"

"میں جاؤں گا ـــ ضرور جاؤں گا ـــ"

وہ بولے ـــ

"تو چلیئے ـــ"

پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

"ہم نے لانچوں کا انتظام کرنے کے لئے فون کر دیا ہے ہمارے جاتے ہی لانچیں تیار ہوں گی اور ہم شاید مجرم کو جلد راستے میں ہی لے لیں ـــ"

سیٹھ صاحب اسی حالت میں پولیس جیپ میں ساتھ چل دئیے۔ راستے میں پولیس آفیسر نے پوچھا۔

"یہ نوجوان کون تھا ـــ؟"

"کون سا نوجوان ـــ؟"

شرمندگی سے سیٹھ صاحب نے پوچھا ـ

"وہ جو ریحانہ کے ساتھ قتل ہوا ہے ـــ"

پولیس آفیسر معنی خیز انداز میں بولا ـ

"وہ ریحانہ کا ہونے والا منگیتر تھا ـــ"

وہ بولے ـــ

"اور انور کو اس سے کیا عداوت تھی ـــ؟"

وہ بولے ـــ

"انور کو اس سے کوئی عداوت نہ تھی ـــ"

وہ بولے ـــ

"بس انور نے ایک نمک حلال ملازم کا پارٹ ادا کیا ہے اور وہ اس میں کامیاب رہا ہے ـــ اس نے وہ چراغ بجھا دیا جس کی لو بڑھ کر میری پگڑی کو جلانے والی تھی ـــ"

"مجھے افسوس ہے ـــ"

وہ بولے ـــ

"افسوس کی کوئی وجہ نہیں ـــ"

دبے الفاظ میں سیٹھ صاحب نے یوں کہا جیسے وہ انور سے ناراض نہ ہوں جیسے انور نے ان کی جگہ لی ہو ـــ

لانچ چلتی رہی ـــ اور ایک درخت کار کے اشارے پر وہ جزیرے کی طرف رواں دواں رہی جدھر انور گیا تھا ـــ

بیلو بے حد اداس تھی ـــــ اور ساون کو گویا سکتہ ہو گیا تھا وہ سینے پر ہاتھ رکھے اور ہاتھ کے نیچے کچھ دبائے گم سم بیٹھا تھا ـــــ انور نے اسے بلانے کی ہر چند کوشش کی تھی مگر وہ بولتا ہی نہ تھا ـــــ اور جب بیلو سے کفن دفن کے لئے بچہ لینے کی کوشش کی گئی تو وہ پاگلوں کی طرح چلانے اور دوسروں کا منہ نوچنے لگی۔ اس نے کہا ـــ

"یہ میرا پرویز ہے یہ زندہ رہے گا ـــــ میں اپنا پرویز کسی کے حوالے نہ کروں گی ـــــ تم اسے مٹی میں دباؤ گے ـــــ میں اسے کسی

کو نہ دوں گی ـــــ" اور اس نے اتنے زور سے پرویز کو چھاتی سے لگا لیا کہ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں ـــــ اور وہ بیلو سے بچہ نہ چھین سکے۔

وہ ایسی حرکات کر رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔ اس کے جسم پر بھی لوہے کے داغنے کے نشان تھے مگر اسے اپنی تکلیف کا احساس کبھی نہ تھا ـــــ وہ بار بار اپنی چھاتی لیول پرویز کے منہ میں دے دیتی جیسے اسے بھوک لگی ہو۔ اور وہ ابھی دودھ پینا شروع کر دے گا ـــــ یہ اس کا لاشعوری عمل تھا اس نے دوسروں کو بھی بے حد سنجیدہ کر دیا تھا۔ مگر کون سنگدل القلب تھا جو اس سے اس کا بچہ چھین سکتا ـــــ

سونیا نے آگے بڑھ کر روتے ہوئے کہا۔

"بھابی ـــ لاؤ میں پرویز کو کھلا لاؤں ـــ"

"نہیں تم اسے لے کر بھاگ جاؤ گی ـــ"

وہ بولی ـــــ اور اس نے زیادہ سختی سے پرویز کو بھینچ لیا ـــــ"

"کیا میں پہلے کبھی پرویز کو نہیں کھلاتی رہی ـــــ کیا میں اسے اب بھی لے کر بھاگوں گی۔ میں سونیا ہوں بھابی ـــــ تمہاری سونیا ـــــ"

وہ قریب جا کر بولی ـــــ

"سونیا —"

حیرانی سے اس نے سونیا کو دیکھا اور بولی —

"میں تجھے نہیں جانتی جاؤ بھاگ جاؤ —"

سبھی حیران تھے اور پھر انور نے کہا —

"سونیا تم ادھر آجاؤ — اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو —
ویسے بھی بھابھی کا دماغی توازن درست نہیں — وہ خود ہی پرویز
کو دلاسہ دیں گی —"

سونیا روتی ہوئی الگ ہو گئی —

انور نے کہا —

"ذرا ایک طرف آؤ —"

وہ انور کے ساتھ کونے والے درخت کے نیچے جا بیٹھی —
مدت بعد وہ انور سے تنہائی میں ملی بھی تو کس افسردہ اور غمناک
ماحول میں جہاں وہ نہ تو اظہار محبت کر سکتے تھے اور نہ ہی کھل کھلا
کر قہقہے لگا سکتے تھے —

انور کچھ دیر چپ رہا پھر بولا

"سونیا — میں کشتی لے آیا ہوں تمہارے لئے کیونکہ تمہیں
حاصل کرنے کے لئے کشتی کی ضرورت تھی —"

"ہاں —"

وہ بولی — اس کا رنگ سرخ ہو گیا جیسے وہ دلہن
بننے والی ہو —

"اب ہم ایک ہو جائیں گے —"

"شاید ہم ایک نہ ہو سکیں —"

وہ بولا —

"مگر کیوں —؟"

حیرانی سے سونیا نے پوچھا

"اس لئے کہ میں شہر میں دو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور
پولیس کو معلوم ہے کہ میں یہاں آیا ہوں۔ شاید پولیس یہاں
پہنچ جائے —"

انور نے بتایا —

"اب کیا ہو گا۔ کیا وہ تمہیں مار دیں گے —"

سونیا نے کہا —

"ہاں شاید —"

آہستہ سے وہ بولا —

"یہ کیا ہوا انور — یہ کیا ہوا — یہاں سے بھاگ جاؤ"

وہ بولی —

"میں بھاگ بھی تو نہیں سکتا — یہاں ساون۔ بیلو اور
پرویز کی لاش کو چھوڑ کر میں کہاں جا سکتا ہوں — میں الجھن
میں ہوں — میرا دل کہتا ہے سونیا اب ہم کبھی نہ مل

سکیں گے ——"

وہ افسردگی سے بولا ۔

"نہیں — ہم ضرور شادی کریں گے —"

گویا سونیا نے خود کو تسلی دی ——

" دل نہ بہلاؤ ——"

وہ بولا ——

" میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں —"

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو —؟"

غم سے اس کا دل پھٹ رہا تھا ——

"اگر مجھے پولیس لے گئی تو تم میرا انتظار کروگی اور کسی دوسرے سے شادی نہ کروگی ۔ وعدہ کرو —"

اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا ——

سونیا نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا وہ بولی ——

میں وعدہ کرتی ہوں —— اگر تمہیں پولیس لے گئی تو زہر کھا کر مر جاؤنگی — یا سمندر میں کود جاؤں گی —"

"نہیں — تم زندہ رہوگی —"

وہ بولا ۔

" میں پھر واپس آؤں گا اور پھر ہم شادی کریں گے ۔"

اور غم سے نڈھال سونیا اس کے سینے سے لگ گئی ۔

قبیلے کے کچھ لوگ انہیں دیکھ رہے تھے —— ایک عورت قریب آئی اور بولی ——

" انور —— جاؤ بھائی کو سنبھالو — یہاں یہ کیا کر رہے ہو ——"

اور وہ بے چارہ —— واپس بستی میں چلا گیا ۔

پولیس نے جزیرے کا پتہ چلا لیا اور لانچیں لئے وہ جزیرے
پر پہنچ گئے ان کے خیال میں جزیرے پر کافی آبادی ہو سکتی تھی
اور انہیں انور کو تلاش کرتے وقت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے
مگر جب وہ جزیرے پر اترے انہوں نے دیکھا - وہاں ایک
جانب تو پکے مکان ہیں —— ان کے سرے پر مسجد کے بعد بنے
ہوئے جھونپڑوں کی راکھ پڑی ہوئی ہے -
اس راکھ کے کنارے پر انہوں نے کچھ لوگوں کو کھلے آسمان
تلے پڑے پایا ——

سیٹھ صاحب اور پولیس والے ان کے نزدیک گئے اور ان سے
پوچھا —— "
" آپ میں سے انور کون ہے —— ؟" -
انور دوسرے کونے پر موجود تھا —— وہ سامنے آیا -
سیٹھ صاحب کی آنکھوں سے آنکھیں ملیں اور بولا -
" میں انور ہوں —— "
ایک حوالدار نے پوچھا ——
" ہاں ہاں اسے گرفتار کر لو —— "
وہ بولا ——
اور پولیس والوں نے اسے ہتھکڑیاں پہنا دیں ——
پھر وہ بولا -
" جزیرے کے گرد گھیرا ڈال لو کشتیاں وغیرہ قبضے میں لے
لو کوئی بھی شخص جزیرے سے باہر نہ جا سکے —— "
چنانچہ جزیرے کے چاروں طرف پولیس کے جوان بکھر گئے
اچانک ساون نے جب بھائی کو لوہے کی سلاخوں میں جکڑا
دیکھا تو وہ سامنے آگیا - اور بولا -
" یہ تم کیا کر رہے ہو اسے کیوں پکڑا ہے —— "
" یہ کون ہے —— ؟"
" میرا بھائی —— "

وہ آہستہ سے بولا ۔

"اس نے کیا کیا ہے ۔ تم اسے نہیں لے جا سکتے ۔"

وہ چلایا ۔

"اس نے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے ۔"

پولیس والوں نے نرمی سے جواب دیا ۔

"دو آدمیوں کو قتل کیا ہے ۔"

وہ بڑبڑایا ۔

"لو مجھے بھی پکڑ لو ۔۔۔ میں نے بھی ایک آدمی کو مارا ہے ۔

اور ان سب کو بھی پکڑ لو ۔ انہوں نے میرے بچے کو مارا ہے اور یہ دیکھو مجھے انہوں نے بڑی اذیتیں دی تھیں ۔ انہوں نے ساری بستی کو تباہ کر دیا ہے ۔"

"کون ہیں وہ ۔۔۔؟"

پولیس آفیسر حیرانی سے بولا ۔

"اس جزیرے کے بڑے ۔"

ساون نے جواب دیا ۔

"وہ ہم سب پر ظلم کرتے ہیں ۔ انہوں نے شیرو بابا کو مار دیا ۔۔۔ انہوں نے میرا بچہ مار دیا ۔۔۔ وہ دیکھو ۔"

ساون نے اشارے سے بیلو کی گود میں مردہ بچہ انہیں دکھایا ۔ پولیس والوں کا دل بھر آیا ۔ انہوں نے کہا ۔

"بتاؤ وہ کہاں ہیں ۔۔۔؟"

"وہ ادھر ہیں ۔۔۔"

"آؤ میرے ساتھ آؤ ۔۔۔ میں سب سے آپ کو ملاتا ہوں ۔۔۔ وہ بڑے ظالم ہیں ۔۔۔ وہ مجھ سے میرا ہار چھینتے تھے ۔۔۔"

"ہار ۔۔۔"

حیرانی سے وہ بولا ۔۔۔

"کیسا ہار ۔۔۔؟"

اعظم آگے بڑھا اس نے ان کو ہار والا سارا واقعہ بتایا اور یہ بھی کہ ان لوگوں نے ہار چھیننے کے لئے ان پر کیا کیا ظلم کئے ۔۔۔

پولیس آفیسر نے جوانوں سے کہا ۔

"ان سب کو گرفتار کر لو اور یہاں لے آؤ ۔۔۔"

"جی بہتر ۔۔۔"

اور پھر انہوں نے ساون اعظم ۔ انور اور دوسرے جوانوں کی نشان دہی پر ان لوگوں کو گرفتار کر لیا ۔۔۔

جب وہ پولیس کے سامنے پیش ہوئے تو پولیس آفیسر نے مولوی صاحب سے پوچھا ۔۔۔

"تم لوگوں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کیا ہے اور اس بچے کو بھی قتل کرنے کے علاوہ ان لوگوں پر تشدد کیا ہے ۔۔۔ اور ان

کے مکانوں کو نذرِ آتش کر دیا ہے۔ بتاؤ تم نے ایسا کیوں کیا؟"
مولوی ڈیپوک آدمی تھا ـــــ اس نے کہا ـ
"میں نے کچھ بھی نہیں کیا سب کچھ ٹھیکیدار نے کیا ہے ـ اور
اس نے ان کے مکانوں کو جلایا ہے ـــــ میں نے ان لوگوں کا بھی
ساتھ نہیں دیا کیونکہ ساون نے اس بستی کے ڈاکٹر کو قتل کر دیا تھا"
عجیب چکر تھا ـــــ پولیس والوں کی عقل بھی حیران
تھی ـــــ وہ بولے ـــــ
"ساون کو بھی حراست میں لے لو ـــــ"
چنانچہ ساون کو بھی حراست میں لے لیا گیا ـ
انہوں نے مولوی صاحب سے پوچھا ـ
"ٹھیکیدار کہاں ہے ـــــ؟"
مگر کسی نے کچھ نہ بتایا ـ جاگیردار ـ جوہری دکاندار
اور ان کے گماشتے پولیس کو دیکھتے رہے وہ واقعی ٹھیکیدار کے بارے
میں نہ جانتے تھے ـــــ
انور نے کہا ـــــ
"وہ اپنے مکان کے تہہ خانے میں قید ہے ـــــ"
"اسے وہاں کس نے قید کیا ـــــ؟"
پولیس آفیسر نے پوچھا ـــــ
"میں نے ـــــ"

انور نے جواب دیا ـــــ
حیرانی سے وہ اسے دیکھتے رہے انور نے ساری بات بیان کر دی تو
پولیس آفیسر نے چند سپاہیوں کو بھیجا کہ وہ ٹھیکیدار کو وہاں سے نکال لائیں
ـــــ چنانچہ وہ ٹھیکیدار کو لے آئے وہ زخمی حالت میں تھا ـــــ
جب اس سے بیان لیا گیا تو وہ صاف مکر گیا ـــــ مگر بیلا اسے
پہچان کر اس کا منہ نوچ رہی تھی اور کہہ رہی تھی ـــــ
"میرے بچے کو اس نے مارا ہے ـــــ میں اسے مار دوں گی ـــــ
اسے میرے حوالے کر دو میں اسے نہیں چھوڑوں گی ـــــ"
بڑی مشکل سے ٹھیکیدار سے علیحدہ کیا گیا اور ٹھیکیدار کو جو
زخمی حالت میں حراست میں لے لیا گیا ـــــ
سیٹھ صاحب نے کہا ـــــ
"ہمیں اب شہر جانا ہوگا ـــــ ہاں مجھے اپنی بچی کے کفن دفن
کا انتظام بھی کرنا ہے ـــــ"
"ہاں ہاں ـــــ"
پولیس آفیسر نے جواب دیا ـــــ
"ہمیں بھی یہاں بہت سی کارروائی مکمل کرنا ہے اور بچے کی لاش کو بھی
قبضے میں لینا ہے ـــــ کیونکہ ان لوگوں کی مدد کرنا بھی ہماری ذمہ داری
ہے ـــــ"
چنانچہ کارروائی کرتے کرتے شام ہو گئی ـــــ

شام کو پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"اب ہمیں چلنا ہوگا — گرفتار شدگان کو ان کی لانچوں میں بھر کے شہر لے جانا ہے ان کی لانچیں بھی تیار کرو —"

انہوں نے بستی کے سبھی بزدل — ٹھیکیدار۔ مولوی۔ دوکان دار جوہری — جاگیردار اور ان کے آدمیوں کو پکڑ لیا تھا اور اس کے علاوہ انہوں نے انور اور رسولن کو گرفتار کر لیا تھا — جبکہ وہ بیلو کو بمعہ مردہ بچے کے ساتھ لے جا رہے تھے —

جب وہ ان قیدیوں کو لے کر ساحل سمندر کی طرف گئے تو بستی کے سبھی لوگ ان کے ساتھ ساتھ تھے — رو رہے تھے اور پردیپ اپنے وطن بھائیوں کو مصیبت میں دیکھ کر واویلا کر رہی تھی —

سیٹھ صاحب نے انور سے پوچھا —

"تمہاری سونیا کون سی ہے —"

خاموشی سے اس نے ایک طرف اشارہ کیا — ایک سانولی سی بدن کی — خوبصورت اور نازک سی لڑکی ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی — وہ بے حد اداس تھی اور اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں

سیٹھ صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے —

"فکر نہ کرنا بہن — میں تمہارے انور کو بچانے کی کوشش کروں گا — میں اسے واپس لاؤں گا — تم ضرور دلہن بنو گی —"

اور اس نے یوں سیٹھ صاحب کو دیکھا وہ جھوٹ بول رہے ہوں —

سبھی بستی والے چلتے رہے —

جب وہ ساحل سمندر پر پہنچے تو سمندر بھرا ہوا تھا اور اس کی لہریں بلند ہو ہو کر سر پٹک رہی تھیں —

اعظم نے کہا۔

"سرکار سمندر چڑھا ہوا ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے طوفان آئے گا ایسی حالت میں سمندر میں سفر کرنا درست نہیں ہے —"

"ہم لانچوں پر حفاظت سے پہنچ جائیں گے۔

سیٹھ صاحب نے کہا — وہ جلد شہر پہنچ جانا چاہتے تھے

"سرکار سمندر بھرا ہوا ہے — آپ اس پر بھروسہ نہ کریں — یہ لانچوں کو تنکوں کی مانند الٹ دیتا ہے — آپ اس پر بھروسہ نہ کریں اور اپنی جان خطرے میں نہ ڈالیں — اس کا کوئی بھروسہ نہیں —"

وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے — جاگیردار نے اس حالت میں سمندر میں سفر کرنے سے انکار کر دیا — اس نے کہا —

"آپ لوگوں کو سمندری سفر کا تجربہ نہیں ہے — یہ تو سراسر خودکشی کے مترادف ہے — یہ سمندری طوفان تو جہازوں کو الٹ دیتا ہے یہ کشتی کیا شے ہے — میرا وسیع ساحلی تجربہ اس بات کا شاہد ہے آپ شہر جانا صبح تک کے لئے ملتوی کر دیں —"

"کیا پروگرام ہے —"

"میرا شہر پہنچنا انتہائی ضروری ہے —"

سیٹھ صاحب نے کہا —

"اور اگر آپ کی لانچ کو راستے میں حادثہ پیش آگیا تو —"

اس نے خدشہ ظاہر کیا —

"کچھ بھی ہو — میں ضرور جاؤں گا — ضرور ہر حالت میں — چاہیے میری زندگی کو خطرہ کس قدر کیوں نہ ہو —"

وہ بولے —

"تو ہم میں سے شاید کوئی آپ کا ساتھ نہ دے سکے —"

پولیس آفیسر بولا —

"میں اندر والی لانچ میں اکیلا چلا جاؤں گا — آپ بے فکر رہیں — کل آپ کو لانچ مل جائے گی —"

سیٹھ صاحب نے کہا —

ہر چند سب نے سیٹھ صاحب کو روکنے اور منع کرنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے اور لانچ لے کر روانہ ہو گئے —

پولیس آفیسر نے اپنے ساتھی سے کہا —

"سیٹھ صاحب نے جان بوجھ کر خود کو خطرے میں ڈالا ہے — اور خودکشی کرنے کی کوشش کی ہے — شاید وہ چند میل بھی نہ جا سکیں —"

"ہاں شاید —"

وہ بولا وہ بھی سیٹھ صاحب کے فیصلے کو احمقانہ خیال کر رہا تھا۔

وہ دور تک وہ سمندری لہروں میں لانچ کو چلتے اور ادھر ادھر ڈولتے دیکھتے رہے۔ بعض اوقات تو یوں لگتا جیسے ابھی لانچ الٹ جائے گی — مگر لانچ چلتی رہی — اور اسے کوئی حادثہ پیش نہ آیا — اور پھر اسی حالت میں لانچ نظروں سے اوجھل ہو گئی —

پولیس آفیسر مجرموں کے ساتھ واپس آیا — اس نے ساتھیوں کو تاکید کر دی وہ ان لوگوں سے ہوشیار رہیں اور غافل نہ ہوں —

اس نے ساحل پر بھی سپاہیوں کی ڈیوٹی لگا دی — تاکہ کوئی وہاں سے فرار نہ ہو سکے —

ان کے رہنے کے لئے مسجد میں انتظام کیا گیا —

اور وہ سب مسجد میں آرام سے لیٹ گئے —

جزیرے کے ماحول میں پہلی بار سکون اور امن تھا — مگر جزیرے کے بڑے اور سارے ڈاکو پولیس کے قابو آ چکے تھے — جہاں ان کی زندگی بھی خطرے میں تھی —

سیٹھ صاحب کی لانچ بخیریت ساحل سے جا لگی ـــــ

انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا ـــــ اور اب جلد سے جلد گھر پہنچنا ان کے لئے ضروری تھا ـــــ راستے میں طوفان واقعی زوروں پر رہا تھا اور ان کے نزدیک وہ ساحل تک پہنچ ہی نہ سکتے تھے ـــــ مگر لانچ نے طوفان کا پورا پورا مقابلہ کیا تھا ـــــ یہ الگ بات تھی کہ لانچ کی رفتار سست رہی تھی ـــــ اور وہ کئی گھنٹے دیر سے ساحل تک پہنچے تھے۔ مگر ان کا ساحل تک پہنچ جانا ہی غنیمت تھا ـــــ

جب وہ ٹیکسی لے کر گھر پہنچے ـــــ تو لاش گھر آ چکی تھی اور اسے

کفن وغیرہ پہنا دیا گیا تھا ـــــ

سارے رشتہ دار عزیز اور سیٹھ صاحب کے دوست جمع تھے۔ اور لاش کو دفنانے کے لئے لے جانے کے لئے وہ سیٹھ صاحب کا انتظار کر رہے تھے ـــــ

جونہی وہ گھر میں داخل ہوا ـــــ رشتہ داروں نے انہیں گھیر لیا ـــــ

"کیا ہوا ـــــ مجرم کا کیا ہوا ـــــ؟"

انہوں نے پوچھنا شروع کر دیا ـــــ

"مجرم پکڑا گیا ـــــ"

وہ بولے

اور اس سے زیادہ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا ـــــ

پھر وہ جوان بیٹی کی لاش کے قریب گئے ـــــ بیگم کا بُرا حال تھا اور رو رو کر ان کی آنکھیں سوجھ گئی تھیں ـــــ

شوہر کو دیکھ کر وہ اور زور زور سے رونے لگیں ـــــ سیٹھ صاحب نے مردہ بیٹی کے چہرے پر نظر ڈالی اور پھر ان کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے ـــــ وہ آخر باپ تھے اور بیچارہ ان کا جگر گوشہ تھا ـــــ

وہ لاش سے لپٹ گئے اور انہوں نے بھی دل کی بھڑاس نکالی ـــــ

انہیں کسی کی سرگوشی سنائی دی ـــــ

"یہ سیٹھ صاحب کی غلطی تھی کہ انہوں نے ایک وحشی اور ان جان ملازم کو گھر میں رکھا اور اسے سر چڑھایا ـــــ

غصے سے ان کا خون کھول اٹھا اور بلند آواز سے وہ بولے ـــ
"وہ نہ تو حیوان تھا اور نہ وحشی ـــ"
"تو کیا میری بچی کو ہلاک کر کے اس نے وحشت کا ثبوت نہیں دیا۔ اب میری بچی تو واپس آنے سے رہی ـــ"
بیگم نے کہا ـــ
"وہ بڑا اچھا انسان تھا ـــ"
آہستہ سے سیٹھ صاحب بولے ـــ
"بیگم تم ہی اسے نہ سمجھ سکیں ـــ اس نے وہی کچھ کیا جو ایسے حالات میں ایک بھائی کو کرنا چاہیئے تھا ـــ"
بہرحال لاش کی موجودگی میں ایسی باتوں کا نہ تو دوسروں کو ہوش تھا اور نہ اس کی ضرورت تھی ـــ
اس کے بعد تمام رسومات سکون سے منائی گئیں ـــ لاش کو دفن کر دیا گیا اور لٹے ہوئے لوگوں کی مانند وہ لوگ گھر واپس آ گئے ـــ
رات کو سیٹھ صاحب رخسانہ کو تسلی دینے اس کے کمرے میں گئے انہوں نے اب تک یہ سوچا بھی نہ تھا کہ بڑی بہن کی موت کا غم اسے کس قدر نڈھال کر چکا ہوگا ـــ
وہ اداس اور غم زدہ تکیے میں منہ چھپائے رو رہی تھی ـــ باپ کو دیکھ کر غم بڑھ گیا اور باپ کے سینے سے لگ کر بلک پڑی ـــ باپ کا دل بھی بھر آیا ـــ

دونوں باپ بیٹی نے دل کی بھڑاس نکالی ـــ
پھر سیٹھ صاحب نے کہا۔
"رخسانہ بیٹی ـــ ریحانہ غلط راستے پر چل نکلی تھی ـــ اور اس نے خاندان کے منہ پر سیاہی ملنے کی کوشش کی تھی ـــ یہ سیاہی اسے اپنے خون سے دھونی پڑی ـــ اور میں یہ بھی توقع کرتا ہوں کہ تم نے واقعی انور کو ایک مہذب شہری بنا دیا تھا ـــ وہ عقل مند اور غیرت مند بھائی بھی نکلا اور مہذب شہری بھی ـــ"
"وہ کیسے ابو ـــ"
حیران سے اس نے پوچھا۔
"اس نے ہمارا نمک کھایا تھا ـــ جب اس نے ریحانہ اور جاوید کو اس حالت میں دیکھا جس کی اخلاق اجازت نہ دیتا تھا تو اس کا خون کھول اٹھا اور اس نے وہی کیا جو اگر میں خود ہوتا تو کرتا ـــ اس نے اپنی جان کی پرواہ نہ کی ـــ اور ہماری غیرت کا انتقام لے لیا ـــ
مگر تمہارا ناول مکمل ہو گیا ہے ـــ"
سیٹھ صاحب نے کہا ـــ
"نہیں ابو"
وہ آہستہ سے بولی ـــ
"ناول کا ایک باب اور بڑھ گیا ہے ـــ"
"کون سا باب ـــ"

باپ نے پوچھا۔

"ابھی انور کا فیصلہ ہوگا ـــــ اور مجھے ابھی اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا۔ جب تک عدالت انور کا فیصلہ نہ سنا دے ـــــ ابھی ناول بہت دنوں بعد مکمل ہوگا ـــــ"

"ہاں بیٹی ـــــ"

سیٹھ صاحب سوچتے ہوئے بولے۔

"یہ بات درست ہے ـــــ مگر تم ناول کے آخر میں یہ لکھنا مت بھولنا کہ اس ناول کو انور اور ریحانہ کے خون سے تحریر کرنا پڑا ـــــ"

اور رخسانہ خاموش باپ کی باتیں سنتی رہی ـــ جوان بیٹی کی المناک اور بے وقت موت پر باپ کا دل بھی تو خون کے آنسو رو رہا تھا ـــــ

اور پھر انہوں نے ریحانہ کو وہ سارے واقعات بتائے جو جزیرے پر ہوئے تھے ـــــ

کیونکہ یہ بھی اس کے ناول کا جز بن سکتے تھے۔

گھپ اندھیرے میں دیئے کی لرزتی ہوئی لو بھیانک دکھائی دے رہی تھی ـــــ اور جب اس مدھم سی روشنی میں مسجد کے صحن میں سونے والے بہت سے لوگوں کا عکس دیوار پر پڑتا اور دیئے کی طرح تو ایسا محسوس ہوتا جیسے بہت سے بھوت مل کر ناچ رہے ہیں ـــــ

بھیانک رات میں دور کسی کتے کے رونے اور اس کے فوراً بعد ہی گیدڑ کے رونے کی منحوس آواز نے ماحول کو مزید پُراسرار بنا دیا تھا ـــ اور اس پُراسرار ماحول میں شہری آبادیوں میں رہنے والے ان شیر دل پولیس افسران کا پتہ بھی پانی ہو رہا تھا ـــــ

تیز ہوا اچانک چلنے لگی اور اس ہوا سے ٹمٹماتا ہوا دیا زیادہ دیر اپنی لو قائم نہ رکھ سکا اور بجھ گیا ـــــ

پولیس افسر نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"دیا دوبارہ جلا دو ـــ"

مگر ہر بار وہ دیا جلاتا اور دوبارہ دیا بجھ جاتا ـــــ مولوی صاحب نے یہ حال دیکھا تو بولے ـــــ

وہ اب روشن نہ ہو سکے گا۔ تیز ہوا کا دباؤ بڑھ رہا تھا ـــــ اور سبھی کے دل دھک دھک کر رہے تھے ـــــ

اس کی ایک وجہ اس سمندری طوفان کا شور بھی تھا جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا ـــــ

یہ شور ایسا زیادہ بھیانک اور ڈراونا تھا جیسے بے شمار ویاد چڑیلیں مل کر چیخ رہی ہوں ـــــ

اچانک تیز آندھی آئی اور مولوی صاحب نے ان سب سے کہا۔

"شاید بارش بھی آ جائے ـــــ ورنہ آندھی تیز سے تیز تر ہوتی جائے گی۔ یہاں جزیرے والوں کی عام زندگی ہے کیوں نہ ہم اندر چلے جائیں ـــــ"

مگر پولیس افسر اندر جانے پر رضامند نہ ہوا نہ جانے اس میں کیا مصلحت تھی ـــــ وہ بولا۔

"ہم رہیں گے چاہے یہ آندھی اور طوفان کتنا بھی شدید کیوں نہ ہو جائے ـــــ"

اپنی جلی ہوئی کٹیا کے پاس بیٹھے اعظم نے شیریں سے کہا۔

"ہم نے خدا سے انصاف مانگا تھا اس نے شہری پولیس والوں کو بھیج دیا اب ظالموں کو سزا ملے گی ـــــ"

مگر وہ جانتا نہ تھا کہ خدا دنیاوی انصاف کا قائل نہیں۔ وہ زبردست طاقت کا مالک ہے اور اس کا انصاف مختلف ہوتا ہے ورنہ شہری انصاف کرنے والی عدالتوں سے تو اکثر مجرم بچ نکلتے ہیں ـــــ

طوفان میں مزید تیزی آ گئی ـــــ اور پھر بڑھتے بڑھتے یہ اتنا تیز ہو گیا کہ شہر کے رہنے والوں نے ایسا طوفان کبھی نہ دیکھا تھا ـــــ پولیس آفیسر نے مولوی سے کہا ـــــ

"کیا ان جزائر میں ایسے ہی طوفان آیا کرتے ہیں ـــــ"

"نہیں ـــ"

وہ بھی خوف زدہ انداز میں بولا۔

"یہ بہت شدید طوفان ہے ـــــ بہت بڑا طوفان شاید یہ کسی کے گناہ کی سزا دینے کے لئے آ رہا ہے ـــــ"

اور پولیس آفیسر اس کے اس استدلال پر مسکرا دیا ـــــ

سمندر شور مچا رہا تھا ـــــ چنگھاڑ رہا تھا ـــــ

اور پھر اس میں اٹھنے والی لہروں نے اتنی شدت اختیار کی کہ پانی جزیرے پر چڑھ آیا ـــــ

غضب ناک بپھری ہوئی بیس بیس فٹ بلند لہروں نے جب جزیرے پہ
حملہ کیا تو سبھی بوکھلا گئے ۔۔۔ گناہ گار بھی اور بے گناہ بھی ۔۔
سبھی خدا سے پناہ اور معافی مانگ رہے تھے ۔۔۔ مگر طوفانی لہریں
بڑھتی گئیں ۔۔۔ اور جزیرہ پانی میں ڈوبتا چلا گیا ۔۔۔

طوفان نے اتنی شدت پکڑی کہ وہ مکانوں۔ جھونپڑوں ۔۔ انسانوں اور
ہر اس شے کو بہا لے لیا گیا جو جزیرے پر موجود تھی ۔۔۔

انسانوں نے درختوں ۔۔ ستونوں ۔۔۔ اور پناہ گاہوں میں چھپ چھپ
کر اور انہیں تھام تھام کر خود کو بچانے کی جدوجہد کی ۔۔ مگر بیکار ۔۔۔
طوفان شدید تھا ۔ اور اس نے کسی کا لحاظ نہ کیا ۔۔۔
سب کچھ بہہ گیا ۔۔۔

غریبوں کے ملے ہوئے جھونپڑے بھی اور بڑوں کے مکان بھی ۔۔
جوہری اور دکاندار کی دکانیں بھی اور مسجد بھی ۔۔ غریب بھی اور امیر بھی ۔
شہری بھی اور مقامی بھی ۔۔

آدھے گھنٹے کے طوفان میں ۔۔۔ کچھ بھی تو نہ بچا ۔۔۔ سب کچھ بہہ گیا
۔۔۔ اور سمندر میں غرق ہو گیا ۔

ساحل ۔۔ بیوپ ۔۔ اپنے مردہ بچے سمیت ۔۔
پولیس والے ۔۔ اپنے اختیارات سمیت ۔۔۔
اور مسجد ۔۔

اپنے مکار مولوی سمیت ۔۔۔

نصف گھنٹے بعد وہاں سکون تھا ۔۔۔ ابدی سکون ۔۔ جیسے وہاں
کبھی کچھ نہ ہوا تھا ۔۔۔

وہاں سکون ہی سکون تھا ۔۔

البتہ ۔۔۔

ادھر ادھر ۔۔۔ کچھ افراد کی بے گور و کفن لاشیں ضرور بکھری پڑی تھیں ۔۔
ان میں بعض دیہاتی تھے جن میں پھٹے پرانے لباس والا ساون بھی تھا جس
کا لباس اور بوسیدہ ہو گیا تھا ۔۔۔

اور بوسیدہ لباس والے پولیس افسران بھی ۔۔ جن کا صاف لباس
چمکدار بٹنوں سمیت پھٹ چکا تھا ۔۔۔ اور وہ مردہ پڑے تھے ۔۔۔
ماحول سوگوار تھا ۔۔

قدرت کا یہ عذاب تھا یا کیا تھا ۔۔۔ جس میں آٹے کے ساتھ گھن
بھی پس گیا ۔۔۔

یقیناً مرنے والوں نے اپنی جانیں بچانے کی کوشش کی ہوگی ۔۔۔
کیونکہ جان کسے پیاری نہیں ہوتی مگر سمندری طوفان سے وہ خود کو بچا نہ سکے ۔
اور سب کچھ کے ساتھ خود بھی ختم ہو گئے ۔۔

طوفان کی تباہی کی خبریں اخبارات میں شہ سرخیوں سے چھاپی گئی تھیں۔
اخبارات نے اسے طوفان نوح سے تعبیر کیا تھا — اور ہزاروں آدمیوں کے ہلاک ہو جانے کے ساتھ ان جزیروں کے حالات بھی بیان کئے گئے تھے جو کہ دور دراز شہروں سے دور تھے اور جنہیں طوفان کی آمد کی اطلاع وقت پر نہ دی جا سکی —

اخبارات نے لکھا تھا کہ ان جزیروں میں ایک انسان بھی نہیں بچا —
اور یہ درست بھی تھا سادن کا جزیرہ بھی ان ہی بد قسمت جزیروں میں سے ایک تھا —

دنیا بھر میں کہرام مچ گیا — امدادیں اور متاثرین کے لئے رقومات دینے کے اعلان ہونے لگے

اور حکومت نے فوج کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ دور دراز جزیروں میں جائیں تاکہ وہاں اگر کوئی انسان بچ رہا ہو تو اسے امداد دی جا سکے اور اگر نہیں تو ان کی لاشوں کو دفنایا جا سکے۔

فوج کے جوان ان جزیروں میں پھیل گئے۔

ایک ہیلی کاپٹر اس جزیرے پر بھی اترا تھا۔ ہیلی کاپٹر نے اترنے سے پہلے چند چکر لگائے اور حالات کا جائزہ لیا — اور پھر پائیلٹ نے کہا

"وہاں کوئی زندہ نہیں۔"

"مگر ہمیں وہاں ضرور جانا ہے —
ان کے انچارج نے جواب دیا —
شاید کوئی زخمی ہی موجود ہو — اور وہ ہماری امداد کا انتظار کر رہا ہو"

چنانچہ فوج کے جوان جزیرے پر اترے —

انہوں نے ہر چیز کا جائزہ لیا — ہر طرف دیکھا بھالا —
مگر وہاں چند شکستہ مکان تھے اور جھونپڑیوں کا پتہ بھی نہ تھا۔
کوئی ذی روح جزیرے پر دکھائی نہ دیا —

انہیں چند لاشیں ضرور ملیں

"ان میں پولیس والوں کی لاشیں بھی تھیں جن کی وردیاں پھٹ چکی تھیں اور صرف چند نشانوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ پولیس والے ہیں —

انہوں نے ایک درخت سے ایک الٹی لٹکی ہوئی لاش دیکھی داڑھی والا
یہ بزرگ وہ لوگ نہ جانتے تھے کہ مسجد کا ملاں تھا ۔ اور جب طوفان
اسے بہا لے گیا تو اسکے لباس کا ایک ٹکڑا درخت سے اٹک گیا اور وہ اسی
حالت میں مرا ۔

مسجد کے صحن میں ایک کونے میں ستون کے ساتھ انہوں نے ایک
نوجوان عورت کی لاش کو دیکھا ۔

اس نے مردہ حالت میں بھی اپنا مردہ بچہ سینے سے چمٹا رکھا تھا اور
یہ منظر بڑا دردناک تھا ۔

کون جانے ۔۔۔ مرنے والی کا لخت جگر طوفان سے پہلے ہی
مر چکا تھا ۔

ساحل سے کچھ دور انہوں نے ایک نوجوان جوڑے کو مردہ پایا ۔
طوفان انہیں بہا کر ساحل تک لے آیا تھا اور وہ کیچڑ میں لت پت مردہ پڑے
تھے ۔۔۔ مگر ان دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے
رکھا تھا اور انہیں اتنا مضبوطی سے تھاما ہوا تھا کہ طوفان بھی انہیں ایک دوسرے
سے جدا نہ کر سکا ۔

نوح کے جوان کیا جانیں ۔۔۔ کہ جزیرے پر آفاقی پیار کے
پجاری یہ سونیا اور انور ہی تو تھے ۔

اور ان سے کچھ فاصلے پر ایک اور شخص تھا ۔

اس کا جسم جگہ جگہ سے زخمی تھا اور وہ بالکل برہنہ حالت میں تھا

طوفان اس کا لباس بہا لے گیا تھا ۔۔۔

اور اس کے قریب ہی ایک ٹوٹا ہوا ہار تھا جس کے موتی ریت
میں کھو گئے تھے ۔۔۔

جھک کر ایک جوان نے ان موتیوں کو چنا اور بولا ۔۔۔

شاید یہ اس بدنصیب کی بیوی یا محبوبہ کے گلے کا ہار تھا ۔ بہرحال یہ موتی
بہت خوبصورت ہیں ۔۔۔"

"کمال ہے ۔۔۔"

دوسرے نے جواب دیا ۔۔۔

"نقلی چیزیں ۔۔۔ زیادہ چمکدار ہوا کرتی ہیں ۔۔۔"

نقلی اور چمکدار تہذیب میں رہنے والوں کو ہیرے اور شیشے میں
امتیاز کرنا نہ آیا ۔۔۔

اور اس نوحی جوان نے وہ عارضے کے سلسلے موتی سمندر میں پھینک
دیے ۔۔۔ سمندر نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا ۔۔۔

اور وہ سمندر کی تہہ میں پھر صدیوں آرام کرنے کے لئے چلے گئے ۔

نوحی جوانوں نے ایک بڑا سا گڑھا کھودا اور اس میں تمام لاشوں کو ڈال کر
اوپر مٹی ڈال دی ۔۔۔

ان کا کام ختم ہو گیا تھا ۔۔۔ اور وہ جزیرے کے کسی جنگل اور لمبے
سے سفر واپس آ گئے ۔۔۔

اخبار صاف نے پہلے موسٹے رضا نے باپ سے کہا ۔۔۔

"ابو خدا کا شکر ہے آپ آ گئے ورنہ اس جزیرے پر تو تباہی ہی تباہی ہوئی ہے ——

وہاں کچھ بھی نہ بچا —— بے چارے پولیس والے بھی بے گناہ مارے گئے ——

بد نصیب لوگ —— "

"ہاں بیٹے —— "

باپ نے کہا ——

"وہاں گناہ نے اس طور سے جنم لیا تھا کہ مظلوم لوگوں نے اس کا منصف خدا کو بنا دیا تھا —— اور خدا سے انصاف طلب کیا تھا —— اور تم تو جانتے ہو خدا بہتر انصاف کرنے والا ہے —— اس نے قانون کو حکم دیا کہ وہ جزیرے کو ظالم اور مظلوم دونوں قسم کے انسانوں سے پاک کر دیں —— "

"ابو یہ بہت برا ہوا —— بہت ہی برا —— "

وہ بولا ——

"مگر تمہارا ناول تو مکمل ہو گیا ——"

باپ نے جواب دیا ——

"اب تمہیں —— زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا —— ناول کا ہر باب مکمل ہے اور اس میں کوئی خلا نہیں رہ گیا —— "

"ہاں ابو ——

وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی ——

"کاش یہ ناول کبھی مکمل نہ ہوتا —— "

اور اس کی نظر اس نوجوان جوڑے کی تصویر پر جم گئی جو اخبار میں ملٹری ڈویژن کمانڈر نے فراہم کر کے چھپائی تھی ——

اس نوجوان جوڑے نے مر کر بھی ایک دوسرے کا ہاتھ نہ چھوڑا تھا

رخسانہ نے کہا

"ابو مجھے یہ سونیا اور انور معلوم ہوتے ہیں —— گو ان کی لاشیں مسخ ہو چکی ہیں ——

مگر میں تو اپنے ناول میں اسے سونیا اور انور ہی بتاؤں گی ——

ناول کا یہ پہلو بھی غائب دار رہے گا ——

اور سیٹھ صاحب نے کہا میں —— انور اور سونیا مر کر بھی ایک ہی رہے ——